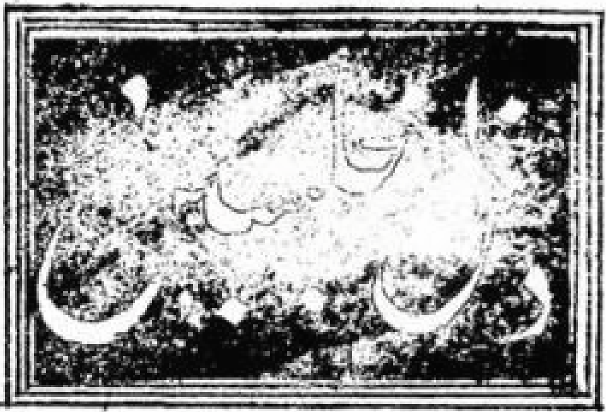
دس مجلسیں



سید غلام عسکری



مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ

بجنور ضلع لکھنؤ

نیو یونائیٹڈ پریس لکھنؤ

احباب پبلشرز

اقبال منزل مقبرۂ عالیہ گولہ گنج۔ لکھنؤ

قیمت آٹھ روپے

بار پنجم سنہ ۱۹۸ء

حقوق بحق۔ سید نواب عالم لکھنؤ

باسمہ سبحانہٗ

حمد بے قیاس اس خالق کریم کے لئے جس نے دین اہلبیت علیہم السّلام پر پیدا کیا۔ بے حساب خراج عقیدت چہاردہ معصومین کے لئے جنہوں نے اپنے ذکر کی توفیق عطا فرمائی۔ مدرسۂ ناظمیہ میں پڑھا۔ مدرسۃ الواعظین میں پروان چڑھا۔ مادر گرامی نے خاندانکو باقاعدہ تربیت دی۔ والد مرحوم جناب سید محمد نقی صاحب قبلہ نے ذہنی ترقی عطا کی اور استاد مرحوم علامہ عدیل اختر صاحب قبلہ سابق پرنسپل مدرسۃ الواعظین نے ان دونوں مربیوں کی کوششوں پر جلاکی اور اس قابل ہوا کہ اپنی بے مائگی اور علمی و عملی کمزوریوں کے باوجود حضرت سید الشہداء علیہ السّلام کے نام لیواؤں میں شمار ہو سکا۔ جو میری کوشش کی کامیابی اگر اسے کامیابی کہا جا سکے فضل الٰہی، نظر کرم معصومین علیہم السّلام اور میرے ان بزرگوں کی محنت اور دعاؤں کی مرہون منت ہے۔

دس مجلسیں میں نے بمبئی میں ماہ محرم سنہ ۱۳۸۰ھ تک پڑھی تھیں۔ یہ صحیح طور پر کہنا ممکن نہیں ہے۔ میرے علم میں یہ مجلسیں دوبارہ سفر کر کے معدوم ہو چکی تھیں لیکن حاجی حامد حسن صاحب مرحوم ساکن مالیگاؤں ضلع ناسک نے خدا ان پر رحمتیں نازل کرے نہ صرف ان مجلسوں کو ٹیپ کیا بلکہ راتوں کو جاگ کر ان کو لکھا بھی۔ ان کے فرزند ارجمند جناب غلام قاسم صاحب نے یہ لکھی مجلسیں مجھے دیں۔ جناب مولوی شیخ حسن مہدی صاحب متعلم مدرسۃ الواعظین نے بڑی محنت سے انکو نقل کیا۔ جناب انصار حسین صاحب مالک احباب پبلشرز انکو شائع کر رہے ہیں۔ ان سب کا شکر گزار ہوں۔ دعا ہے کہ خدا ان مجالس کو زاد آخرت قرار دے اور معصومین علیہم السّلام مقبول ناظرین بنائیں۔ وما توفیقی الا باللہ العظیم۔

والسّلام

سید غلام عسکری (بجنور۔ ضلع لکھنؤ)

مجلس اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ الطاہرین۔ امّا بعد فقال اللہ سبحانہ تعالیٰ۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا الخ (سورۃ الجمعۃ آیت ۲ پارہ ۲۸)

"اللہ نے بے پڑھے لکھوں میں ایک غریب کو رسول بنا کر بھیجا جو آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ نفسوں کو پاک کرتا ہے اور لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جب کہ رسولؐ کے آنے سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

آج اس سلسلۂ کلام کا آغاز کرنا چاہتا ہوں جس کا سلسلہ دس راتوں تک جاری رہے گا۔ آیت وہ پڑھی ہے جس میں حضور سرورِ کائنات کے صفات کا ذکر ہے اور آج پڑھی ہے جب کہ حسینؑ کی مجلسوں کا آغاز ہو رہا ہے۔ ناواقف کی نظر میں حسینؑ کے واقعہ اور رسولؐ کی رسالت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسی تعلق کو ان دس راتوں میں مجھے آپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس وقت آپ سے جو گزارش کروں گا وہ یہ ہے کہ ابھی آپ اپنے ذہنوں کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیں کہ آپ کی مجلس، آپ کے ماتم، آپ کے گریہ اور رونے پر دنیا کیا اعتراض کرتی ہے۔ اس لیے کہ اعتراض کرنے والوں کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عزاداری اور حسینؑ کی مجلس پر دس پانچ اعتراض کر کے سننے والوں کو

اور بیان کرنے والوں کو ان اعتراضات کے جوابات میں الجھا لیں تاکہ حسینؑ کی مجلس کے ذریعہ جو بڑے بڑے پیغام ہوس دن میں پہنچ سکتے ہیں ان پیغامات کے پہنچانے کا وقت کم رہ جائے اس لئے میری گذارش ہے کہ عزاداری حسینؑ پر ہونے والے اعتراض کی آپ فکر نہ کریں کسی معترض کے پاس کوئی نیا اعتراض ہے ہی نہیں۔ جتنے اعتراضات کے تیر ہیں وہ وہی ہیں جو استعمال کئے جا چکے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ صیقل کر کے پھر استعمال کیا جاتا ہے۔ کوئی نیا اعتراض ممکن ہی نہیں خلاً جیسے شام ہی کو یہ سنا کہ آج محرم کی پہلی تاریخ کا چاند نکلا ہے۔ یعنی سال کا یہ پہلا دن شروع ہوا ہے۔ اور یہ رلانے والا دقیانوسی شیعہ اور حسینؑ کے چاہنے والے۔ سال کے پہلے دن کو رونے سے شروع کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی خیال نہیں آتا کہ یہ سال کا پہلا دن ہے اس دن خوش ہونا چاہئے۔ جو لوگ نحوست سے سال کا آغاز کرتے ہیں ان کی زندگیاں خطا ہیں۔ کیسی گزریں گی لیکن آپ یاد رکھیں۔ یہ مجلسوں میں جو ذکر شروع کئے جاتے ہیں وہ اسی لئے کہ آپ کے دماغ دوسرے مسائل کی طرف سے ہٹ کر ان اعتراضات کی طرف مڑ جائیں۔ اور دل و دماغ میں جو الجھن گرمی پیدا ہو جائے۔ اور جو باتیں سوچنے اور سمجھنے کی ہیں ان کا موقع نہ ملے۔ ورنہ جواب بہت آسان ہے۔

جناب آدمؑ پہلے زمین پر آئے تھے تو روتے ہوئے آئے تھے۔ جب انسان کی زندگی زمین پر رونے سے شروع ہوئی اور منحوس نہیں ہوئی تو سال کا پہلا دن جو رونے سے شروع ہوگا تو منحوس کیوں ہو جائیگا اور اعتراض کرنے والے کو یاد نہیں ہوگا۔ مگر ان کے ماں باپ اگر زندہ ہوں تو وہ ان سے پوچھے

کہ جب تم ماں کے پیٹ سے باہر آئے تھے۔ زمین پر پہلا قدم تم نے رکھا تھا تو تم بھی روئے تھے۔ اب بتاؤ تمہاری زندگی منحوس ہوگئی یا نہیں۔ لیکن جب زندگی کے پہلے دن روکے تم منحوس نہ ہو سکے تو آج حسینؑ پر ہمارے رونے سے سال کیوں منحوس ہو جائے گا۔ یاد رکھو رونا سبب حق بجانب ہو تو برکتوں کا سبب بنتا ہے نحوستوں کا سبب نہیں بنتا۔ جناب یونسؑ کی قوم کا واقعہ گواہ ہے کہ رونے سے عذاب واپس جاتا ہے۔ رونے سے عذاب آتا نہیں ہے۔ یہ تو چند ابتدا کی باتیں تھیں۔ میں آپ کے سامنے پھر یہ کہوں گا کہ آپ ان اعتراضات سے اپنے دل و دماغ کو زیادہ نہ الجھائیں۔ اور اگر لوگ بہت زیادہ الجھیں تو بھی آپ صبر کرتے رہیں۔ میں جب تقریر کروں گا جتنے اعتراضات آپ بتائیں گے ان کے جوابات دے دوں گا۔ لیکن ان درمیانی راتوں میں مجھے کہنے دیں کہ حسینؑ اور اسلام میں ربط کیا ہے۔ اور یہ مجلسیں ہم کیوں کرتے ہیں؟

ایک میرے پڑھے لکھے دوست نے کہا کہ کبھی آپ نے زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر بھی مجلس کو سوچا؟

میں نے ان سے کہا کہ اپنے سوال کی وضاحت کیجیے۔

وہ کہنے لگے کہ: دیکھیے اگر آپ ایک گھنٹے کی مجلس پڑھتے ہیں تو اس میں ہر آنے والے کے دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ ایک گھنٹہ آنے جانے کا اور ایک گھنٹہ آپ کی مجلس سننے کا۔ اور اگر آپ کی ایک مجلس میں بیس ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنی قوم کے چالیس ہزار گھنٹے ایک مجلس میں صرف کر دیتے ہیں۔ اور اگر دو مجلسیں ایسی پڑھتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوا

کو اس میں سیاہ لاکھ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ اور ہندوستان میں سال بھر میں جتنی مجلسیں ہوتی ہیں ان کا حساب لگایا جائے تو اندازہ ہوگا کہ کم از کم کئی کروڑ گھنٹے آپ کی قوم کے صرف ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہر مجلس میں شرکت کرنے والے کے صرف پانچ پیسے صرف ہوتے ہیں تو سال بھر میں جتنی مجلسیں ہوتی ہیں اس پر بے اندازہ دولت صرف ہو جاتی ہے۔

میں نے کہا حساب تو آپ نے اچھا لگایا۔ مگر مطلب کیا ہے! کہنے لگے کہ یہ سوچئے کہ یہ پرانی مجلسیں جس پر آپ اتنی زندگی اور دولت صرف کر رہے ہیں آخر ان کی کیا ضرورت ہے اور ان کا کیا فائدہ ہے! جو زندگی اور دولت صرف ہو رہی ہے۔ اس کا حاصل کیا ہے۔

میں نے کہا کہ آپ نے سمجھا نہیں ان مجلسوں کو۔ اس مجلس پر جتنی بھی زندگی صرف ہو، جتنی بھی دولت صرف ہو، جتنا بھی وقت صرف ہو وہ بیجا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مجلس میں ذکر حسینؑ ہوتا ہے وہ حسینؑ جس نے قربانیاں دے کر کربلا میں مذہب بچایا، وہ مذہب جسے جناب آدمؑ نے شروع کیا اور جسے آخر میں سرورِ کائناتؐ نے پیش فرمایا۔ مجلس مذہب کے زندہ کرنے کی کوشش کا ایک ذریعہ ہے۔ حسینؑ نے کل کربلا میں مذہب زندہ کیا تھا۔ آج ہم ذکر حسینؑ کر کے مذہب کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجلس پر جو وقت اور دولت صرف ہو رہی ہے اس کے حساب سے پہلے یہ سوچئے کہ بشر نے مذہب پر کتنا وقت اور کتنی دولت صرف کی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی زندگیاں مذہب پر صرف ہوگئیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیؑ

کی زندگیاں گننا تو بہت آسان ہے مگر ہر نبی کی زندگی کی کتنی قیمت ہے اس کا حساب لگانا آسان نہیں ہے۔

میرے دوستو! حساب یوں لگے گا کہ جب فرعون کی سمجھ میں آ گیا کہ ایک بچہ پیدا ہو کر تیری خدائی نیست و نابود کر دے گا تو وہ بنی اسرائیل کے قبیلوں میں بچوں کو پیدا نہیں ہونے دیتا۔ لڑکی پیدا ہوتی ہے تو زندہ رکھتا ہے لڑکا پیدا ہوتا ہے تو قتل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار معصوم بچے قتل ہو گئے۔ تب جناب موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ نے کہا کہ ناپ اور تول کر دیکھو ستر ہزار بچوں کی زندگیاں میرے کلیم کے بچنے کی زندگی کی قیمت ہے۔ سوچو جب موسیٰؑ کے بچنے کی قیمت اتنی ہے تو پوری زندگی کی قیمت کتنی ہو گی۔ جب ایک نبی کی قیمت اتنی ہے تو سارے انبیاء کی قیمت کتنی ہو گی خصوصاً حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زندگی کتنی قیمتی ہو گی جب کہ سارے انبیاء آپ کی قیمت نہیں بن سکتے۔

اب ذرا سوچئے کہ وہ مذہب کتنا قیمتی ہو گا جب کہ خالق نے آدمؑ کی قیمتی زندگی صرف کر دی۔ نوحؑ کی قیمتی زندگی صرف کر دی۔ ابراہیمؑ کی قیمتی زندگی صرف کر دی۔ جناب موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی قیمتی زندگی صرف کر دی۔ پیغمبر عربی کی قیمتی زندگی صرف کر دی۔ ہمارے اماموں کی قیمتی زندگی صرف کر دی۔ جب مذہب اتنا قیمتی ہے کہ اس پر اللہ نے لاکھوں قیمتی زندگیاں بلکہ پوری قیمتی کائنات قربان کر دی تو اس مذہب کو جس کربلا نے زندہ کیا اس کربلا کے ذکر کو زندہ کرنے کے لئے جو دولت اور وقت صرف ہو وہ بجا ہے۔

ایک اور مثال یاد دلاؤں پھر آپ پہچانئے کہ مجلس میں جو مذہب زندہ کیا

جاتا ہے وہ مذہب اللہ کی نظر میں کتنا قیمتی ہے۔ جناب نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ
کرنے کے بعد جب طوفان کی دعا کرتے ہیں تو اسی آدمی آپ کی کشتی میں بیٹھتے
ہیں۔ اور بقیہ ساری دنیا طوفانِ نوحؑ میں غرق ہو جاتی ہے۔ اللہ نے طوفان کی
تمازت سے تول کے بتا دیا۔ دین کتنا قیمتی ہے۔ اور بے دین کتنے بے قیمت ہیں۔ بے
دین پہاڑ کی اتنی اونچی ہو تو ڈبو دینے کے قابل ہے۔ اور دین والی اتنی ہو جتنی سی کی مختصر
کشتی ہو تو بچا لینے کے قابل ہے۔

سوچو! ساری دنیا ڈوب کے جب اسی دین والا بچائے جاتے ہیں تو مذہب
کتنا قیمتی ہے۔ آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ حسینؑ کی مجلس پر اتنا وقت اور
دولت کیوں صرف ہو رہا ہے؟

اب سنئے۔ یزید نے یہ چاہا تھا کہ اسلام کا وہ درخت جڑ سے اکھاڑ
کر پھینک دے جس کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنی قیمتی جانیں دے
کر بچایا تھا۔ سوچو جس دین کو پیغمبرؐ نے پھیلایا تو کفارِ قریش نے چاہا کہ اس
کی شاخیں کاٹ کر ختم کر دیں۔ جو کمی شاخیں کاٹی جا رہی تھیں، اور یہ شاخیں
کاٹی جا رہی تھیں، خیبر میں شاخیں کاٹنے کی کوشش تھی مگر اسلام کا بھیجنے والا اللہ،
اسلام کو لانے والا نبیؐ، اسلام کا محافظ علیؑ، اس اسلام کو بچاتا رہا مگر یزید یہ کہہ
رہا تھا کہ حسینؑ بیعت کر لو۔ بیعت کا مطلب تھا کہ وہ درخت جڑ سے اکھڑ
جائے جسے آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک نے بچایا تھا۔ حسینؑ نے بیعت کے
لئے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا، حسینؑ کا گلا تو کٹ گیا مگر اسلام ہمیشہ آباد ہو گیا۔
اسے بچانے کے لئے حسینؑ کا گلا کٹتا ہے، اصغرؑ کے گلے پر تیر لگتا ہے۔ عباسؑ کے

مٹانے قلم ہو سکتے ہیں لیکن جناب آدمؑ سے لے کر جناب امام حسینؑ تک کی محنتیں محفوظ رہتی ہیں۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ حسینؑ کربلا میں نفع میں رہے کہ نقصان میں؟ ارے یوں سمجھو انھوں نے بہتر گلے کربلا میں کٹنے کے لئے دے دیئے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی زندگیاں بچالیں۔ دیکھئے دیا کتنا اور بچایا کتنا

اب سوچئے کہ اسلام کربلا میں نفع میں رہا کہ نقصان میں۔ مگر حسینؑ نے کس اسلام کو بچایا۔ اس اسلام کو بچایا جسے حضور سرور کائناتؐ نے پیش کیا تھا۔ نہ کہ اس اسلام کو جو یزید اور مروان کو خلیفہ بنا دے۔ وہ اسلام نہیں جو مظلوم کا گلا کاٹ سکتا ہے۔ وہ اسلام نہیں جو باپ کو بیٹے کے ہاتھوں بیڑیاں پہنوا دے۔ وہ اسلام نہیں جہاں بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہو۔ نہیں حسینؑ نے اس اسلام کو بچایا جس کے ذریعہ انسان انسان بنتا ہے۔ جہاں انسان کے سینے میں درد مند دل ہوتا ہے اور درد صرف اپنوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے ہوتا ہے۔ جہاں محبت صرف اپنے بچے کے لئے نہیں بلکہ یتیم کے لئے بھی ہوتی ہے جہاں ہمدردی صرف اپنے عزیز ہی کے لئے نہیں ہوتی ہے بلکہ ہر مجبور کے لئے ہوتی ہے۔ یہ اسلام محمدیؐ تھا جسے پیغمبرؐ نے پیش کیا تھا۔ اسی اسلام کو یزید کربلا میں مٹانا چاہتا تھا۔ اسی اسلام کو حسینؑ نے قربانیاں دے کر بچایا تھا۔

آج میں اس اسلام کا ہلکا سا تعارف کراؤں گا۔ اور کل سے سلسلۂ کلام آگے بڑھے گا۔ اس اسلام پہ جو تاریخ کے دور گزرتے رہے ہیں۔ اور جو اس کے تقاضے سامنے آتے رہے ہیں ان کا بعد میں تذکرہ کروں گا۔ آج تو صرف

یہ کہنا ہے کہ حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ نے اسلام اُس وقت پیش کیا جب ساری دنیا میں اندھیرا تھا اگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف عرب میں اندھیرا تھا تو ایسا نہیں ہے بلکہ ساری دنیا میں اندھیرا تھا۔ اسلام جب شروع ہوا تو چھٹی صدی عیسوی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں ساری کائنات پہ گہرے پردے پڑے ہوئے تھے۔

گر جناب عیسیٰؑ مذہب چھوڑ کر گئے تھے۔ تو وہ مذہب اپنی بنیادوں پر باقی نہیں تھا بلکہ پولوس کا مذہب بن چکا تھا۔ اگر جناب ابراہیمؑ نے مذہب پیش کیا تھا تو اب وہ باقی نہیں تھا بلکہ بت پرستی بن چکا تھا۔ ساری دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ ایران، شام، عرب میں جناب سلیمانؑ کو تین جھلملاتی روشنیاں ملی تھیں۔ ہاں فرق صرف اتنا تھا کہ پورے ارض اندھیرے میں سب سے زیادہ گہرا اندھیرا، سب سے زیادہ کالا اندھیرا، دم گھوٹنے والا اندھیرا عرب میں تھا۔

جہاں سب سے زیادہ اندھیرا تھا حضور سرورِ کائناتؐ کو حکم ہوتا ہے کہ وہیں سے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کرو۔ عرب کا انتخاب اس لئے نہیں ہو رہا ہے کہ پیغمبرؐ عربی ہیں۔ بلکہ انتخاب اس لئے ہو رہا ہے کہ عرب سب سے زیادہ پیچھے جا چکا ہے سب سے زیادہ برائی کی انتہا تک پہنچ چکا ہے۔ پیغمبرؐ اس عرب کو ابھار کر دنیا کو پہچانے کہ جب جاہل عرب اسلام کے ذریعہ اچھا انسان بن سکتا ہے تو سیاہ کون بگڑا ہوا انسان اسلام کے ذریعہ اچھا نہیں بن سکتا۔ میں تفصیل تو نہیں پیش کروں گا۔ صرف ایک جملے سے مدد لوں گا کہ حضور سرورِ کائناتؐ انسان تب بنا رہے تھے جب باپ بیٹی کے لئے باپ نہیں قاتل تھا۔ بس اسی ایک فقرے میں عرب کا مزاج پہچانئے۔ پیغمبرؐ اس عرب کو انسان بنا رہے تھے

بچا جواب ہونے کے بجائے قاتل ہے۔ حضورؐ انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے کہ جس بد
میں قاتل دل ہے اس کے سینے میں دل ہی رہے، مگر جذبہ اتنا بدل جائے کہ اپنی
کی مدد سے کسی بھی نظر آئے تو کسی محبت پہ تیار ہو جائے۔

ذرا سوچیے کہ کتنا مشکل انقلاب پیغمبرؐ کو لانا تھا۔ پیغمبرؐ اس انقلاب کے لانے
میں کامیاب ہوئے۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ حضور سرور کائناتؐ نے
ظالم عرب کو اسلام کے ذریعہ عدل صفت انسان بنا دیا ہے۔ درندہ صفت
عرب کو پیغمبرؐ نے انسان بنا دیا۔ یہ کہہ لینا تو بہت آسان ہے کہ جو بیٹی کو
دبا تا تھا وہ انسانیت کا کام کرنے لگا، جو ظالم تھا وہ خدا سے ڈرنے
لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ پیغمبرؐ ساحر و جادوگر نہیں
کہ جادو کی لکڑی سے اسلام پھیلا دیا ہو۔ جس کے سامنے لکڑی کر دیتے تھے
مسلمان ہو جاتا تھا اس کی آنکھیں بدل جاتی تھیں بس کا دماغ بدل جاتا تھا
اسلام پیش کر رہے تھے مگر تلوار دکھا کر نہیں۔ سختی کے ذریعہ نہیں۔
ڈرا کر نہیں بلکہ اصول اور نظریات کے ذریعہ جس کی سمجھ میں بات آ
جاتی تھی وہ برائی چھوڑ کر اچھائی کی طرف آ جاتا تھا۔ میں آج کی تقریر میں آپ
کے سامنے صرف وہ فلسفہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو اسلام کا انقلابی فلسفہ ہے
جہاں برا آسانی کے ساتھ اچھا بن جاتا ہے۔ بُرے انسان کو اچھا بنانے
کے سلسلہ میں اس گہری حقیقت پر بھی نظر رکھیے کہ برائی طاقت سے نہیں مٹتی
طاقت کے ذریعہ برائی عارضی طور پر رک سکتی ہے مٹ نہیں سکتی خدا کو
بھلا کر کسی بھی برائی سے ڈانٹ کر روکنا چاہتا ہے تو ہمیشہ بزرگ کی سرزنش

آنکھیں اس کو دیکھتی رہیں گی۔ جب تک وہ برائی سے دوچار رہے گا۔ مگر جب نگاہ
ہٹ جائے گا تو بچہ پھر برائی کی طرف بڑھ جائے گا۔ اگر رکاوٹ کے ذریعے انسان
برائی سے روکا جائے گا تو رکاوٹ جتنی دور رہے گی۔ برائی اتنی ہی دیر رکے گی
اس کے برخلاف مجھے اسلام کی اس تربیت کو پیش کرنا ہے جس کی تاثیر ہی سے
رکاوٹیں ہٹائی جائیں۔ انسان کو برائی کرنے پر قابو ہو مگر وہ برائی کرنے پر تیار
نہ ہو۔ اسلام کا وہ فلسفہ کیا تھا جسے پیغمبر نے پیش کیا تھا اور جس کے ذریعہ انقلاب
لائے تھے۔ وہ سنیئے۔

پیغمبر نے کہا کہ برائی مٹانے سے پہلے یہ دیکھو کہ برائی پیدا کیسے ہوتی ہے۔
جب تک برائی کا سبب نہ ڈھونڈو گے تب تک برائی نہیں مٹے گی۔ ایک
شخص جس کا بخار اتنا بڑھا کہ اسے سرسام ہو گیا۔ اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے
لگا۔ اس کے بخار کی شدت کو دیکھ کر میں یہی کر سکتا ہوں اور آپ بھی کہ اس
جسم پر برف رکھ دیں تاکہ اس کا ٹمپریچر گرنے لگے مگر جیسے جیسے برف
پگھلتی جائے گی ٹمپریچر پھر ابھرنے لگے گا۔ معلوم ہوا کہ ہم نے بیماری کا زور روکا مگر
اس کا کھوج آگے نہیں لگایا۔ مثلاً اگر بخار جگر کی خرابی سے ہے تو
جب تک جگر نہیں ٹھیک ہوگا تب تک بخار نہیں جا سکتا۔ دنیا کے لوگ
برائی روکتے ہیں مگر جس طرح بخار کی تیزی کو برف سے دبا کے روکا جاتا ہے
اسلام نے برائی روکی مگر اس طرح کہ برائی کی جڑ کاٹ دی۔

دنیا والوں سے پیغمبر نے کہا کہ پہلے یہ سوچو کہ برائی پیدا کیسے ہوتی ہے
اس کی تشریح اپنے لفظوں میں سنانا چاہتا ہوں کہ ہر انسان کے مزاج

میں ایک فطری جذبہ ہے وہی جذبہ جب غیر معتدل اور بے مہار ہو جاتا ہے تو بر
کا سبب بنا کرتا ہے۔

انسان کا وہ فطری جذبہ کیا ہے وہ فطری جذبہ یہ ہے کہ ہر انسان یہ چا
کہ جو اسے ملے وہ لے لے۔ یہ لے لینے کا جذبہ پایا ہے کہ اس سے کوئی انکار نہ
کر سکتا۔ آپ یاد رکھیں جب میں کسی بات کا انکار بھی کرتا ہوں تو اس کے پیچھے
کا جذبہ ہو جیب مارتا رہتا ہے۔ آپ میرے سامنے چائے کی پیالی بڑھاتے ہیں،
انکار کرتا ہوں تب بھی لینے کا جذبہ باقی ہے اگر دو مرتبہ آپ اصرار کریں گے
سلام کر کے ہاتھ بڑھا دوں گا۔ اگر فطرت کو معلوم کرنا ہے تو بچے سے سیکھئے
جب بات سمجھنے لگے، آپ اپنی مٹھی خالی بڑھائیے۔ آپ کی مٹھی میں کچھ نہیں
ہے مگر آپ اس سے کہیں تو بیٹا۔ اسے نہیں پتہ کہ آپ اسے دھوکا دے ر
ہیں۔ آپ کا ہاتھ خالی ہے مگر وہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دے گا۔ ایک نئے پل
کی امید میں ہاتھ بڑھا کر بتایا فطرت لینا سکھاتی ہے۔ نہ پا کر کتنا بھی رو
بچے مگر اس کا رونا بھی بتاتا ہے کہ فطرت نے لینا سکھایا تھا ورنہ نہ ملنے پر
رونا۔ ہر انسان میں بچپنے سے لے کر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے۔
آج عکس ہے میرا کوئی بزرگ کہے کہ ہم تو بچپنے میں بھی کچھ نہیں مانگا کرتے
تھے مگر وہ گواہ اب کہاں ملیں گے جو اپنی دیں کہ تم بھی بچپنے میں مانگا کرتے
تھے غرضیکہ اس جذبے سے نہ کوئی خالی تھا اور نہ ہے۔ ہر انسان کا مزاج
ہے کہ جو ملے وہ لے لو۔ بچہ بچپنے بھر چاہتا ہے کہ جو ملے لے لیں۔ جیسے جیسے
بچہ بڑھتا ہے اس کے ساتھ لینے کا جذبہ بھی بڑھتا ہے۔ جیسے جیسے بڑا ہوتا

دیسے دیسے لینے کا جذبہ بھی بڑا ہوا، جب جوان ہوا لینے کا جذبہ بھی جوان ہوا جب اس نے تعلیم حاصل کی تو یہ جذبہ بھی تعلیم یافتہ ہو گیا جب اس میں طاقت پیدا ہوئی تو لینے کے جذبہ میں بھی طاقت پیدا ہوئی۔ اس نے شہر پر اپنا اثر بڑھایا تو لینے کا جذبہ بھی پورے شہر کو نچوڑنے لگا جس کا اثر ملک بھر میں پیدا ہوا وہ پورے ملک کا تیل نکالنے لگا۔ جو بین الاقوامی بنا اس نے لینے کے جذبہ کی چکی میں پوری دنیا کو پیسنا چاہا۔ معلوم ہوا انسان جتنا بڑھتا جا رہا ہے، جتنا پھیلتا جا رہا ہے۔ جتنا با اثر ہوتا جا رہا ہے اسی کے ساتھ ساتھ لینے کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔

ہم لینا چاہتے ہیں اور صرف لینا چاہتے ہیں جب تک سچ سے ملتا ہے تو سچ بول کر لیتے ہیں۔ جب سچ سے نہیں ملتا تو جھوٹ بولتے ہیں جب تک حق سے ملتا ہے تو حق دار بن کر لیتے ہیں۔ جب حق سے نہیں ملتا تو ناحق لیتے ہیں۔ جو تنخواہ سے ملتا ہے وہ تنخواہ سے لیتے ہیں، کم لگے تو رشوت سے لیتے ہیں۔ اور جب رشوت پر کوئی ٹوکتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے غرضیکہ ہر برائی کی جڑ یہی لینے کا جذبہ ہے جب تک سچ کے ذریعہ حق کے ذریعہ، عدل کے ذریعہ ملتا ہے لیتے ہیں۔ اور جب سچ کہتا ہے ہم نہیں دلا سکتے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم سچ کو چھوڑ سکتے ہیں۔ مگر لینے کے جذبہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بس وہیں پر ہم جھوٹ کے ساتھی بن جاتے ہیں جہاں دیکھتے ہیں کہ بغیر بھائی کے قتل کے ہمیں نہیں مل سکتا وہیں پر قاتل بن جاتے ہیں

دنیا میں ساری برائیوں کی جڑ انسان کا یہ لینے کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ

جب تک باقی ہے تب تک برائی باقی رہے گی۔ لوگ کہیں گے جب یہ جذبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ صحیح ہے مگر مذہب نے اسی زہر سے ایک تریاق پیدا کیا، سنکھیا یقیناً زہر ہے مگر ڈاکٹر اسی زہر کو مریض کے لئے دوا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ نے اسی لینے کے جذبہ کی اصلاح کر کے انسانیت کے امراض کا علاج کیا۔ صلوات،

امن تب قائم ہو سکتا ہے۔ جب لینے والے گھٹیں اور دینے والے بڑھیں ورنہ میں فساد ہمیشہ بڑھے گا جب لینے والے بڑھیں گے اور دینے والے گھٹیں گے۔ لینے کے جذبہ کا اضافہ فساد کا سبب ہے اور دینے کے جذبہ کا اضافہ امن کا ذریعہ ہے۔ مثال سنیئے۔

ابھی سب توجہ سے سن رہے ہیں نہ کوئی کسی کو کہنی مار رہا ہے۔ نہ کوئی کسی کے پیر پر پیر رکھ رہا ہے۔ نہ کوئی کہہ رہا ہے کیوں دھکے دے رہے ہو۔ مگر یہی لوگ جب مجلس ختم ہوئی اور تبرک کا خیال ہوا وہ نکلے تو ہر ایک پہلے نکل جانا چاہتا ہے۔ جہاں جگہ لینے کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہیں پر آوازیں آنے لگیں۔ یہ پیر پر پیر کیوں رکھے دے رہے ہو۔ یہ دھکے ہوئے کیوں نکل رہے ہو۔ یہ مجھ کو تم نے کہنی کیوں مار دی۔ معلوم ہوا جب تک مجمع سکون سے بیٹھا تھا امن تھا۔ جیسے ہی جگہ لینے کا جذبہ پیدا ہوا ویسے کشمکش بڑھنے لگی ہر طرف سے فریاد کی آوازیں آنے لگیں۔

دوسری مثال دوں کہ بچے بھی سمجھ جائیں۔ مجلس ہوتی ہے، میلاد ہوتا ہے، سیرت النبی کے جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس میں تبرک بھی تقسیم

ہوتا ہے۔ جب تک مقرر تقریر کرتا ہے سب بڑے سکون سے سنتے رہتے ہیں مگر جب تقریر ختم ہوئی اور تبرک بٹنے کا وقت آیا تو اب جو چلا وہ لینے کا جذبہ لے کے چلا۔ البتہ جو بانٹنے کھڑا ہوا ہے وہ لینے کے خیال سے نہیں کھڑا ہے بلکہ دینے کے خیال سے کھڑا ہے۔ جو تبرک بانٹا کرتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہوتے ہیں جو مجمع کے وفادار ہوتے ہیں۔ اور ایک وہ ہوتے ہیں جو تبرک والے کے وفادار ہوتے ہیں۔ جو تبرک والے کے وفادار ہوتے ہیں وہ مجمع کتنا ہی کیوں نہ ہو، تبرک بانٹ کر بچا دیتے ہیں۔ جب ہاتھ بڑھایا معلوم ہوا کہ مٹھی بھر کر دیں گے مگر جب دیا تو دو دانے۔ اور جو مجمع کے وفادار ہوتے ہیں جس کو دیتے ہیں مٹھی بھر کے دیتے ہیں۔ اور مجمع بھی پہچان لیتا ہے کہ جو دے رہا ہے اس سے جتنی پہچان پیدا کرو گے اتنا ہی زیادہ ملے گا۔ اس موقع پر لوگ رشتے قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں ذرا سا حصہ ملنے کا وقت آتا ہے تو ہم رشتہ جوڑتے ہیں فلاں چچا یاد رکھنا ہم کو۔ ماموں آداب عرض ہے۔ پھر اگر ثبوت کے بعد کسی جگہ کے ملنے کا سوال پیدا ہو جائے۔ تو انسان کے دل میں رشتہ جوڑنے کی تمنا پیدا ہو گی کہ نہ ہو گی۔ غرضکہ جب مجمع تبرک لینے کے لئے چلا۔ تو سب ایک دوسرے کو دھکے دے رہے ہیں۔ اب مجمع فریاد کی آوازیں بلند کر رہا ہے۔ لڑکے بوڑھوں سے آگے چلے جا رہے ہیں۔ جوان کمزوروں کو دھکے دے رہے ہیں۔ یہ کیوں۔ اس لئے کہ لینے کا جذبہ ابھر گیا مجلس والے نے دیکھا۔ دروازہ ایک ہے مجمع زیادہ ہے لینے والوں میں کشمکش ہے۔ اس نے دوسرا دروازہ کھلوا دیا۔ دونوں جگہ تبرک بٹنے لگا۔ بتائیے جو کشمکش تھی وہ گھٹے گی یا نہیں۔ جو

جھگڑے بے جوڑ تھے وہ آدھے ہو جائیں گے یا نہیں معلوم ہوا کہ لینے والے بڑھیں گے تو جھگڑے بڑھیں گے۔ دینے والے بڑھیں گے تو اطمینان بڑھے گا۔ امن بڑھے گا۔ اگر چار دروازوں پر جھکنے لگے تو اور امن ہو جائے اگر دس دروازوں پر جھکنے لگے تو اور امن ہو جائے۔ اگر مجمع کے مطابق دروازے ہو جائیں تو سب اطمینان سے نکل جائیں۔ کوئی جھگڑا نہ رہے۔ تو پتہ لگا۔ لینے کا جذبہ جتنا ابھرے گا دنیا میں برائی اتنی ہی بڑھے گی دینے کا جذبہ جتنا بڑھے گا امن و اطمینان اتنا ہی قائم ہوگا۔

اسلام اگر چاہتا ہے کہ برائی مٹادے تو اس کا فرض ہے کہ وہ بتائے کہ لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدلا کیسے جا سکتا ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے جاہل و خونخوار عرب کو اسلام کے ذریعہ اگر انسان بنایا تھا تو کس فلسفۂ حیات کے ذریعہ بنایا تھا۔ اسی کو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

اگر لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدلا جائے تو برائی اچھائی سے بدلے۔ اور برا اچھا ہو جائے۔ مگر یہ بدلے کیسے۔ ڈانٹ ڈپٹ سے نہیں بدلے گا۔ لالچ سے نہیں بدلے گا۔ لینے کا جذبہ فطری ہے تو لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدلنے کے لئے بھی کسی فطرت ہی کے راستے کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ وہ راستہ بچہ سے سیکھئے جس طرح بچہ سے ابھی سیکھا ہے کہ لینا فطری ہے۔

آپ پہلے بچے کے ہاتھ میں دو پیسے کا سفید رنگ کا غبارہ دے دیجئے پھر

اس سے کہئے۔ یہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے اسے دے دو، یہ تمہاری بہن ہے اسے دے دو۔ یہ تمہاری خالہ کا لڑکا ہے اسے دے دو۔ آپ سمجھاتے رہیں مگر بچہ دینے پر تیار نہیں ہوگا۔ کیوں کہ فطرت لینا سکھا رہی ہے۔ دنیا نہیں سکھاتی۔ آپ اسے ڈانٹ سکتے ہیں مگر وہ دینے پر تیار نہیں ہوگا۔ البتہ آپ طاقتور ہیں۔ وہ مجبور ہے۔ اس لئے آپ چھین کے دے سکتے ہیں۔

صورت حال یہ نہیں ہے۔ بلکہ صورت حال یہ ہے کہ بچہ خوشی سے دے دے۔ اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ آپ نے بچے کو دو پیسے کا سفید رنگ کا غبارہ دیا ہے۔ جس میں آپ نے منہ سے ہوا پھونکی ہے۔ وہ اڑتا نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ دوسرا غبارہ لیں جو سات رنگ کا ہو۔ وہ بیس فٹ تک اونچا بھی جاتا ہو۔ ایک مرتبہ سات رنگ کے غبارہ کو بیس فٹ اونچا کرکے ہاتھ میں لیں اور بچے سے کہیں وہ سفید رنگ کا دو پیسے کا غبارہ تم چھوٹے بھائی کو دے دو تو یہ سات رنگ والا غبارہ میں تم کو دوں گا۔ بچہ وہ چھوٹا اور معمولی غبارہ دینے کے لئے دوڑے گا تاکہ اچھا غبارہ لے لے۔

پتہ چلا اگر لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدلنا ہے تو پھر ایک چیز کے ذریعہ ایسا ممکن نہ ہوگا۔ دو چیزیں رکھنا پڑیں گی۔ جن میں ایک کم ہو اور دوسری زیادہ ہو۔ اور کہا جائے کہ کم دے دو تو ہم زیادہ دے دیں گے تو انسان کم تر دے کر بہتر لینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

اسلام نے جاہل عرب کو کیسے انسان بنایا۔ اس طرح بنایا کہ انھیں یقین دلایا کہ دنیا بس یہی دنیا نہیں ہے۔ کیوں کہ ہم سوچتے ہیں کہ اگر دنیا بس یہی

دنیا ہے۔ اور جب تک ہم جیتے ہیں تب ہی تک زندگی ہے۔ تو ہم سمجھنے لگے ہیں کہ جب تک زندہ ہیں جو مل جائے بس وہی ملنے والا ہے۔ لہٰذا اگر صرف دنیا باقی جائے گی تو دنیا میں ظلم ہی ظلم رہے گا۔ امن نہیں پیدا ہوگا۔ مگر پیغمبر ہو نے یقین دلایا کہ یہ دنیا صرف یہی دنیا نہیں ہے بلکہ اس دنیا کے علاوہ ایک دنیا اور ہے، اس کا نام آخرت ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ مٹنے والا ہے وہاں جو کچھ ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ یہ فانی ہے اور وہ باقی ہے اور خدا وعدہ کرتا ہے کہ یہ فنا ہونے والی دنیا تم اس کے حکم کے مطابق بسر کروگے تو باقی رہنے والی آخرت میں تمہیں دوں گا۔ جیسے بچے کمتر چیز چھوڑ کر بہتر لینے کے لئے دوڑتا ہے ایسے ہی جس مسلمان کے دل کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا کمتر ہے اور آخرت بہتر ہے۔ یہ دنیا دے کے آخرت لینے کے لئے بڑھتا ہے۔ اب یتیم پر خرچ بھی کر سکتا ہے۔ بیوہ کی خدمت بھی کر سکتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت بھی کر سکتا ہے۔ پڑوسی کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ یہ کسی کو واقعی کچھ نہیں دیتا ہے۔ لیکن خدا کے وعدہ کے بھروسہ کمتر دے رہا ہے تاکہ بہتر پا سکے۔ وہ پیاسے کو پانی پلا رہا ہے جام کوثر پینے کے لئے۔ وہ یتیم کو کھانا کھلا رہا ہے جنت کے میوے کھانے کے لئے۔ وہ پڑوسی کی مدد کر رہا ہے حور سے خدمت لینے کے لئے۔ وہ اپنے مکان میں مہمان کو ٹھہرا رہا ہے جنت میں درجہ بلند کرنے کے لئے۔ غرضکہ کمتر دنیا دے رہا ہے بہتر دنیا پانے کی امید میں۔

یہ ہے وہ فلسفۂ حیات، اسلام جسے جاہل عرب کے سامنے پیغمبر نے

پیش کیا اور اسے مسلمان بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب جو دولت بچانے کے لیے بیٹی کا گلا دبا دیا کرتے تھے وہ راہِ خدا میں اپنا سب لٹانے پر تیار ہو گئے۔ ظلم عدل سے سنگ دلی رحم دلی سے بدلی اور برائی کائنات سے فنا ہو گئی۔ نیکی کی دنیا آباد ہو گئی۔

پتہ چلا کہ دنیا میں قیام امن ممکن نہیں ہے جب تک کہ یہ تصور پیدا نہ ہو جائے کہ اس دنیا کے بعد ایک دنیا اور ہے اور وہ دنیا اس دنیا سے بہتر ہے۔ معلوم ہوا آخرت کے ایمان کے بغیر انسان کو سکون اور چین حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ آخرت کا یقین کافی نہیں ہوگا۔ جب تک اس کے ساتھ اللہ پر بھی یقین نہ ہو۔ کیونکہ آخرت پر یقین کے بعد بھی تحریک خیر پیدا نہ ہوگی۔ جب تک کہ یہ یقین نہ پیدا ہو جائے جو آج ہم یتیم کو دے دیں گے وہ کل آخرت میں ملے گا۔ یقین تب ہی آئے گا جب درمیان میں اللہ آئے۔ وہ اپنے نبیؐ کے ذریعہ کہلوائے کہ دیکھو تم نہ تھے اور میں نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہارے پاس زندگی نہیں تھی میں نے تمہیں زندگی عطا کی۔ تمہارے پاس کوئی قوت نہیں تھی میں نے تم کو ساری طاقتیں دیں۔ تمہارے پاس آنکھ، ناک، کان، زبان، دل، دماغ کچھ نہ تھا، سب ہم نے دیا۔ جب تم بچے تھے، تمہاری پرورش کا ہم نے انتظام کیا۔ اور یہ سب تب دیا، جب تم مانگنا بھی نہیں جانتے تھے۔ غرضیکہ اب تک جو کچھ دیا بے مانگے دیا۔ وہ خدا جو اب تک بغیر مانگے دیتا رہا وہ وعدہ کرتا ہے کہ میرے کہنے پر دے دو گے تو اس سے بہتر دوں گا۔ اب دل کو یقین آئے گا کہ جو اب تک بے مانگے دیتا رہا وہ وعدہ کرنے کے بعد کیوں نہ دے گا۔

معلوم ہوا کہ جب قیامت کے دن پر یقین آتا ہے، تب انسان میں سکون پیدا ہوتا ہے، اور جب اللہ پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے تب انسان میں ایمان کی جھلک پیدا ہوتی ہے۔ جھلوائے

مگر صرف اللہ کو ماننے سے کردار نہیں بنتا بلکہ جیسا اللہ ہے ویسا ماننے سے کردار پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں بچپن میں جو عقیدے یاد کرائے گئے تھے کہ اللہ کے صفات ثبوتیہ یعنی جو صفتیں خدا میں پائی جاتی ہیں وہ آٹھ ہیں اور صفات سلبیہ یعنی جو صفتیں خدا میں نہیں پائی جا سکتی ہیں وہ بھی آٹھ ہیں ہم کو یاد کرایا گیا تھا کہ اللہ سچا ہے، اللہ متکلم ہے جس میں چاہے آواز پیدا کر دے اللہ قادر ہے جو چاہے کرے۔ اللہ قدیم ہے، ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اللہ حی ہے اس کے لیے موت اور فنا نہیں ہے۔ وہ بغیر آنکھ کے سب ہی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ بغیر کان کے سب آوازیں سنتا ہے، وہ عالم ہے۔ اسی طرح بچپنے میں دینیات کے جو سبق یاد کرائے گئے تھے کہ وہ آنکھ نہیں رکھتا، وہ جسم نہیں رکھتا، وہ ظلم نہیں کر سکتا۔ وہ کسی چیز میں آ نہیں سکتا۔ وہ نظر نہیں آتا۔ غرضکہ بچپنے میں ہم نے یہ سبق سمجھ کر رٹ لیا تھا۔ لیکن عقل گواہ ہے کہ یہ عقیدے صرف سبق کی طرح رٹنے کے لیے نہیں تھے، بلکہ یہ عقیدے جہاں ایمان کی بنیاد ہیں وہاں انسانی کردار کو بنانے کے اسباب بھی ہیں اگر خدا کے ان صفات کو نہ مانا جائے، تو عمل خیر کی تحریک رک جائے گی۔

ایک دوست نے کہا جب دیکھتا ہی ہے تو آنکھ سے دیکھ لے تو کیا

حرج ہے۔ اگر نہ دیکھتا ہوتا تو ہم اس کے لئے آنکھ نہ مانتے مگر جب دیکھتا ہے تو یہ کیا قید ہے کہ دیکھتا ہے مگر آنکھ سے نہیں۔ آنکھ سے دیکھ لے تو کیا قباحت ہے۔

میں نے سمجھا کہ خدا آنکھ نہیں رکھتا اور نہ دیکھنے میں آنکھ کا پابند ہے اس حقیقت کو اس لئے بھی ماننا ضروری ہے کہ یہ حقیقت ہے اور اس لئے بھی ماننا ضروری ہے کہ اس کے بغیر تحریک خیر مردہ ہو جائے گی۔ مثلاً میں اپنی گاڑھی کمائی کے پانچ روپے یتیم پر خرچ کرنے پر تیار ہوا۔ اس یقین پر کہ خدا آخرت میں ان پانچ کے عوض پچاس دے گا۔ مگر اسی کے ساتھ مجھے خیال آیا کہ پانچ کے عوض پچاس اللہ تب ہی دے گا جب مجھے یتیم کو دیتے ہوئے دیکھ لے۔ اس وقت تو نہ ملیں گے جب خدا میرے اس عمل خیر کو نہ دیکھے گا۔ مگر خدا آنکھ سے دیکھتا ہے آنکھ ایک وقت میں ایک طرف دیکھ سکتی ہے۔ دوسری طرف نہیں دیکھتی ہے۔

آپ میری طرف دیکھ رہے ہیں، میں آپ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ مگر میرے پیچھے کیا چیز ہے اسے میں نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک میں گردن نہ موڑوں اور آپ کے پیچھے کون بیٹھا ہے، جب تک آپ نظر نہ گھمائیں اسے نہیں دیکھ سکتے۔

غرضکہ آنکھ جدھر دیکھتی ہے اُدھر ہی دیکھ سکتی ہے۔ جدھر نہیں دیکھتی اُدھر نہیں دیکھ سکتی۔ اگر خدا ہماری طرح آنکھ سے دیکھتا ہے تو وہ بھی ہماری طرح صرف اسی طرف دیکھ سکے گا جدھر اس کی آنکھ ہوگی، اس کے ماسوا

کو نہ دیکھے گا۔ لہذا یہ خیال پیدا ہو گا کہ میں جس وقت یتیم کو پانچ روپے دے رہا ہوں اسی وقت میرا پڑوسی کسی بیوہ کو کھانا کھلا رہا ہے اور خدا اس کی طرف دیکھ رہا ہے لہذا پڑوسی کو تو جزا مل جائے گی مگر میں محروم رہوں گا۔ کیونکہ خدا نے میرے عمل کو دیکھا ہی نہیں۔ اسی طرح میرے پڑوسی کو بھی خیال آئے گا۔ اور جب جزا ملنا مشکوک ہو جائے گی تو میں بھی اپنے کار خیر سے رک جاؤں گا اور میرا پڑوسی بھی۔

ہم نے مانا کہ نظر شاید ہماری طرف ہو مگر شاید کی امید پر ہم دیتے رہے۔ تو معلوم ہوا اللہ کو ان کے، قیامت کو ان کے انسان کا کردار بن کے بگڑ گیا کیوں! اس لئے کہ اللہ کو ہم نے آنکھ والا مانا۔ اور اگر ہم نے مانا کہ وہ دیکھتا ہے مگر ہماری طرح آنکھ کا پابند ہو کر نہیں۔ بلکہ ساری کائنات کو ہر وقت دیکھ سکتا ہے۔ تو سب کو اطمینان ہے۔ آپ پیاسے کو پانی پلا رہے تھے۔ جب بھی دیکھ رہا ہے۔ میں بھوکے کو کھانا کھلا رہا ہوں۔ تب بھی دیکھ رہا ہے میرا پڑوسی کسی ننگے کو کپڑے پہنا رہا ہے۔ جب بھی دیکھ رہا ہے۔ پتہ چلا کہ اللہ کو بغیر جسم کا ماننا اور یہ ماننا کہ بغیر آنکھ کان، ناک کے دیکھتا سنتا سمجھتا ہے ایسا عقیدہ ہے جس سے انسان کا کردار بنتا ہے۔ بچپنے میں یہ ہم نے طے کیا تھا کہ اللہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا ہم نے سوچا بہت دن نا چکا۔ اب کچھ دن اگر نہ رہے تو کیا حرج ہے۔

ایک صاحب کہنے لگے ذرا یہ بتلایئے کہ اللہ کی عمر کتنی ہے؟ میں نے کہا یہ بتایئے کہ اس کی عمر شروع کب سے ہو گی تب کوئی کے تلاؤ

کہ کتنی ہے؟ آپ یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کتنا ہے تو پہلے یہ تو بتاؤ کہ کب سے ہے۔ جب کب نہیں معلوم تو اب کیسے معلوم ہوگا!

فرقہ لکھنے میں یاد کیا تھا کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی سمجھے کہ ایک دن اس کے لئے بھی معاذ اللہ موت ہے۔ ایسا تصور اگر ہم نے کیا تو کردار بھی بگڑ جائے گا۔ اس لئے کہ ایک کا نپتا ہوا آدمی میرے پاس آیا کہ میں اپنے بھائی کو بیمار چھوڑ کر آیا ہوں اگر دس روپے دے دیں تو میرے بھائی کی زندگی بچ جائے میرا دل پسیجا میں نے دس روپے جیب سے نکالے کہ دس دوں گا تو ثواب پاؤں گا اس نے کہا جلدی دیجئے ورنہ میرا بھائی مر جائے گا۔ مگر مجھے خیال آیا کہ اللہ کے لئے بھی موت کا خطرہ ہے۔ سچ تو ہم دے دیں مگر جس دن لینے بیٹھیں خدا نخواستہ اللہ اس دن زندہ نہ رہا تو ہم کو جزا کون دے گا۔ اس خیال کے آتے ہی دینے کا منصوبہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ مگر جب یقین ہوا کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جس کے لئے فنا نہیں ہے۔ تو ہم کو یقین ہوگا کہ ہمارے بدلے کے ملنے میں فنا کا خطرہ نہیں ہے۔ اب دل بڑھے گا دینے کے لئے۔ بس اوا تو

یہ میں نے چند مثالیں آپ کے سامنے اس لئے رکھیں تاکہ آپ سمجھائیں کہ اللہ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ رکھنے والے عقائد صرف عقائد ہی نہیں ہیں بلکہ کردار انسانی کی تعمیر کے سبب بھی ہیں۔

ہم نے سوچا کہ اللہ قادر ہے ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم نے تو اتنا ہی سوچا۔ مگر کچھ لوگ ہمارے بڑے بھائی وہ کچھ ہم سے آگے بڑھ کے کہنے لگے

اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو جھوٹ پر بھی قادر ہے، ظلم پر بھی قادر ہے۔

ہم نے کہا اللہ جھوٹ نہیں بول سکتا ظلم نہیں کر سکتا۔ کہنے لگے کہ تو اللہ کو مجبور مانتے ہو، ہم قادر مانتے ہیں۔ جب جھوٹ نہیں بول سکتا ظلم نہیں کر سکتا۔ تو ظلم اور جھوٹ کے مقابلے میں مجبور ہوا۔

ہم نے کہا کر سکتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔ کہنے لگے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ سکتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔ اس کا کیا مطلب۔ میں نے کہا جھوٹ بولنے پر قادر ہے مگر نہیں بول سکتا۔ ظلم کرنے پر قادر ہے مگر نہیں کر سکتا۔ کہا صاحب سمجھ میں نہیں آیا کر سکتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا یہ بات رات کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ صبح سمجھ میں آئے گی جب آپ بغیر منہ دھوئے مجھ سے ملنے آئیں گے۔ وہ صبح وعدہ آئے۔ میں نے کہا چائے پی لیجئے۔ کہنے لگے منہ نہیں دھویا ہے۔ میں نے کہا یہ نالی بہہ رہی ہے منہ دھو لیجئے۔ کہنے لگے نہیں دھو سکتا۔ میں نے کہا یہ بتائیے کہ دھونے پر آپ قادر ہیں کہ نہیں؟

کہنے لگے قادر تو ہوں۔ لیکن جب تک عقل باقی ہے تب تک نہیں دھو سکتا۔ ہم نے کہا۔ خدا بھی قادر ہے۔ مگر جب تک وہ خدا ہے نہ ظلم کر سکتا ہے۔ نہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ غرضیکہ خدا کو ہم نے قادر مانا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب اسے ہم قادر مانیں گے تب ہی یقین ہوگا کہ جو کچھ اللہ ہمیں اس دنیا میں عطا کرے گا اگر اسے اس کی راہ میں ہم اسے خرچ کر دیں گے تو وہ ہمیں قیامت میں واپس کر دے گا۔

بس یاد رکھئے! جب قیامت کا یقین پیدا ہوتا ہے تب جنت پر یقین

پیدا ہوتا ہے، جب اللہ پر ایمان پیدا ہوتا ہے، جب اس کے صفات پر ایمان پیدا ہوتا ہے تب لینے والا جذبہ دینے کے جذبے میں بدل کر کے انسانیت اور آدمیت کی خدمت کرتا ہے۔ اور میرے بھائی وہ زندگیاں کشمکش کی زندگیاں ہوتی ہیں۔ جس میں جذبہ دوسروں سے لے لینے کا ہوتا ہے۔ امن و اطمینان کی زندگی وہ ہوتی ہے جس میں دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

میں اپنے بیان کو واقعہ کربلا کی طرف موڑنا چاہتا ہوں۔ تاکہ دنیا سمجھ لے کہ مجلس میں ہم اسلام کا فلسفہ کیوں بیان کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہی فلسفہ کربلا کے میدان میں یزید مٹانا چاہتا تھا۔ حسینؑ نے قربانی دے کے اس اسلام کو بچا لیا۔ یزید کیا چاہتا تھا سب کچھ لینا چاہتا تھا تاج ملا اس نے کہا تخت چاہیئے۔ تخت ملا اس نے کہا خزانہ چاہیئے۔ خزانہ ملا اس نے کہا فوج چاہیئے۔ فوج ملی اس نے کہا۔ حکومت چاہیئے۔ حکومت ملی۔ اس نے کہا من مانی کرنے کی آزادی چاہیئے۔ وہ ملی۔ اس نے کہا حسینؑ کی بیعت چاہیئے تاکہ میری من مانی پر کوئی ٹوکنے والا نہ رہے۔

غرضکہ یزید انفرادی برائی سے اجتماعی برائی تک آیا، اس کے بعد برائی کی بے روک اشاعت، یعنی حسینؑ سے بیعت کے مطالبہ تک اسی لینے کے جذبہ کی وجہ سے پہنچا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جو ملا اس کے بعد اور چاہیئے جو ملا اس کے بعد اور چاہیئے۔ ورنہ جب تاج و تخت حکومت مل گیا تھا اور حسینؑ بیعت نہیں کر رہے تھے۔ تو صبر کر لیتا، مگر وہ لینے کا جذبہ تھا جو یزید کو یزید بنا رہا تھا۔ اور حسینؑ جو کربلا کے میدان میں آئے تو لینے نہیں آئے۔

اس لئے کہ پیغمبرؐ آتے تو یزید کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔ حسینؑ نے کہا یزیدیت کو
بڑے ظلم کے ساتھ لے لیا۔ اور حسینیت ہے ہر نازک سے نازک موقع پر قربانی
دے دینا حسینؑ نے اس کا مظاہرہ کب کیا۔ یہ تصویریں بعد میں آتی رہیں گی۔
آج بس ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ عاشور کی رات کو حسینؑ نے شمع بجھا
کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلے جاؤ۔ یہ حسینؑ ساتھیوں کو چلے جانے کو نہیں کہہ
رہے تھے بلکہ جب موت دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ اس
نازک موقع پر بھی ساتھیوں اور عزیزوں کی جانوں کو ان کے حوالے کر رہے تھے
اور بتا رہے تھے کہ اسلام دینے کے جذبہ کو ابھارتا ہے۔ لینے کے جذبہ کو نہیں
ابھارتا۔ وہ زندگیاں جو کل عاشور کو ختم ہو جائیں گی۔ حسینؑ دشمنوں سے چھین
کر عزیزوں اور دوستوں کو دے رہے تھے۔ یہ حسینؑ کا فلسفۂ اسلام تھا۔ مگر
جب حسینؑ کے عزیز اور انصار اٹھے، تو جو زندگی حسینؑ سے ملی تھی اسے
لے کے جانے کے لئے نہیں اٹھے بلکہ جو حسینؑ سے زندگی ملی تھی وہ حسینؑ
کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے اٹھے۔ اعزہ و اصحاب، کو زندگیاں دینا
حسینؑ کا دینے کا جذبہ تھا۔ زندگیاں پا کے زندگیاں نثار کر دینا۔ یہ حسینؑ کے
ساتھیوں کے دینے کا جذبہ تھا۔ یہ تھا اسلام محمدیؐ جب حسینؑ کربلا میں بچا رہے
تھے۔ اور وہ یزید کا اسلام تھا جسے اس لئے پیش کیا جا رہا تھا کہ دنیا
میں ظلم کا دور دورہ ہے۔ دنیا میں محمدؐ کا پیش کیا ہوا اسلام مٹ جائے۔
حسینؑ نے قربانیاں دے کر اس اسلام کو بچایا ہے۔ جب اسلام پر ایک
لاکھ چوبیس ہزار زندگیاں صرف ہوئی ہیں۔ اگر ہم کچھ دولت اس تبلیغ

پر صرف کرتے ہیں تو کوئی بڑا احسان نہیں کرتے۔

سنو! مجلس اور غم و محبتِ حسینؑ کے عوض ہم کو کیا ملنے والا ہے۔ اب میں سب سے نہیں کہتا۔ بلکہ ان سے کہہ رہا ہوں جو میرے ہم عقیدہ ہیں، ان سے کہہ رہا ہوں جو میرے ہم مذہب ہیں۔ اُن سے کہہ رہا ہوں جو میری طرح ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو میں پیش کرنے جا رہا ہوں، یہ جو تھوڑی سی راتوں میں ہم حسینؑ کی مجلسیں کریں گے۔ یہ تھوڑے سے آنسو جو ہماری آنکھوں سے گر جائیں گے، یہ تھوڑا سا پسینہ جو حسینؑ کے ماتم میں بہہ جائے گا، یہ جو حسینؑ کے غم میں تھوڑا سا خون ہمارا جل جائے گا۔ تھوڑی سی دولت صرف ہو جائے گی۔ یہ گھٹنے والی نہیں ہے، یہ فنا ہونے والی نہیں ہے۔ یہ تو سب واپس ملنے والا ہے۔

کربلا کے مظلوم کے ماتم داروں اور عزاداروں کو خطاب کرتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں۔ اللہ نے حسینؑ کو واقعہ کربلا کے بعد کتنے اختیارات دیئے ہم اسے سوچ نہیں سکتے۔ اس لئے نہیں سوچ سکتے کہ حسینؑ کے پاس جو کچھ تھا کربلا میں انہوں نے سب کچھ دے دیا اللہ کے نام پر۔ بندے ہو کے حسینؑ نے جب سب کچھ دے دیا تو خدا ہو کے اس کے بعد خدا جو کچھ بھی دے دے وہ کم ہے۔ جب حسینؑ نے کچھ نہ بچایا اپنے لئے تو مالک اب جو کچھ حسینؑ کو دے دے وہ کم ہی تو ہے۔ کیا کچھ دیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک چھوٹا سا واقعہ سناؤں جس سے آپ اندازہ لگائیں کہ میرے مالک نے کربلا والے کو کیا کچھ اختیارات دیئے،

میں۔ کتاب کا نام سنئے، لکھنے والے کا نام سنئے، حوالہ سنئے اور واقعہ سنئے
شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ اپنی کتاب منتہی الآمال میں امام حسینؑ کی زیارت کے فضائل لکھتے ہوئے ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ دو دوست تھے جن میں یہ پیمان تھا کہ ہم میں سے جو پہلے مر جائے وہ مرنے کے بعد جو زندہ بچے اُسے مرنے کے حالات کی خبر دے۔ ان دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا۔ جو زندہ ہو اس نے انتظار کیا کہ اب آئے خواب میں، اب آئے خواب میں اور سنائے موت کا حال۔ یہاں تک کہ کئی سال گزر گئے۔ کئی سال کے بعد خواب میں زندہ دوست نے اپنے مرنے والے دوست کو دیکھا تو قبل اس کے کہ وہ بتاتا کہ کیسی ہوتی ہے اور موت کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اس نے مرنے والے سے پوچھا یہ بتاؤ وعدہ کب کا تھا، اب کیوں آئے۔ اتنے دن تک تم کیوں نہیں آئے مرنے والے دوست نے کہا۔ میرے بھائی اگر آزاد ہوتا تو اسی وقت آتا تم خود بھی مانو گے کہ قیدی اپنی مرضی سے نہیں آ سکتا۔ پوچھنے لگے کیا مطلب؟ کہا زندگی میں جو گناہ کئے تھے ان گناہوں کی سزا میں قبر میں قید تھے تو تم تک آتے کیسے اپنی موت کی اطلاع دینے۔

پوچھا کیا گناہوں کی سزا ختم ہو گئی۔ کہا سزا کی مدت تو نہیں ختم ہوئی مگر سزا ختم ہو گئی۔ کہا یہ کیا کہ سزا کی مدت ختم نہیں ہوئی مگر سزا ختم ہو گئی۔ کہا مطلب مجھے نہیں معلوم۔ البتہ جو گزرا ہے وہ سنائے دیتا ہوں۔ کل ہمارے قبرستان کے فلاں سمت کے فلاں کونے میں فلاں جگہ پر۔ ایک عورت کی میت دفن کی گئی قبر کا نشان بھی بتایا اور کہا عورت کی میت دفن کی گئی۔ جب اس کے عزیز

کر کے چلے گئے تو ہم نے دیکھا کہ ہمارے قبرستان میں روشنی شروع ہو گئی۔ اور اس روشنی کا رُخ اسی عورت کے قبر کی طرف تھا جسے لوگ ابھی دفن کر کے گئے تھے۔ جب روشنی وہاں تک پہنچی تو ہم نے دیکھا کہ اس روشنی میں کچھ نورانی شکلیں ہیں جو اس عورت کی میت کے سرہانے پہنچیں۔ ان نورانی بزرگوں کے بیچ میں ایک نمایاں بزرگ ہیں۔ انھوں نے عورت کی میت کے سرہانے کھڑے ہو کر ایک فقرہ کہا۔ تجھے دنیا میں آرام نہ ملتا تھا، جب تک میری زیارت نہ کرتی تھی۔ تو آج میں تیری زیارت کرنے خود آیا ہوں۔ اس جملہ کو یاد رکھیں۔ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ تو میری زیارت کرتی تھی، آج میں تجھے زیارت کرانے آیا ہوں۔ بلکہ فرما رہے ہیں کہ کل تو میری زیارت کے بغیر آرام نہ پاتی تھی۔ آج میں خود تیری زیارت کرنے آیا ہوں۔ مرنے والا اپنے دوست سے کہتا ہے کہ وہ بزرگ تھوڑی دیر عورت کی میت کے سرہانے رہے جب جانے لگے تو اپنے ساتھی سے مڑ کے کہا کہ اس عورت کی قبر کے چاروں طرف چالیس گز کے اندر جتنی قبروں میں جتنے مردے ہیں ان سب پر سے عذاب ہٹا دو۔ چنانچہ ہم اس کے بعد عذاب سے آزاد ہو گئے ہیں تو آپ کو یہ خبر سنانے آئے ہیں۔

آنکھ کھلی، صبح ہوئی، خواب دیکھنے والے نے بتائے ہوئے پتہ پر نشان قبر ڈھونڈھا۔ جب قبر ملی تو قبرستان کے مجاور سے پوچھا۔ یہ قبر کس کی ہے۔ میت کب دفن ہوئی ہے۔ جب واقعہ خواب کے مطابق ملا تو جس گھر کی وہ میت تھی وہاں آیا۔ وہاں آنے کے بعد پوچھا

سنا ہے کہ کوئی حادثہ ہو گیا۔ کہا ہاں فلاں شخص کی بیوی نے انتقال کیا

اس سے پوچھا کب انتقال ہوا۔ کب دفن کیا۔ اور کہاں دفن کیا۔ جب واقعہ کے مطابق نکلا تو کہا ایک بات بتا دو۔ یہ مرنے والی کون سی نیکی روزانہ کرتی تھی۔

صاحب خانہ نے دیر تک سوچا۔ کہا کہ اور کوئی نیکی تو نہیں جانتا۔ یہ حسینؑ کی چاہنے والی تھی۔ اور روز صبح کو مکان کے چھت پر جا کر حسینؑ زیارت پڑھا کرتی تھی۔ جب سن چکے اور جانے لگے تو صاحب خانہ نے کہا میں نے پوچھا۔ میں نے بتایا۔ اب تم بتاؤ کہ تم پوچھنے کیوں آئے؟ انہوں نے خواب بیان کیا۔ جب خواب بیان کیا تو گھر کے مالک کی زبان پر ایک فقرہ آیا کہ میں نے ان بزرگ کو پہچانا جنہوں نے یہ فقرہ کہا تھا کہ تو میری زیارت کرتی تھی تو آج میں تیری زیارت کرنے آیا ہوں۔ وہ کوئی اور نہیں تھا وہ میرا مولا حسینؑ تھا۔

اس واقعے سے اندازہ ہوا کہ خدا نے مظلوم کربلا کو کتنے اختیارات دے رکھے ہیں۔ لہٰذا میرے بھائیو اور بہنو! اگر ہمارا تھوڑا سا وقت مجلسوں میں صرف ہو جائے تو اسے ضائع نہ سمجھو۔ بلکہ اسے محفوظ سمجھو۔ اس کے عوض میں اجر عظیم قیامت میں ملنے والا ہے اور بہتر سے بہتر ملنے والا ہے۔

لہٰذا سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب زیارت کرنے والی دفن ہو جاتی ہے تو حسینؑ کو کربلا میں اپنے روضے میں چین نہیں آتا۔ بلکہ اس کی قبر پر آ کے کہتے ہیں میری زائرہ گھبرانا نہیں تو میری روزانہ زیارت کرتی تھی میں تیری زیارت کرنے آیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آواز دوں۔ اے میرے مولا۔ تب بھی آ گئے ہوتے جب خیموں میں آگ لگی تھی۔ تب بھی آ

ہوتے جب سکینہؑ طمانچے کھا رہی تھی۔ اے مولا تب تو آ گئے ہوتے جب زینبؑ کے سر سے چادر چھن رہی تھی۔ اے میرے مولا تب خبر لے لی ہوتی جب سید سجادؑ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی جا رہی تھیں۔ اے میرے مولا۔ تب آ کے اکبرؑ کی خبر لی ہوتی جب تازیانے سے جسم چھلنی ہو رہے تھے۔ تو حسینؑ آواز دیں گے یہ امتحان کا وقت تھا۔ مدد کا وقت نہیں تھا۔

ختم کر دی میں نے بات۔ اس کے آگے ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آج وہ چاند نکلا ہے جو محرم کا چاند ہے۔

میرا دل کہتا ہے کہ حسینؑ کی پیدائش اور خبر شہادت سننے کے بعد جب بھی محرم کا چاند نکلتا ہوگا تو معصومہؑ کونین اپنے فرزند کو کلیجے سے لگا لیتی ہوں گی کہ کبھی یہ چاند نکلے گا جب میرا چاند گہن میں آ جائے گا۔

یہاں سے لاؤں وہ الفاظ جو بتا سکیں کہ محرم کے چاند کو فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کن حسرت بھری نظروں سے دیکھتی ہوں گی۔ یہ چاند شہزادی زینبؑ نے کبھی کربلا سے پہلے دیکھا۔ چاند دیکھ کر لوگ دعائیں مانگتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ فاطمہ کبریٰ نے مدینے میں یہ چاند دیکھ کر اپنے سب عزیز مسافروں کی خیریت کی دعا مانگی ہو مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ چاند تو پھر لے گا مگر مسافر دوبارہ نہ مل سکیں گے۔ واقعہ کربلا کے بعد یہ چاند رباب دیکھتی ہوں گی تو اپنے اصغرؑ کو یاد کرتی ہوں گی اور کیا عجب ہے جو پوچھتی ہوں کہ اے چاند تو تو نکل آیا مگر میرا چاند پلٹ کے نہ آیا۔ وارث غم زینبؑ بھی جب کبھی محرم کے چاند کو دیکھتی ہوں گی تو کلیجہ پہ خنجر لگتا ہوگا کہ اس چاند کے نکلنے کے بعد ہم کربلا میں آئے تھے۔ عجیب

اجڑے۔ تجھے تو سب زندہ تھے آہ آج ہم ہیں مگر ہمارے مسافر نہیں ہیں یہ وہ
چاند نکلا مگر میرے عزیز موجود نہیں ہیں۔ نہ آج زینبؑ اپنے بھائیؑ کے پاس
ہیں۔ لیکن جب محرم کا چاند نکلتا ہے تو عزاداروں کے آنسو نکل آتے ہیں کیوں
کہ یہ پیاسوں کا چاند ہے۔ یہ بے کسوں کا چاند ہے۔ یہ مظلوموں کا چاند ہے۔ یہ
فرات کے مسافروں کا چاند ہے۔ یہ دربدری کا چاند ہے۔ اس چاند کے
نکلتے ہی عزاخانوں میں فرش بچھ جاتا ہے کیوں کہ ظالموں نے سید سجادؑ کے
نیچے سے فرش بھی کھینچ لیا تھا۔ اس چاند کے نکلتے ہی سبیلیں لگ جاتی ہیں۔
کیوں کہ کربلا والے پیاسے رہے تھے۔ اس چاند کے نکلتے ہی لوگ زمین
پر سونا شروع کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ مظلوم قیدی اور یتیم خاک پر بھی آرام
کرنے نہیں پاتے تھے۔ اس چاند کے نکلتے ہی لوگ رونے لگتے ہیں کیوں کہ
امام کے بعد اہل حرم کو رونے نہ دیا جاتا تھا۔ اس چاند کے نکلتے ہی لوگ مجلسوں
اور ماتم بارگاہوں میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ زینبؑ اور سید سجادؑ کو کوئی پرسہ
دینے نہیں آیا تھا بلکہ جب مظلوموں کے دل غمگین تھے فتح کے شادیانے بجائے جا رہے تھے
آج کون گھر ہے جس میں عزاخانہ نہیں آج کون دل ہے جو بریاں نہیں
آج کون آنکھ ہے جو گریاں نہیں آج کون عزادار ہے جو ماہیٔ بے آب نہیں
آج کون درد مند حسینی ہے جو مریض بسمل نہیں لیکن کل کربلا میں تو بے کسوں
کو رونے کی بھی اجازت نہ تھی۔

آہ! آہ!! فاطمہؑ کا گھر اجڑ گیا۔ مسافر پردیس میں پیاسے شہید کیے گئے۔ لاشیں
بے گور و کفن رہیں۔ اہل حرم بازاروں اور درباروں میں لائے گئے۔ محمدؐ و آل محمدؑ پر ستم

دکھیا تھا۔ ذکر تے۔ کاش یہ بچوں پر رحم کرتے۔ یزید کا دربار ہے۔ باپ کا کٹا سر طشت میں رکھا ہے۔ کم سن سکینہؑ دیکھ رہی ہے۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ ہائے بابا ظالموں نے تم کو قتل کر دیا۔ ہم کو طمانچے مارے۔ تازیانے لگائے۔ بابا کاش میں بھی مر جاتی۔ چاہنے والے بابا سکینہؑ کی خبر لو۔ چچا بھی نہیں آئے۔ بھیا نے بھی بھلا دیا۔ اماں سینے سے لگاتی ہیں مگر رونے لگتی ہیں۔ پھوپھی لپٹاتی ہیں مگر ان کے آنسو بھی نہیں رکتے۔ ننھی بچی ان خیالات میں شاید کھوئی ہوئی تھی کہ شقی ابن شقی یزید کی آواز نے چونکا دیا۔

سکینہؑ میں نے سنا ہے کہ "باپ تم سے بہت محبت کرتے تھے دیکھو یہ ان کا سر ہے۔"

اولاد والو بتاؤ کیا بچے اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ باپ کا کٹا سر دیکھیں میری شاہزادی آنسو پی کر بولی۔ کیوں دل دکھاتا ہے۔ کیوں ہم کو ستاتا ہے مگر وہ سنگ دل بچی کو تڑپانے کی نیت کر چکا تھا۔

بولا "سکینہؑ میں تب مانوں گا کہ حسینؑ تم کو بہت چاہتے تھے اور جب تم آواز دو اور سر حسینؑ تمہاری گود میں خود چلا آئے۔"

یہ سننا تھا کہ بے قرار سکینہؑ نے کرتے کا جلا ہوا دامن پھیلا دیا۔ بابا میرے بابا۔ اپنی سکینہؑ کی عزت ظالم کے سامنے رکھ لو بابا۔ میری گود میں آجاؤ میرے بابا۔ یہ تمہاری سکینہؑ تمہیں پکار رہی ہے۔ اے سکینہؑ کے چاہنے والے بابا۔ اتنا سننا تھا کہ سر حسینؑ جنبش ہوا بچی کی گود میں آ گیا۔

اہل حرم رونے لگے۔ پھوپھیاں سکینہؑ کو دیکھ کر بلکنے لگیں۔ درباری بھی

آنسو پونچھنے لگے۔ یہ یہ بھی منہ پھیر لینے پر مجبور ہو گیا۔ ہند کی دنیا پہنچ تھی آسمان
ششدر دیکھ رہا تھا کہ زمین پر ایک کمسن بچی کی گود میں اس کے باپ کا کٹا سر تھا۔
کبھی حسینؑ سکینہؑ کا منہ چومتے کبھی آج ننھی سکینہؑ بابا کا منہ چوم رہی تھی۔ سکینہ
بین کرتے کرتے نڈھال ہو گئیں۔ بابا میں پیاسی ہوں۔ بابا میں طمانچے کھائی
ہوں۔ بابا دیکھو میرے کانوں سے خون بہہ رہا ہے۔ بابا میرے گلے میں رسی
نے زخم ڈال دیئے ہے۔ بابا مجھے اپنے پاس بلا لو۔ ہائے بابا ہائے بابا۔

مجلسِ دوم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ ہو الذی بعث فی الامیین رسولاً ۔ الخ

قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ میں رسول کا بھیجنے والا خدا اپنے کو اس صفت سے پہنچواتا ہے کہ میں وہ خدا ہوں جس نے ان بے پڑھے لکھے عربوں میں ایک رسول بھیجا ہے۔ ہمارا یہ رسول ہمارے بندوں پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے ان کے نفسوں کو پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جب تک یہ میرا پیغمبرؐ نہیں گیا تھا اس وقت تک یہ انسان کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

آیۂ کریمہ کے الفاظ کے ترجمہ کے بعد وہ جملے۔۔ یاد دلاتا چاہتا ہوں جو کل کی تقریر میں میں نے آپ کے سامنے کہے تھے۔ کہ حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفیٰ اس وقت چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے سامنے اسلام پیش کر رہے تھے، جب ساری دنیا پر اندھیرا ہی اندھیرا تھا، اور سب سے زیادہ گھپ اندھیرا عرب پر تھا۔ اور پیغمبرؐ نے اسلام کی روشنی وہیں سے شروع کی تھی جہاں اندھیرے نے اپنا بڑا ڈیرا ڈالا تھا۔ پیغمبرؐ اسلام کامیاب ہوئے کہ اندھیرا چھٹتا گیا۔ اسلام بڑھتا گیا اور پھیلتا گیا اور مختصر طور پر پیغمبرؐ کی تبلیغ کی تاریخ کی کامیابی کا خلاصہ یہ ہے کہ مورخین نے لکھا ہے۔ کہ پیغمبرؐ نے جب تبلیغ شروع کی ہے تو پانچ آدمی تھے مسلمان۔ خود پیغمبرؐ تھے مسلمان آپ کی بیوی خدیجہ تھیں مسلمان ۔

آپ کے بھائی سوائے کائنات علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے مسلمان اور علیؑ کے باپ ابوطالبؑ تھے مسلمان۔ رسولؐ کی چچی علیؑ کی ماں فاطمہؑ بنت اسد تھیں مسلمان۔ مگر تیرہ برس مکہ میں تبلیغ کرنے کے بعد پیغمبرؐ کی محنتوں کے باعث تعداد بڑھ کر ہوئی تین سو مسلمانوں تک پہنچی۔ اور جب پیغمبرؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینے آگئے۔ اور دس سال مدینے میں آپ کا قیام رہا تو یہ تین سو مسلمانوں کی تعداد چوبیس لاکھ مسلمانوں تک پہنچی۔ اس کے بعد حضور سرورِ کائنات نے اس دنیا کو چھوڑ دیا۔

تیئیس ۲۳ سال کی تبلیغی کوششوں کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ پیغمبرؐ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ کیونکر کامیاب ہوئے اور کیسے انہوں نے جاہل عربوں کو انسان بنایا۔ اس کے لیے کل میں نے آپ سے کہا تھا کہ اسلام نے انسان کو پہلے یہ بتایا کہ برائی پیدا کہاں سے ہوتی ہے اس کا حل اسلام نے پیش کیا۔ جو کل میری تقریر سن چکے ہیں انکے لیے ضرورت نہیں ہے مگر جو حضرات آج تشریف لائے ہیں ان کے لیے دو جملے کہہ دوں دیکھئے انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے جس جذبہ کو لینے کا جذبہ کہتے ہیں یہی لینے کا جذبہ انسان کو ظلم پر آمادہ کرتا ہے جھوٹ بولنے کو کہتا ہے۔ رشوت لینے پر مجبور کرتا ہے۔ قتل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ فتنہ فساد کی آماجگاہ بناتا ہے۔ اسلام جانتا تھا یہ لینے کا جذبہ تو نہیں مٹ سکتا۔ البتہ اس لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدل دیا جائے تو پھر برائی نہیں پیدا ہوگی بلکہ یہ جذبہ بہترین کام کرے گا جب تک نیکی کا ساتھ رہے گا۔ اس لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدلنے کے لئے اسلام نے انسان سے کہا کہ تم اس بات پر ایمان رکھو اور یقین کرو کہ اس دنیا کے بعد ایک دنیا اور ہے۔ جہاں زندگی ملے گی۔ اور یہاں سے بہتر ملے گی یہاں

جنت ہے جہاں ساری نعمتیں جمع ہیں اور اگر اپنے رب کی باتیں تم نہ مانو گے تو دوسرا دوزخ ہے جہاں پر ساری تکلیفیں جمع ہیں۔

میں نے کل آپ کے سامنے کہا تھا کہ یہ جنت کا تصور ہی وہ تصور ہے جو لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدل دیتا ہے۔ اور یہ جذبہ تب ہی پیدا ہوتا ہے جب اللہ پر یقین ہوتا ہے۔ بس یاد رکھیں کہ آج ہم زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں مگر ہم سے مذہب کے احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یا تو ہم جنت پر یقین نہیں رکھتے ہیں یا ہمیں اللہ پر بھروسہ نہیں ہے ورنہ یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا پر ایمان ہو۔ آخرت کے دن کا یقین ہو اور اس کے بعد کوئی مسلمان اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کر سکے۔

میں اپنے بچوں سے ایک لفظ کہوں تاکہ بات سب کی سمجھ میں آسکے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ رات کو دیر میں سوتے ہیں۔ صبح آنکھ تب کھلتی ہے جب موذن برابر میں اذان دے رہا ہوتا ہے۔ آنکھ کھلتی ہے مگر جی نہیں چاہتا نماز پڑھنے کے لئے۔ ہم نماز قضا کر دیتے ہیں۔ اور یہ کہہ کے سو رہا کرتے ہیں کہ موذن تو روز ہی اذان دیا کرتا ہے۔ صبح تو روز ہی آیا کرتی ہے۔ لاؤ سو رہیں۔ مگر یہ نہیں سوچو کہ یہ نیند بھی تو روز آیا کرتی ہے۔ یہ تو ہم نے سوچا کہ موذن تو اذان روز ہی دیا کرتا ہے۔ مگر بھائی سونا بھی تو ہم روز کرتے ہیں۔

سوچئے کیوں ہم سے روز اٹھ کر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ دس منٹ نماز پڑھنے میں لگ رہے گے، وضو کرنے میں، پیر پاک کرنے میں، بیٹھنے جھک جانے میں، نماز پڑھنے میں، اور پھر اپنی جگہ سمٹ کر سمتے ہو۔

جب تک ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دس منٹ ہمارے نکل جائیں گے بس جب تک نکل جانے کا یقین رہے گا تب تک لاپرواہی رہے گی کہ دس منٹ نکلنے دو۔ اسے نیند میں لگا تاکہ یہ اپنے کام آئیں۔ مگر جب یہ یقین آ جائے کہ یہ دس منٹ نکلیں گے نہیں بلکہ یہیں واپس لیں گے قیامت کے دن تو پھر مسلمان تیار رہتا ہے کہ بہترین ہو سکے لے لئے جائیں۔

مثال سنیئے۔ اگر آپ دوکانوں پر ٹیکس لینے پہنچ کر تم پر گورنمنٹ کا ٹیکس باقی ہے ادا کر دو۔ کوئی دکاندار آپ کو ٹرک پر جاتے دیکھ کر آواز نہیں دے گا۔ کہ انسپکٹر صاحب تشریف لائیے۔ یہ ٹیکس کا تھا رکھا ہے۔ ملاحظہ کرتے جائیے۔ بلکہ ملازم مالک کو آنکھ سے اشارہ کرے گا کہ انسپکٹر صاحب گزر رہے ہیں۔ دوکان بند ہونے لگے گی۔ رجسٹر غائب ہونے لگے گا۔ اگر ملاقات ہوگی تو پان سگریٹ میں اتنی دیر لگے گی تاکہ جو ضروری کاغذات ہیں وہ سب ہٹ جائیں۔

یہ کیوں! اس لئے کہ وہ لینے آیا ہے ہمیں دینا پڑے گا اس کے برخلاف جب میں سڑک سے گزرتا ہوں اور ایک دوکاندار سے پوچھ رہا ہوں فلاں چیز آپ کے یہاں ہے کہ نہیں! وہ جواب نہیں دیتا۔ میں آگے بڑھتا ہوں۔ دوسرا دوکان دار آواز دیتا ہے آئیے میرے یہاں آئیے۔ میرے بھائی ابھی تو ایک انسپکٹر گزر رہا تھا آپ اسے دوکان کے اندر آنے نہیں دیتے تھے اب میں آپ کی دوکان کے سامنے سے گزر رہا ہوں آپ مجھے خود آواز دے رہے ہیں۔ تو وہ جواب دے گا وہ مجھ سے لینے آیا تھا اور مجھ آپ سے

لینے کی فکر ہے تو معلوم ہوا کہ جہاں ملنے کی امید ہوتی ہے وہاں آدمی خود بڑھتا ہے دو کا نذرانہ بڑھتا ہے۔ یہ مال لیجئے وہ لیجئے۔ وہ پسند نہیں ہے۔ یہ پسند کر لیجئے یہ رنگ ناپسند ہے وہ رنگ لیجئے۔ یہاں کا مال ناپسند ہے فارن کا مال لے لیجئے ہم سمجھتے ہیں پھر دیکھیں گے۔ وہ کہتا ہے نہ لیجئے مگر دیکھتے تو جائیے۔ یہ مال پہ مال کیوں پیش کر رہا ہے کیوں کہ یقین ہے اس کی جیب میں پیسے ہیں اگر یہاں سے لے گا تو ہمیں نفع ملے گا۔ معلوم ہوا جہاں ملنے کا یقین ہوتا ہے انسان خود مال پیش کرتا ہے۔ جہاں مال جانے کا یقین ہوتا ہے وہاں انسان چھپاتا ہے۔

بس یاد رکھئے۔ نبیؐ کے زمانہ میں جب جہاد ہوتا ہے تو کوئی ہوتا ہے جو میدان سے جی چرا کے بھاگتا ہے۔ اور کوئی جی چرا کے نہیں بھاگتا ہے۔ اللہ پہ یقین نہیں ہے۔ آخرت پر یقین نہیں ہے۔ اس لئے چاہتا ہے جو مال ہے بچا لے لٹو جانے نہ پائے۔ مگر جسے یقین ہے کہ اللہ زندہ ہے وہ بدلہ دے گا آخرت کا دن آنے والا ہے وہ میدان جہاد میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے کہ وہ کون سا موقع مل جائے کہ میں اپنا مال یعنی جان پیش کر دوں تاکہ اس کی بارگاہ میں بدلہ پانے کا حق مل جائے۔

سنئے علیؑ ابن ابی طالبؑ صفین میں برستے تیروں میں نماز پڑھ رہے ہیں کوئی کہتا ہے علیؑ نماز پڑھتے ہیں ذرا یہ تو دیکھے کہ تیر آرہے ہیں تو مسکرا کے فرماتے ہیں تجھے نہیں معلوم ابو طالبؑ کے بیٹے کو پروا نہیں ہے کہ موت اس تک آتی ہے کہ وہ موت تک جاتا ہے کیونکہ یہ موت نہیں ہے۔ یہ مالک کا اس

کی بارگاہ تک پہنچانے کا وسیلہ ہے۔ جہاں یہ عمل خراب ہو جانے والا ہے۔ غرضکہ جسے یقین ہے اس کے قدم جم جاتے ہیں۔ جسے یقین نہیں ہے اس کے قدم نہیں جمنے پاتا۔

بس یہی پلنے کے جذبہ کو دینے کے جذبے سے بدلنے کی اسلام کی وہ تھیوری ہے کہ جسے اس پر یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ عمل کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

آج کسی سے کہئے زکوٰۃ واجب ہے۔ وہ کہتے ہیں حکومت ہی کی زکوٰۃ بھرنے سے ہم کو فرصت نہیں ہے۔ اللہ کی زکوٰۃ کون دے۔ ہم نے کہا اس کے علاوہ خمس بھی واجب ہوتا ہے۔ سال بھر میں ہمارا سال کا ایک دن معین کر دو اور جب وہ دن آئے تو حساب کر دیکھئے سال کی آمدنی میں بچا کیا ہے۔ اور جو بچا ہو اس کا پانچواں حصہ خمس نکالو۔ جس کا آدھا حصہ امام کا ہوتا ہے اور آدھا سادات کا حق ہوتا ہے۔ لوگوں نے کہا نہ دی نہیں جا پاتے ہیں۔ پورے روزے ہی نہیں رکھ پاتے ہیں۔ اب خمس اور زکوٰۃ کا جھگڑا کون کرے۔ یہ مولوی ملا لوگ بہانے ہیں۔

یہ باتیں صرف اس لئے ہیں کہ بدلہ ملنے پر اور خدا پر یقین میں کمزوری ہے۔ اور جس دل کو یقین ہو جاتا ہے کہ جو ہمارے پاس ہے وہ مٹ جائے گا۔ البتہ اگر اللہ کی راہ میں لگا دیں گے تو یہ مٹنے سے بچ جائے گا۔ وہ خود دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اُسے کوئی آواز نہیں دیا کرتا۔

بس یہی وہ فلسفۂ حیات اسلام ہے کہ جس نے اسے سمجھ لیا تھا وہ واقعی مسلمان ہو گیا تھا۔ جب وہ واقعی مسلمان ہو گیا تھا تو برائیاں چھوڑ رہا تھا بھیجا

میا کر رہا تھا۔

آج بھی یاد رکھیے۔ اس گئے گزرے زمانے میں جو مسلمان جتنی عبادت کرتا ہے۔ وہ اسی سہارے پر عبادت کرتا ہے کہ کل اسے بدلہ ملنے والا ہے۔ میں ان کی گفتگو نہیں کر رہا ہوں جو نمازیں نہیں پڑھتے۔ لیکن ان سے پوچھئے جو نمازیں پڑھ رہے ہیں۔

آپ کو ایک اسّی برس کے بزرگ ملیں گے۔ پوچھئے کب سے نماز پڑھ رہے ہو۔ بتائیں گے پندرہ سال کے سن سے اب تک برابر نماز پڑھ رہا ہوں یعنی پینسٹھ سال سے برابر نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ ان بڑے میاں سے کہ آپ کہیں پینسٹھ سال پڑھ لی ہے۔ اب چھوڑ دو۔ تیار نہ ہوں گے۔ بلکہ کہیں گے کہ اب تو یہ مرتے دم تک باقی رہے گی۔

ان کا ذکر نہیں جو رمضان میں روزے رکھتے نہیں۔ بلکہ روزے کھاتے ہیں۔ جو رکھتے ہیں روزے ان سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیوں رکھتے ہیں آپ بہت دن ہو گئے آپ کو رکھتے ہوئے۔ اب چھوڑ دیجئے کہا نہیں روزے نہیں چھوڑیں گے۔ تب ہی چھوٹے گا روزہ جب روح جسم کو چھوڑے گی۔

ان بہنوں کا ذکر نہیں کرتا جو پردہ نہیں کرتی ہیں لیکن ان سے پوچھنا چاہتا ہوں جو پردہ کرتی ہیں۔ انھیں جا کے سمجھائیے کیوں گھر کی چار دیواری میں رہتی ہو۔ کیوں سڑک پہ نکلتی ہو تو نقاب ڈال کر نکلتی ہو چھوڑ دو پردہ مگر پردہ چھوڑنے پہ تیار نہ ہوں گی۔ نقاب ڈالنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نقاب ہے اور چہرہ نظر آئے۔ اب سب سے زیادہ دل پسند کپڑا جالی کا ہے۔

دوپٹہ تو جالی کا، قمیض تو جالی کا، کپڑا تو جالی کا۔ مطلب یہ ہے کہ پہنے بھی ہیں اوڑھے بھی بیٹھے ہیں۔ اتنا باریک کپڑا اس طرح سے سلواتے کہ سارا جسم نظر آرہا تاکہ لوگ ننگا نہ کہہ سکیں مگر ذوق برہنگی بھی باقی رہے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے برہنگی کا جذبہ غالب ہے۔ کپڑے پہننے کا جذبہ کمزور ہے۔ تو میں ان پردہ عورتوں سے خطاب نہیں کر رہا ہوں کہ سر پہ برقع ہوتا ہے۔ نقاب اُلٹی ہوتی ہے۔ یا نقاب اتنی باریک ہوتی ہے کہ چہرہ نظر آتا ہے۔ یہ پردہ کر والے پردہ نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ پردے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

میں تو صرف اپنی ان بہنوں سے خطاب کرنا چاہتا ہوں جو واقعی پردہ کرتی ہیں۔ جنھیں یہ یاد ہے کہ ہماری بی بی فاطمہ زہراؑ پردہ کرتی تھیں۔ شا زینبؑ کے پردے کے چھن جانے پر ماتم کرتی ہیں۔ انھوں نے پردہ اب تک نہیں چھوڑا ہے۔ ان بہنوں سے جا کے پوچھیں اب پردہ چھوڑ دو، زمانہ بدل گیا ہے۔ وہ کہیں گی نہیں مر سکتے ہیں مگر پردہ نہیں چھوڑ سکتے۔

چھوڑیئے ساری مثالیں، میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ آپ ہر سال مجلس کرتے ہیں سال کے ہر دن مجلس کرتے ہیں۔ کوئی آپ کو آ کے کہتا ہے مجلس کرنا چھوڑ دیں، کیا آپ چھوڑنے پر تیار ہو جائیں گے نہیں چھوڑنے پر تیار نہ ہوں گے۔

ایک بات داڑھی کی بھی بات ہے۔ مگر کہتے ہوئے اس لئے بھی ڈر لگتا ہوں کہ ایک مقدس میاں نے منع کیا داڑھی مت منڈاؤ۔ تو لوگوں نے کہا کہ وہ ٹھیک کہتے ابھی کل داڑھی منڈوا دی، پھل جائے گا تقریر ہی بند ہو جائے تو

دار سمجھانے کی فکر بھی آڑ آتا ہے۔ اس لئے میں نے کبھی نہیں [illegible] آپ اچھے لیں

اب میں کسی خاص فرقے کے مسلمان سے خطاب نہیں کر رہا ہوں۔ کسی بھی مکتب خیال کا ہو۔ سنی ہو، شیعہ ہو، اہل حدیث ہو کوئی بھی مسلمان ہو۔ جو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرتا ہو۔ ہر مسلمان سے ایک ہی سوال کرنا چاہتا ہوں تم جو عبادت کر رہے ہو وہ کیوں کر رہے ہو اور جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت چھوڑ دو تو چھوڑنے پر کیوں نہیں تیار ہوتے تو اس بگڑے زمانے میں بھی وہی فلسفہ سامنے آئے گا جسے کل سے آج تک آپ کے سامنے پیش کرتا رہا ہوں۔

نمازی سے پوچھیے نماز کیوں پڑھ رہے ہو۔ وہ کہیں گے اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ جنت ملے گی۔ روزے دار سے پوچھیے یہ جلتی دھوپ میں روزہ کیوں رکھے ہو۔ وہ کہے گا اس لئے کہ کوثر کا جام ملے گا۔ پردہ کرنے والی سے پوچھیے کیوں پردہ کر رہی ہو کیوں گھٹ رہی ہو۔ پردہ سے باہر کیوں نہیں نکلتیں۔ کہا اس لئے کہ جنت میں شاہزادی فاطمہ کے پردوں میں شاید جگہ مل جائے۔ تو معلوم ہوا کہ مسلمان چاہے اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو وہ عبادت کر رہا ہے تو صرف جنت کی تمنا میں۔ نمازی جنت کے اشتیاق میں روزے دار جنت کا امیدوار ہے۔

حاجی وہ حاجی نہیں جو سونے کا حاجی ہے۔ نہیں وہ حاجی جو اللہ کے پتھر کے بنے گھر کا حاجی ہے۔ سونے کے لئے جائے تو حج کو اللہ اللہ کے لئے جائے تو پھر حج سونا۔

لہٰذا کسی سے پوچھئے تم حج کیوں کر رہے ہو کہ اپنی دولت اور سا
صرف کر رہے ہو تو کہے گا جنت کے لئے ۔

آپ سے پوچھیں۔ آپ مجلس کیوں کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ جنت کے
سارے عبادات آج بھی اگر ہو رہے ہیں تو صرف جنت کی امید میں۔ اب
بات ذرا اللہ پوچھ لوں تو آگے بڑھوں۔ اور وہ یہ کہ نمازی ہے جنت کی امید
روزہ دار ہے، جنت کی امید میں، حاجی ہے جنت کی امید میں، تو میرے
بھائی، یہ بتاؤ کہ تم میں سے کوئی جنت دیکھ کر آیا ہے۔ سالہا سال سے
کہے بولتے ہو کہ جنت ملے۔ جنت ملے گی جنت ہے بھی کہ نہیں دیکھ کر بھی آئے ہو

انھوں نے کہا مولوی صاحب جو دیکھ آئے ہوتے تو یہاں کیوں آتے
دنیا ہی وہ نہ گئے ہوتے۔ جو جنت دیکھنے کو بھی مل جاتی تو پلٹ کر دنیا میں آ
اچھا تو دیکھی نہیں۔ کسی مسلمان نے نہیں دیکھی۔ پہلی صدی کے مسلمان نے بھی
زمانہ سب سے لے کر نبیؐ کے زمانے کے مسلمانوں میں کسی نے دیکھی۔ نہیں۔ ا
نے نہیں دیکھی۔ اور چودہ سو سال سے مسلمان بے دیکھی اَن دیکھی جنت کے
سہارے پہ عبادت پہ عبادت کئے جا رہا ہے ۔

آج ایک اسّی برس کا بوڑھا عبادت کر رہا ہے۔ کیوں کہ جنت ملے گی
باپ عبادت کر کے مر گیا کیوں کہ جنت ملے گی۔ اس کا دادا عبادت کر کے
مر گیا کیوں کہ جنت ملے گی۔ تو ایک ایک خاندان تیرہ تیرہ سو چودہ چودہ سو
سے عبادت کر رہا ہے کیوں کہ جنت ملے گی۔ جب دیکھا نہیں تو مانا کیسے
کیا عجیب بات کہتے ہو۔ ہم نے نہیں دیکھا تو کیا۔ جس سچے نبیؐ کا کلمہ

ہیں اسی نے تو بتایا کہ جنت ہے۔

اب سوال طے ہو گیا۔ جنت تم نے دیکھی نہیں مگر مان لی اس لئے کہ نبی نے بتائی۔ تو جو چیز دیکھنے میں نہ آئے نبی کا بتایا ہوا مان لینے کے قابل ہے بے دیکھے جنت مان لینے کے قابل۔ تو وہ امام جس کے لئے نبی کا بتایا ہوا کہ وہ موجود ہے اور جنت لائے گا وہ بھی بے دیکھے مان لینے کے قابل ہے کہ نہیں۔ یا تو کہو جسے ہم دیکھیں گے اسی کو مانیں گے۔ تو پھر جنت کو نہ مانو۔ اور اگر بے دیکھے جنت کو نبی کے بتلانے پر مانا جا سکتا ہے تو امام کو بھی مانا جا سکتا ہے۔ یا یہ وہ کہیں نہ جانے تو کیجئے کیا۔ نہیں صاحب۔ حاضر ہوگا تو امام ہوگا۔ غائب ہوگا تو امام نہیں۔

اچھا تو جو حاضر نہیں وہ ماننے کے قابل نہیں۔ تو پھر جنت بھی تو حاضر نہیں ہے مت مانو۔ انھوں نے کہا جنت نہ مانیں تو مذہب کیسے چلے تو یہ کیسی بات ہے کہ ایک غائب مانا جاتا ہے دوسرا غائب نہیں مانا جاتا یہ تو ضمنی بات تھی۔

اب تک جو کچھ میں نے کہا ہے وہ یہ ہے کہ پورے چودہ سو سال میں جتنا اسلام بڑھا ہے۔ یا جتنا اسلام آج باقی ہے۔ بس مسلمان میں بھی ذرہ برابر اسلام باقی ہے وہ اسی امید میں باقی ہے کہ آج نیکی کریں گے کل جنت ملے گی۔ یہ جنت ملنے کا یقین اس لئے ہے کہ سچے پیغمبر نے کہا ہے کہ جنت ہے۔ اور جو نیکیاں کرے گا وہ جنت پائے گا۔ بس یہاں سے ہر مسلمان سے گزارش ہے کہ ذرا میری باتوں کو بغور سننا اور سوچنا اور دیکھنا کہ وہ ماننے کے قابل ہیں یا نہیں۔ جو سچے نبی کے بتانے پر امید ہے کہ جنت ملے گی

لئے تو ہر مسلمان عبادت کر رہا ہے۔

اچھا اگر نبی کے بتانے پر جنت کا یقین آیا ہے تو نبیؐ نے ایک بات اور
ہے جس کو میں بتاتا ہوں۔ ذرا سنتے جاؤ۔ کتاب کا نام بتاتا ہوں۔ لکھنے والے
کا نام بتاتا ہوں۔ زبانی یاد رہے تو آپ زبانی یاد رکھیں نہ یاد رہے تو جیب
کا فونٹین پنسل ہو تو حوالہ لکھ لیجئے۔ تم نے نبیؐ کے بتانے پر یقین کیا ہے کہ جنت
ہے۔ اب دیکھیں جنت پر یقین کرکے عبادت کر رہے ہو کہ ملے گی جنت۔ تو دیکھئے
مسلمانوں کے مشہور عالم علامہ عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل
میں حضور سرور کائنات کی ایک حدیث لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ
بعد عنقریب میری امت میں تہتر ۷۳ فرقے ہو جائیں گے۔ ہم نے سوچا کہ نبیؐ کہہ
گئے ہیں کہ سب کے سب جائیں گے جنت میں۔ اس لئے اگر جنت ہی کی امید میں
مسلمان عبادت کر رہا ہے مگر نبیؐ نے کہا تہتر ۷۳ فرقوں میں صرف ایک فرقہ
جنت میں جائے گا باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ بڑی مشکل ہو گئی
سب سے بڑی مشکل ہے آج تک میں نے جو فلسفہ سنایا تھا اس میں جنت کی
بنا پر انسان نیکی کرنے پر تیار تھا۔ اس زمانے میں جو بچا کھچا اسلام ہے وہ
جنت کے سہارے ہے۔

ہم مسلمان ہیں ہمیں امید ہے کہ جنت ملے گی۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ
تو ملے گی مگر تم میں تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے بس ایک ہی کو ملے گی۔ اب کیا بتائیں
کہہ کے چلے گئے۔ اس وقت کے مسلمان کچھ بولے نہیں۔ اب کیا ہم بولیں۔
اس وقت میں اگر موجود ہوتا تو نبیؐ کے سامنے جب نبیؐ کہہ رہے تھے تہتر ۷۳

پیدا ہوں گے۔ سب دوزخ میں جائیں گے۔ ایک جنت میں جائے گا۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہتا۔ میرے رسولؐ ایک چھوٹی سی درخواست میری بھی ہے۔ میں کہتا میں منع نہیں کرتا کہ آپ دوزخ میں کسی مسلمان کو جانے ہی نہ دیں۔ اس لئے کہ آپ رحمۃ العالمین ہیں سب کے لئے رحمت ہیں۔ تو دوزخ کا حصہ بھی ضرور رکھیں گے مگر میرے رسولؐ ذرا اتنا تو کیجئے کہ کم سے کم جنت میں جانے والے فرقوں کی تعداد بڑھا دیجئے۔ میری درخواست ہوتی کہ میرے رسولؐ کچھ تو جنت میں جانے والوں کا کوٹہ بڑھا دیجئے۔ زیادہ اگر ممکن نہیں تو کچھ دیجئے۔ دو فرقے تین فرقے جائیں گے، چار جائیں گے۔ پانچ جانے کو کہہ دیتے۔ تب بھی تو ادھر سے فرقے ادھر جاتے۔ پھر بھی دوزخ میں اکثریت رہتی مگر کچھ تو بڑھ جاتے جنتی۔ آوازہ کی نادان تو سمجھا نہیں۔ دوزخ میں تو بہت سے فرقے جاسکتے ہیں مگر جنت میں تو ایک ہی فرقہ جا سکتا ہے۔

میں نے کہا رسولؐ وہ کیوں۔ کہا یہ نتیجہ ہے سچ اور جھوٹ کا۔ جھوٹ میں کثرت ہوسکتی ہے۔ سچ میں کثرت نہیں ہوسکتی۔ ابھی نہیں سمجھے تو مثال دے دوں۔

یہ میرے ہاتھ میں رومال ہے۔ میں نے آپ سے پوچھا یہ کیا ہے۔ آپ اگر سچ بولیں گے تو کہیں گے رومال ہے یہاں میرے سامنے جتنے بیٹھے ہیں سب سے پوچھا۔ سب نے کہا رومال ہے۔ آپ سچ بولے۔ میں نیچے اترا۔ جتنا مجمع ملا سب سے پوچھا۔ سب نے کہا رومال۔ میں نے لکھنؤ کا سفر کیا۔ یہاں سے وہاں تک جو ملا پوچھا سب نے کہا رومال۔ دس سال تک پوچھا سب نے

تو جواب آئے گا۔ سچ بولیں گے تو جواب ایک آئے گا۔ اگر ہزار سال پوچھوں تو جب تک بولنے والے سچ بولیں گے تو جواب ایک آئے گا۔ تو معلوم ہوا کہ جب سب سچ بولیں گے تو جواب ایک کرے گا۔

ایک لڑکے نے کہا مولوی صاحب، آپ سب سے تو پوچھتے ہیں آپ بھی تو بتایئے کہ کیا ہے؟ میں نے کہا اگر وہی بتا دوں جو سب نے بتایا تو مولوی کیا رہا۔ کوئی نئی بات کہوں۔ سب نے کہا رومال۔ ہے تم نے کہا ٹوپی اس نے کہا ٹوپی ہے۔ تو میں نے کہا اچھا ٹوپی نہیں ہے تو قمیض ہے اس نے کہا کیا، کہا قمیض ہے میں نے کہا قمیض نہیں ہے تو شیروانی ہے۔

دیکھا آپ نے میں نے ایک سے، دس سے، ہزار سے پوچھا، لاکھ سے پوچھا۔ ایک دن پوچھا، دس دن پوچھا، دس سال تک پوچھا جب تک سب سچ بولے جواب کیا آیا ایک۔ اور جب میں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہر جواب کے بعد میں نے جواب بدل دیا۔ معلوم ہوا سچے رہیں گے ایک جھوٹے بہت سے ہو سکتے ہیں۔

پیغمبرؐ نے کہا جنت سچوں کی جگہ ہے جھوٹوں کی جگہ نہیں۔ لہٰذا ایک ہی فرقہ جنت میں جا سکتا ہے۔ زیادہ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ لہٰذا جنت میں دو فرقوں کی جگہ نہیں ہو سکتی۔

اب ایک بات آپ کو یاد دلاؤں۔ کربلا میں حسینؑ کے ساتھ جو شہید ہوئے وہ ۷۲ ہیں تو کبھی کبھی میں سوچا کرتا تھا کہ یہ کربلا میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۷۲ کیوں ہے۔ کیا حرج تھا کہ ۷۰ ہو جاتی۔ کیا حرج تھا ۷۳ ہو جاتی ۷۲ سے زائد یا ۷۲ سے کم کیوں نہ رکھی گئی۔ بہت سوچا مگر بات سمجھ میں نہیں آئی

تھی مگر اس حدیث کا تجزیہ کرنے سے بات سمجھ میں آئی۔ پھر حدیث سنیے
پیغمبرؐ نے کہا۔ میری امت میں تہتر۷۳ فرقے پیدا ہوں گے۔ یعنی میرے اسلام
میں تہتر۷۳ راستے پیدا ہوں گے ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ یعنی ایک راستہ سچا اور
صحیح ہوگا جو جنت تک جائے گا۔ باقی فرقے دوزخ میں جائیں گے یعنی باقی راستے
غلط ہوں گے تو حدیث کا مطلب نکلا کہ نبیؐ کہتے ہیں کہ میرے بعد اسلام میں ہوں
گے تہتر۷۳ راستے ایک راستہ صحیح راستہ ہوگا جنت تک جانے والا۔ بہتر۷۲ راستے غلط
راستے ہوں گے دوزخ کی طرف جانے والے۔ اب کربلا میں شہیدوں کی تعداد
بہتر۷۲ کیوں رکھی گئی سمجھے آپ۔ حسینؑ کربلا کے میدان میں کسی یہودی سے مجوسی
سے بت پرست سے غیر مسلم سے لڑنے نہیں آئے تھے۔ حسینؑ کی کربلا میں
جنگ تھی مسلمان سے۔ اس مسلمان سے جو غلط راستے پر تھا یعنی حسینؑ کربلا
میں لڑے تھے تاکہ اسلام میں جتنے غلط راستے ہیں وہ بند کر دیے جائیں۔
حدیث پیغمبرؐ نے کہا تھا اسلام میں پیدا ہوں گے تہتر۷۳ راستے، ایک راستہ ہوگا۔
صحیح راستہ۔ بہتر۷۲ راستے ہوں گے غلط راستے۔ تو اب ضرورت تھی بہتر۷۲ شہیدوں
کی تاکہ ہر شہید قربانی دے کر ایک غلط راستہ بند کر دے جب بہتر۷۲ شہیدوں
نے قربانیاں دے دیں تو بہتر۷۲ راستے بند ہو گئے، اور جو جنت کا سچا راستہ
تھا وہ کھلا رہ گیا۔ تو اب تک میں نے جو گزارش کی اس کا ماحصل یہ نکلا کہ اسلام
کا فلسفہ یہ ہے کہ جنت کی امید پر آدمی نیکی کرتا ہے۔ اور یہ حدیث رسولؐ جو میں
نے سنائی۔ اس نے مشکل ڈال دی کہ مسلمان مسلمان ہو کے بھی جنت میں
نہیں جا سکے گا۔ تہتر۷۳ طرح کے ہوں گے مسلمان ایک جنت میں جائے گا۔ باقی

سب دوزخ میں۔ تو یہ میرا فتویٰ تو ہے نہیں جو مسلمان بگڑ جائے گا۔ یہ تو نبیؐ کا فتویٰ ہے۔ جس نبیؐ کے کہنے پر جنت پر ایمان پیدا ہوا ہے اسی نبیؐ نے تو کہا ہے کہ جنت ہے مگر ایک فرقے کو ملے گی۔

مسئلہ مشکل ہو گیا ہے۔ لہٰذا بات کو ایک مرتبہ پھر دہرا لوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ تو یوں سمجھیے کہ نبیؐ کے زمانے سے لے کے اب تک جتنے مسلمان پیدا ہوئے۔ اور اب سے لے کر کل قیامت تک جتنے مسلمان پیدا ہوں گے یہ سب کے سب جنت کے مشتاق ہوں گے۔

یہ سارے مسلمان دنیا کی زندگی بسر کر کے اور موت کے تنگ دروازے سے گزر کر برزخ کی لمبی راہ طے کر کے جب میدان حشر میں کل قیامت کے میدان میں پہنچیں گے تو قیامت میں دیکھیں گے کہ ایک طرف شعلے دیتا ہوا دوزخ۔ اور دوسری طرف سجی سجائی دلہن بنی ہوئی جنت۔ مسلمان کا ہر قدم اٹھ جائے گا۔ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ تو کل کوئی ہمت والا پیدا ہوا تھا نہ آج پیدا ہوگا جو یہ کہے کہ ہم دوزخ میں جائیں گے۔ بلکہ سب یہی کہیں گے کہ ہم جنت میں جائیں گے۔ دوزخ جانے کا خواہش مند کوئی نہ ملے گا

اچھا تو نبیؐ کے زمانے سے لے کر قیامت تک جتنے مسلمان ہوں گے یہ سب کل قیامت کے دن جنت میں جانا چاہیں گے۔ اور اللہ بھی یہ انتظام کرے گا کہ جنت ساری زینتوں کے ساتھ نظر آ رہی ہو گی۔ دور سے دیواریں نظر آئیں گی جو سونے چاندی کی بنی ہوں گی۔ جنت کی منزلیں اور دریچے نظر آ رہے ہوں گے حسین حوریں نظر آئیں گی غلمان نظر آئیں گے۔ ۔ کوثر بہتا

نظر آ جائے گا۔ سلسبیل نظر آئے گی طوبیٰ کے میوے۔ غرضکہ جنت کی سب نعمتیں نظر آ رہی
ہوں گی۔ اور نبیؐ کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے سب مسلمان چاہیں گے
جنت میں جانا مگر کیسے جائیں گے۔ دیوار پھاند کر تو نہیں جائیں گے۔ اس لئے
کہ زندگی میں مسلمان نے دیوار نہیں پھاندی تو جنت میں کیا پھاندے گا تو
سب جائیں گے دروازے پہ۔ جب اولین و آخرین کے سارے مسلمان در
جنت پہ پہنچیں گے تو جنت تیار۔ آراستہ پیراستہ ہوگی مگر اس کا دروازہ
بند ہوگا جس پر ایک مضبوط قفل پڑا ہوگا۔ مسلمان کہے گا مالک تو خدا ہے۔
ہم تیرے بندے ہیں ہم تیری نمازیں پڑھتے آئے ہیں۔ روزے رکھتے
رہے ہیں۔ تیرا حج کرتے آئے ہیں۔ جنت کا دروازہ کھلوا دے۔ ادھر سے
آواز آئے گی جنت کا دروازہ کھلے گا نہیں۔ مسلمان کہے گا ہم آئیں گے کیسے
اس میں تو تالا پڑا ہے جواب ملے گا جس کے پاس کنجی ہو وہ کھولے اور چلا آئے
اور جس کے پاس جنت کے قفل کی کنجی نہیں ہے۔ وہ نہ آئے۔

مسلمان کہے گا تو نے تالا ڈلوایا۔ کنجی ہمارے پاس کہاں۔ وہ کہے
تم بھول گئے۔ دنیا میں، میں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیؐ اسی لئے بھیجے
تھے کہ وہ جنت کی کنجی تم کو دے آئیں وہ دھندہ نہیں پیش کرتے تھے بلکہ جنت کے
قفل کی کنجی پیش کرتے تھے بس جس نے کل میرے نبیؐ سے کنجی لے لی ہے وہ کھولے
اور چلا آئے کچھ مسلمان کہیں گے مالک ہم خود آ گئے ہیں کنجی نہیں ہے۔ ہمارے پاس
ادھر سے آواز آئے گی کہ جب کنجی نہیں تو تم آئے کیوں۔
پوچھیں گے پھر ہم کہاں جائیں جواب ملے گا اب دوزخ ہی میں جگہ

مل سکتی ہے۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ اپنے پاس تو ایک چھوڑ تین تین کنجیاں ہیں آؤ کنجی لگا کر دیکھیں۔ ایک کنجی لگائی۔ دوسری کنجی لگائی۔ تیسری کنجی لگائی مگر قفل نہیں کھلتا۔ وہ پوچھیں گے کہ قصہ کیا ہے۔ جواب ملے گا قصہ یہ ہے کہ تالا بنایا ہے اللہ کا۔ کنجی بنائی ہے بندوں کی۔ بندوں کی بنائی کنجی نہیں لگے گی وہ کنجی لگے گی جو اللہ نے بنائی ہے۔

بس یاد رکھیے جس کے پاس وہ کنجی ہوگی وہ جنت کے اندر پہنچ جائے گا جس کے پاس کنجی نہیں ہوگی وہ جنت کے دروازے سے واپس آئے گا یہ تجزیہ ہے حدیث پیغمبر کا۔ کہ میرے بعد تہتر فرقے پیدا ہوں گے۔ جن میں بہتر دوزخ میں جائیں گے۔ ایک جنت میں جائے گا۔ معلوم ہوا کوئی ایک فرقہ ہوگا جس کے پاس جنت کی کنجی ہوگی بقیہ کے پاس جنت کی کنجی نہیں ہوگی۔

میرے بھائی میرے مسلمان میرے دوست۔ میں ان تقریروں میں تمہارے سامنے یہی کوشش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جنت کی کنجی بیان کر دوں وہ جنت کی کنجی آپ کے ہاتھوں تک پہنچا دوں۔ جس کے ذریعہ کل جنت کا دروازہ کھل سکے۔ صلوات

اچھا اب حدیث رسولؐ کا پھر تجزیہ کیجیے۔ رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں تہتر فرقے پیدا ہوں گے۔ جن میں سے ایک جنت میں جائیگا نبیؐ اگر کہہ دیتے کہ میرے بعد انسانوں کے تہتر فرقے ہوں گے تو بات آسان ہوتی۔ نبیؐ نے کہا میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ تو حدیث کا

مطلب تب ہی سمجھ میں آئے گا جب امت کے معنی سمجھ میں آجائیں گے۔ اگر میں مسلمانوں سے پوچھنے جاؤں تو چوں کہ مسلمان تہتر فرقے کے ہیں۔ ہر فرقے اپنے معنی بتائے گا تو لفظ امت کے بھی تہتر معنی ہو جائیں گے۔ تو لیجئے ایسی مثالیں رکھوں جہاں بچہ بھی سمجھے کہ امت کے معنی کیا ہیں۔

مثال سنیئے۔ ایک صاحب، ان کے باپ مسلمان، ماں مسلمان، جہاں تک پتہ چلا، نانا، نانی، دادا، دادی، نانیہال، دادیہال، میں جتنے رشتہ دار ہیں سب مسلمان۔ بیوی بچے، بھائی، بہن سب مسلمان اور مردم شماری میں ـــــ ان کا نام بھی لکھا ہے مسلمان۔ مگر وہ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہے ہی نہیں۔ باپ مسلمان۔ ماں مسلمان۔ بیوی مسلمان۔ اولاد مسلمان۔ بھائی عزیز سب مسلمان۔ دوست سب مسلمان مگر چونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہے ہی نہیں تو حکومت نے اگرچہ مردم شماری میں انھیں مسلمان لکھا ہے۔ مگر آپ بتائیں کوئی مسلمان انھیں مسلمان قرار دے گا۔ امت میں داخل سمجھے گا۔ جواب آئے گا نہیں۔

جب یہ اللہ ہی کو نہیں مانتا تو چاہے سارے رشتے مسلمانوں سے ہوں مگر یہ امت میں داخل نہیں۔

دوسری مثال لیجئے۔ ایک صاحب ملے وہ کہنے لگے اللہ تو ہے مگر حضور رسول نہیں ہیں۔ ان کو امت میں داخل کریں گے۔ مگر مسلمان کہیں گے یہ مسلمان نہیں، امت میں شامل نہیں۔ اس لئے کہ جو پیغمبرؐ کو نہیں مانتا وہ مسلمان کیسا۔

ایک دوسرے ملے انھوں نے کہا۔ اللہ بھی ہے رسول بھی اللہ کے رسول ہیں۔ مگر یہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے۔ کوئی مسلمان ان کو امت میں شامل مانے گا۔ نہیں کیوں؟ اس لئے کہ اگرچہ اللہ کو مانتا ہے۔ رسول کو مانتا ہے۔ مگر قرآن کو نہیں مانتا تو امت سے خارج ہے۔

تیسرے آئے انھوں نے کہا۔ اللہ بھی ہے اللہ کے رسول بھی یہ قرآن اللہ کی کتاب بھی ہے۔ مگر مسلمان جو قبلہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ یہ خانۂ کعبہ نہ اللہ کا گھر ہے۔ نہ قبلہ ہے کیوں کہ ہم نے جا کے دیکھا تو وہاں اللہ رہتا ہی نہیں۔ تو جب رہتا ہی نہیں تو اس کا گھر کیا۔ جب گھر نہیں اس کا قبلہ کیا۔ مسلمان کہیں گے ہمارے قبلہ کو نہیں مانتا تو امت سے خارج ہے

ایک اور ملے۔ کہنے لگے۔ اللہ بھی ہے رسول بھی ہے۔ قرآن بھی ہے قبلہ بھی ہے مگر نماز مہمل بات ہے۔ فرق پہچانیئے! ایک آدمی ہے جو نماز نہیں پڑھتا۔ مگر نماز کو واجب سمجھتا ہے۔ نہ پڑھنے کو گناہ سمجھتا ہے۔ اپنے کو گنہگار کہتا ہے۔ وہ امت میں شامل رہے گا اور جو کہے گا نماز لغو ہے وہ امت سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے کہا کہ نماز لغو ہے تو نماز لغو نہیں رہے گی بلکہ جس نبیؐ نے حکم نماز پہنچایا ہے وہ بھی معاذ اللہ لغو ہو جائے گا۔ اور جس خدا نے نماز کا حکم بھیجا ہے اس پر بھی یہی الزام آئے گا جو خدا اور رسول کو لغو کہہ دے گا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ تو نماز نہ پڑھ کر مسلمان رہ سکتا ہے۔ مگر نماز کو لغو کہہ کے مسلمان نہیں رہ سکتا۔

دوسرے نے کہا نماز پڑھ لیں گے مگر روزہ مہمل مسلمان کہیں گے مہمل کہتے ہو تو امت سے باہر۔ کہا روزہ رکھ لیں گے اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ ایک وقت کا کھانا بچ جاتا ہے۔ مگر زکوٰۃ مہمل۔ سب کہیں گے زکوٰۃ کو مہمل بتاتے ہو تو امت سے خارج۔

جو کچھ کہا ہے دہرا لیجئے دیکھئے۔ خدا کو نہ ماننے امت سے خارج۔ نبی کو نہ ماننے امت سے خارج۔ قرآن کو نہ ماننے امت سے خارج۔ قبلہ کو نہ ماننے امت سے خارج۔ نماز کو نہ ماننے امت سے خارج۔ روزہ کو نہ ماننے امت سے خارج۔ جو ان باتوں کو نہ مانے امت سے خارج۔ تو اب امت میں داخل کون ہوگا۔

توجہ چاہتا ہوں۔ بات نتیجے کے قریب ہے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ اللہ رسولؐ قرآن۔ نماز۔ روزہ حج۔ زکوٰۃ۔ قبلہ۔ قیامت سب کو مانا تو ہوئے امتی۔ اور امتی بننے کے بعد بھی نبیؐ نے کہا تم میں تہتر۷۳ فرقے ہوں گے۔ ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور باقی دوزخی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے ماننے کے بعد بھی دوزخ میں جانے کا خطرہ ہے تو میرے مسلمان بھائی اگر میں دوزخ کے خطرہ سے بچاؤں اور جنت کی کنجی حوالے کردوں تو یہ نہ سوچیا کریں اپنے مذہب کی بات کرتا ہوں۔ بلکہ یہ سوچیا کرو مسلمان کی بھلائی اور ہمدردی کی بات کرتا ہوں۔

بہرحال حدیث کا تجزیہ یہی ہے کہ خدا کو مان کر بھی دوزخ میں جانے کا خطرہ ہے۔ رسولؐ کو مان کر بھی دوزخ میں جانے کا خطرہ ہے۔ اسلام کو

مان کر بھی دوزخ میں جانے کا خطرہ ہے۔ تو پتہ چلا کہ دنیا میں مذہب میں، اللہ کے بھیجے ہوئے اسلام میں۔ کوئی ایک مسئلہ ایسا ہے۔ کوئی ایک حکم ایسا ہے۔ جسے صرف ایک ہی فرقہ مانے گا۔ سب فرقے نہیں مانیں گے۔ اس لئے کہ اگر اس کو سب فرقے مان لیں تو سب جنت میں جائیں۔

میں نے جتنی باتیں سُنائیں ان کے ماننے کے بعد بھی دوزخ کا خطرہ ہے۔ تو معلوم ہوا ان باتوں کے علاوہ کوئی ایک بات اور ہے جسے صرف ایک فرقہ مانے گا۔ اور اس کے ماننے کے بعد ہی جنت مل سکتی ہے۔ اس عقیدہ کو صرف ایک ہی فرقہ مانے گا دو فرقے نہیں مانیں گے جس عقیدہ کو دو فرقے مانتے ہوں وہ ضامن جنت نہیں ہے کیوں کہ جنت میں ایک فرقہ جائے گا دو فرقے نہیں جائیں گے۔ اس عقیدہ کے علاوہ بھی سب باتوں کا ماننا ضروری ہے مگر اس عقیدہ کو مانے بغیر جنت نہیں مل سکتی ہے۔ اب تلاش کیجئے وہ عقیدہ کیا ہے۔ یہ عقیدہ نماز نہیں ہو سکتی۔ بے شک نماز واجب ہے نہ پڑھنا گناہ ہے اور نہ پڑھنے والے کے لئے سخت عذاب ہے مگر صرف نماز پڑھ کر جنت نہیں مل سکتی کیونکہ اگر نماز پڑھنے پر جنت ملے تو سب نمازی فرقوں کو جنت میں جانا چاہیئے۔ حالانکہ صرف ایک فرقہ جنتی ہے۔ اچھا روزے پر ملے گی جنت۔ نہیں ملے گی۔ اس لئے کہ اگر روزے پر جنت مل سکتی ہوتی تو جتنے فرقوں میں روزے رکھے جا رہے ہیں۔ وہ سب فرقے جنت میں جاتے اور نبی کہتے ہیں۔ جنت میں جائے گا صرف

ایک فرقہ۔

معلوم ہوا اسلام کی جو بات دو فرقوں میں پائی جاتی ہو وہ بات وہ عقیدہ نہیں ہے جو جنت کا ضامن بن سکے۔ جنت کی ضامن صرف وہ بات ہوگی جسے ایک ہی فرقہ مانتا ہوگا۔

پس مجھے کہنا ہے کہ جس مسلمان کو جنت کی امید ہے۔ جو مسلمان اپنے کو دوزخ سے بچانا چاہتا ہے۔ اس کا فرض ہے وہ پوری دیانت داری کے ساتھ اس بات کو معلوم کرے جس کے بغیر جنت مل نہیں سکتی۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ وہ بات میں ہی مانتا ہوں۔ لیکن مسلمان کو نبیؐ کی محبت کا واسطہ دے کے اپیل کرتا ہوں کہ ذرا یہ تو سوچو کہ جب نبیؐ نے کہا ہے۔ مسلمانوں میں تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے جنت میں ایک ہی فرقہ جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مذہب میں ایک بات ایسی ہے جسے سارے فرقے نہیں مانیں گے۔ صرف ایک ہی فرقہ مانے گا۔ وہ بات جب تک نہیں معلوم ہوگی تب تک جنت کی کنجی نہیں حاصل ہوگی۔

آج کی بات کو بس یہیں پہ روک دیتا ہوں تاکہ میرا مجمع میری باتوں کو سمجھے اور کل جب آئے تو خود بھی سوچ کر آئے کہ وہ بات کون سی ہو سکتی ہے۔ تاکہ جب کل میں اسے بیان کروں تو سمجھنے میں مدد ملے۔ آج اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جنھیں وہ بات معلوم تھی وہ اس بات کو یوں مانتے تھے کہ دنیا ان کے گلے پر تلوار بھی رکھ دیتی تھی۔ تب بھی وہ بات چھوڑنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ اور ان کو جنت ملنے کا اتنا یقین تھا کہ موت سے گھبراتے نہ تھے۔ بات مبہم رکھی ہے جسے کل سناؤں گا لیکن صرف تاریخ کا ایک حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ انھیں جنت کا یقین

اتنا تھا کہ وہ دنیا میں اپنے لئے جنت کی منزلیں دیکھ رہے تھے۔ ان کو جنت کا اتنا یقین تھا کہ جنت لینے کے لئے اپنی ساری دنیا دینے پر تیار تھے۔

وہ کون تھے۔ وہ حسینؑ تھے اور ان کے ساتھی تھے۔ عاشور کی رات کو جب امام حسینؑ اپنی بہن زینبؑ کے خیمے سے وصیتیں کر کے باہر نکلتے ہیں۔ تو ایک مرتبہ بلال بھی دبے قدموں باہر نکلتے ہیں۔ امام پوچھتے ہیں کون ہو بلال کہتے ہیں مولا میں ہوں اور میری خطا معاف کر دیں کہ بغیر اجازت آیا ہوں لیکن آپ کو اکیلے جاتے دیکھ کر چلا آیا۔ اجازت لینے کی ہمت اس لئے نہیں ہوئی کہ اگر منع فرما دیتے تو آنے سے مجبور ہو جاتا لہٰذا بغیر اجازت چلا آیا۔ امامؑ بلال کو بلاتے ہیں اور بلال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں بلال ذرا آسمان کی طرف دیکھو۔ اب جو آسمان کی طرف بلال دیکھتے ہیں تو دیکھا آسمان کے دروازے کھلے ہیں۔ جنت کے دریچے کھلے ہیں۔ کہا یہ تمہاری جگہ ہے۔ یہ حبیب کی جگہ ہے اپنے سارے اصحاب کی جگہ بتائی۔ کب بتائی۔ جب حسینؑ کے ساتھی اسلام کے فلسفۂ حیات پر اپنے مضبوط ارادے کا مظاہرہ کر چکے تھے۔

میں کل بتا چکا ہوں کہ جب حسینؑ نے کہا تھا۔ ساتھیو! کل موت کا دن ہے چلے جاؤ اگر جان کے جانے کا خوف ہوتا تو چلے جاتے۔ مگر یقین تھا کہ جان جائے گی مگر اس کی جزا اس سے بہتر ملے گی۔ اسی لئے سب نے کہا تھا کہ مولا مر جائیں گے مگر نہ جائیں گے۔ جب اصحاب امامؑ اسلام کے فلسفہ پر اتنے مضبوط اور ثابت قدم ثابت ہو چکے تھے تب حسینؑ نے ان کو دکھایا تھا کہ دیکھو جنت تمہاری مشتاق ہے۔ یہ رات درمیان میں ہے۔ صبح ہوگی تم جام شہادت

پیوگے اور جنت سے ہمکنار ہو گئے۔ جنت کا یقین صرف بلال کو نہیں تھا، جو اپنی آنکھ سے جنت دیکھ چکے تھے بلکہ جنھوں نے نہیں دیکھی تھی انھیں بھی یقین تھا جو شہید نہیں ہونے والے تھے۔ انھیں بھی یقین تھا۔ اور اسی یقین کی بنا پر اپنی ساری کائنات، سارا مال و متاع اور سارا سرمایہ راہ خدا میں دینے پر تیار تھے۔ اسی سلسلے کا ایک چھوٹا سا واقعہ سنا کے مجلس تمام کرنا چاہتا ہوں۔

حسینؑ بھی اسلام کا نام لیتے ہیں۔ یزید اور اس کے ساتھی بھی اسلام کا نام لیتے ہیں۔ مگر دیکھیں کون اللہ پر یقین رکھتا ہے اور اس کی بارگاہ میں اپنی کارکردگی پیش کرکے اس سے جزا لینا چاہتا ہے۔ اور کون دنیا پر ایمان رکھتا ہے۔ اور یزید سے انعام لینا چاہتا ہے۔ جو دنیا پر ایمان لائے وہ مسلمان نہیں ہے جو آخرت پر ایمان لائے وہ مسلمان ہے۔ دونوں نقشے آمنے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں۔ صبح عاشور ایک مرتبہ عمر سعد اپنے کاندھے سے کمان اتارتا ہے اور پہلا تیر حسینؑ کی طرف پھینکتا ہے۔ اور پلٹ کر کہتا ہے میرے ساتھیو گواہ رہنا کہ میں نے پہلا تیر پھینکا ہے تاکہ یزید کے سامنے میں تمہاری گواہی پیش کرا کے انعام لے سکوں۔

معلوم ہوا پسر سعد جب اسلام کو پیش کر رہا ہے۔ اس اسلام میں آخرت میں بدلہ لینے کی بنیاد نہیں ہے۔ ثواب اور صلہ کا سہارا نہیں ہے۔ اب محمدی اسلام کا نقشہ سنئے۔

ابن سعد نے جب پہلا تیر پھینکا۔ تو اس کے لشکر میں جو ماہر ترین تیر انداز تھے۔ ان سب کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ پسر سعد نے پہلا

تیر پھینکا اُسے پہلا انعام ملے گا۔ لاؤ ہم بھی جلد سے جلد تیر پھینکیں تاکہ ہمیں بھی یزید سے انعام ملے معلوم ہوا ابن سعد کے ایک تیر نے حسینؑ کی طرف تیروں کی بارش کا دروازہ کھول دیا۔ اُس کے ایک تیر کے بعد ہزاروں کمانیں تھیں جو کاندھو سے اتر رہی تھیں۔ ہزاروں ترکش تھے جو کھڑکھڑ رہے تھے۔ ہزاروں تیر تھے جو چلّے میں جوڑے جا رہے تھے ہزاروں تیروں کی بارش تھی جو حسینؑ کی طرف روانہ کی جا رہی تھی اور حسینؑ کی طرف ہزاروں درکنار بہتر سینے بھی نہیں ہیں جو تیروں کو روک سکیں۔ اس لئے کہ بہتر گلے کٹانے والوں میں اصغرؑ بھی ہیں جو جھولے میں ہیں۔

غرضکہ حسینؑ کی طرف تیروں کو روکنے کا نہ سامان ہے نہ مجمع ہے لیکن ان کے پاس اسلام محمدیؐ ہے۔ آخرت پر یقین ہے۔ اللہ پر ایمان ہے۔ آخرت میں ثواب کی امید ہے چنانچہ جب تیر چلے تو حبیب ابن مظاہر اپنے گھوڑے پر بلند ہوئے اور آواز دی۔ زہیر قین وہ وقت آگیا جس کے لئے ہم اور تم زندہ تھے کہ جب حسینؑ پر آنچ آئے تو اپنے سینے کو چھلنی کردیں مگر حسینؑ تک آنچ نہ آنے دیں۔ ابو ثمامہ نے بُریر کو آواز دی۔ ایک صحابی کو دوسرے صحابی نے آواز دی۔ مگر سب سوچ رہے ہیں ہم تھوڑے ہیں تیر بہت ہیں حسینؑ کو ان کے عزیزوں کو کیسے بچائیں اور نہ بچایا تو بچ کے کیا کریں گے۔ اگر ہمارے سامنے حسینؑ کا کوئی بچہ زخمی ہو گیا تو پھر ہم قیامت کے دن کیا مُنھ لے کے جائیں گے۔

طے کیا کہ ہم میں جتنے سوار ہیں وہ سامنے آگے گھوڑوں کو ایک دوسرے سے ملا کے کھڑے ہو جائیں۔ تاکہ آنے والے تیر گھوڑوں پر پڑیں یا ہمارے سینوں پر پڑیں۔ اب بھی تھوڑی جگہ چھوٹی تھی جہاں سے تیر آسکتے تھے لہٰذا جو پیدل تھے انھوں نے زمین پر گھٹنے ٹیک کر اپنے شانے شانوں سے ملا دیئے اور سواروں سے کہا کہ پہلے تیر تم روکو جو تیر تم سے نہ رُکے گا اسے ہم اپنے سینے پر روکیں گے۔ لیکن حسینؑ تک تیر نہ جانے پائے۔ ادھر سے تیروں کی بارش مسلسل ہوتی رہی۔ ادھر حسینؑ کے ساتھی اپنے سینے پر تیر روکتے رہے۔ حسینؑ کے دامن تک تیر نہیں پہنچا۔ زینبؑ کے خیمے تک تیر نہیں پہنچا۔ سکینہؑ تک تیر نہیں پہنچا۔ عباسؑ کے بازو تک تیر نہیں پہنچا۔ کسی بنی ہاشم کے بچے تک تیر نہیں پہنچا۔ لیکن جب ظالم دشمن تیر مارتے مارتے رُکے۔ حسینؑ نے دیکھنا شروع کیا کہ اتنے تیروں کی بارش میں میرا کوئی ساتھی مجھ سے چھوٹ تو نہیں گیا۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ پر یقین کرنے والے اپنی کائنات دینے کے لئے کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ یہ اسلام محمدیؐ ہے۔ جس کا نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسی کے لئے میں نے آپ کو اتنی دیر زحمت دی ہے۔ غرض کہ امامؑ دیکھ رہے تھے کہ کوئی ساتھی چھوٹ تو نہیں گیا کہ حسینؑ کے کانوں میں رونے کی آواز آئی۔ امام نے پوچھا یہ کون رو رہا ہے۔ کیا میرا کوئی ساتھی چھوٹ گیا۔ کسی نے بتایا۔ مولا یہ مسلم ابن عوسجہ کی کنیز مسلم کے سرہانے رو رہی ہے۔ حسینؑ نے کہا کیا میرا اچھا اسی برس کا جانثار مسلم دنیا سے گزر گیا۔

سمجھ نہیں آتا۔ مسلم ابھی زندہ ہیں مگر سر سے پیر تک تیروں سے چھلنی ہیں زخموں سے خون برس رہا ہے۔ روح پرواز کرنے والی ہے۔ حسینؑ آئے اور زمین پر بیٹھ گئے۔ مسلم کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ کہا مسلم کیا حال ہے کہا مولا حق ادا کر کے جا رہا ہوں۔ جان جانے کا غم نہیں ہے۔ بلکہ یہ خوشی ہے کہ جو مجھ پر ذمہ داری تھی وہ میں نے پوری کر دی یہ خوشی کب پیدا ہوتی ہے۔ جب آخرت اور اللہ پر یقین کامل ہوتا ہے۔

حسینؑ اپنے ساتھی سے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ حبیب ابن مظاہر قریب آئے اور کہا مسلم تمہاری بیوی بھی ہیں خیمے میں تمہارا بیٹا بھی ہے۔ دل میں کوئی وصیت ہو تو کہہ کے جاؤ۔ مسلم نے رک رک کر اور زبان سے کہا اور آنکھ سے اشارہ کیا۔ حبیب وصیت پوچھتے ہو تو بیٹے کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ بی بی کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ وصیت ہے تو صرف امام کے لئے ہے۔ جب تک زندہ رہا حفاظت کرتا رہا۔ میرے حبیب جب تک زندہ رہنا میرے مولا پر آنچ نہ آنے دینا۔ اتنا کہا تھا کہ آنکھیں پتھرا گئیں آخری ہچکی لی۔ روح پرواز کر گئی۔

بس دو فقرے سنیئے۔ اور بس مجلس تمام کروں۔ حسینؑ اپنے چاہنے والے کا ماتم کر رہے تھے۔ جاں نثاری کی قدر کر رہے تھے۔ مسلم ابن عوسجہ کی میت رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہو رہی تھی اور حسینؑ کے گرم گرم آنسو مسلم کے ٹھنڈے ہونے والے چہرے پر ٹپکتے جا رہے تھے۔ سر اب بھی زانو پر تھا مسلم کی آنکھیں بند تھیں مگر حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے

رہے تھے کہ ایک مرتبہ امامؑ نے دیکھا کہ اصحاب کے خیموں میں سے ایک بچہ نکلا۔ کمسن بچہ۔ اتنا کم سن کہ کسی نے اس کی کمر سے تلوار باندھ دی ہے مگر جب چلتا ہے تو کمر کی بندھی ہوئی تلوار زمین پر کھنچتی جاتی ہے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ خیمے کے در پہ بچہ کھڑا ہے۔ خیمے کے دروازے کے پیچھے کوئی اور ہے۔ جو نظر تو نہیں آتا مگر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بچے سے کچھ کہہ رہا ہے۔

ایک مرتبہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بچے نے حجاب کے پیچھے کسی کو سلام کیا اور چلا میدان کی طرف جاتے ہوئے بچے نے ایک بار امامؑ کو دیکھا امامؑ کی بھی نظر پڑی ساتھیوں سے کہا یہ بچہ دشمنوں میں کہاں جا رہا ہے۔ اسے تیر اور تلواروں میں نہ جانے دو۔ اصحاب اسے پلٹا کر لائے میں واقعہ بعد میں بیان کروں گا۔ مگر پہلے آپ سے ایک بات پوچھ لوں۔ اصحاب جب پلٹا کر لائے تو طمانچے مار کر تو نہ لائے ہوں گے۔ بلکہ گود میں چمکار کے پیار کر کے لائے ہوں گے۔ ارے اصحاب کے بچے لائے جائیں تو پیار کر کے لائے جائیں۔ مگر حسینؑ کی میت سے جب سکینہؑ چھڑائی جائیں۔ تو کھلے ہوئے سینے سے لپٹی ہوئی بچی طمانچے کھاتی ہوئی اٹھے۔ اور کہے بابا تیرے بعد سکینہؑ کا سہارا کوئی نہیں۔ جز کم علی اصغر۔ بچے کو پلٹا کے لائے۔

بس دو فقرے سنئے۔ امامؑ نے کہا بیٹا کہاں جا رہے ہو۔ کہا مولا آپ کے دشمنوں سے لڑنے جا رہا ہوں۔ اللہ اللہ۔ حسینؑ کے دل پہ کیا گزری ہو گی۔ آج علیؑ کا بیٹا کربلا میں اتنا مظلوم ہے کہ کم سن بچوں کے ننھے ننھے دل تڑپ رہے ہیں مدد کے لئے۔ کہا تم بچے ہو تم پر جہاد واجب

نہیں ہے۔ میرے دشمنوں سے لڑنے نہ جائے۔ چچا کو بتاؤ۔ بس باپ کی نشانی بچا لو
مرتبہ اس نے مجھے ٹوٹے چھوٹے ننھے ننھے ہاتھ توڑ کے اللہ کہا۔ آقا یہ حسن کا بیٹا
کے سامنے ہے۔ ایک مرتبہ حسینؑ بے چین ہو گئے اور میرے مسلم کے
سے میرے جانثار کے بچے۔ آقا! میرے سینے سے تو لگ جا۔ بچہ
حسینؑ کے سینے سے لگا۔ امام نے کہا بیٹا تیری ماں زندہ ہے۔ تیرے باپ نے
حق وفا ادا کیا۔ اس کی قربانی کافی ہے۔ جاؤ جاؤ تم خیمے میں پلٹ جاؤ کہ تمہاری ماں
تمہارے سہارے زندگی بسر کر سکے۔

سنئے وہ اسلام یزیدی تھا جہاں یزید سے انعام لینے کے سہارے سر
جاتا ہے۔ یہ اسلام محمدی ہے۔ جہاں دل کا آخری ٹکڑا بھی اللہ کی بارگاہ میں
پیش کیا جاتا ہے کہ کل آخرت میں صلہ اور جزا ملے گی۔

سنئے اور اثر لیجئے۔ تو کیا ہوا ایک مرتبہ حسینؑ نے سینے سے لگایا۔ کہا بیٹا
تیری ماں تیرے سہارے زندگی بسر کرے گی۔ بچہ گردن جھکائے کھڑا رہا۔ حسینؑ نے
میرے بیٹے پلٹ جا۔ میں تجھ سے بار بار کہہ رہا ہوں۔ کہا کیسے پلٹوں۔ کہا زندگی
زندگی کے لئے پلٹ جا۔ کہا کیسے پلٹوں۔ ماں ہی نے تو مجھے بھیجا ہے۔ کہا!
تو زندہ رہے گا تو تیری ماں کیسے جیے گی۔ بچہ بولا مجھے نہیں معلوم مگر میری
نے مجھے تلوار دے کر بھیجا ہے۔ میں کیسے پلٹ کے جاؤں۔ ماں کو کیا جواب دوں
یہ سن کر خیمے کا پردہ پھر اٹھا۔ سر پہ چادر ڈالے ہوئے ایک عورت نکلی۔ اس نے
آقا یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ مسلم بن عقیل کی میت سامنے پڑی ہے۔ میرا شوہر ہے۔ جگر مسلم
جان دے چکا ہے۔ قرآن کو جزا ملے گی میں عورت ہوں۔ میں مرد نہیں کر سکتی جہاد

ہے۔ لہٰذا یہ ننھا سا تحفہ ہدیہ میں پیش کر رہی ہوں۔ مولا قبول کیجئے۔
بیوہ ہونے کے بعد ماں دل کا ٹکڑا اس امید پہ پیش کر رہی ہے۔ اللہ کے لئے کر
اللہ پہ احسان ہے۔ آخرت میں جزا ملنے والی ہے۔

باسمہ سبحانہ

مجلس

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا الخ

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے کہ انسان جب کھلی ہوئی گمراہیوں میں گرفتار تھا تو ہم نے ایک رسول بھیجا۔ اور اسلئے بھیجا کہ یہ رسول ہماری آیتوں کی تلاوت کرکے حکمت اور کتاب کی تعلیم دے کر ان کے نفسوں کو پاک کرکے ان کو کھلی ہوئی گمراہی سے نکالے۔ جیسا قرآن مجید کہہ رہا ہے حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفیٰؐ نے جو قرآن مجید نے کہا تھا اسے کر دکھایا۔ دنیا میں آئے عرب میں تبلیغ شروع کی۔ وہ عرب جو گمراہیوں کا مرکز تھا اس کو آیتیں سنائیں کتاب کی تعلیم دی۔ نفوس کو پاک کیا۔ اور وہ انسان جو جانور کی منزل سے بھی نیچے پہونچ گیا تھا اسے پھر انسان بنایا۔ اور ان میں بعض کو نہایت اعلیٰ درجے کا انسان بنایا کیسے بنایا اسے میں سنا چکا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے اسلام کا فلسفہ پیش کیا کہ اللہ پر ایمان لاؤ، قیامت کے دن کا یقین رکھو۔ اس فانی دنیا کو اللہ کے بتائے طریقے پر صرف کرو۔ یہاں اس طرح جیو جس طرح خدا چاہتا ہے۔ ان کاموں کو کرو جس کو خدا نے مانگا ہے۔ ان باتوں سے رک جاؤ جن باتوں سے خدا روکتا ہے۔ اور اس کے عوض میں تم کو جنت ملے گی۔ جنت میں سب کچھ ملے گا۔ جو تمہارا دل چاہے گا۔ جو کچھ تم سوچ سکتے ہو وہ سب جنت میں ملے گا۔ اس فلسفہ کو

جب میں نے دو بہنوں میں سمجھایا جن دونوں کو فرق محسوس ہوا انہوں نے برائیاں چھوڑ دی ہیں ۔ اور نیکیوں کی طرف چلے اور مجھے کل میں نے اپنے بیان کو یہاں تک پہنچایا تھا کہ جس جنت ہی آخری امید ہے جس کے سہارے آج بھی کوئی مسلمان نیکی کی طرف بڑھتا ہے۔ کل میں نے حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ کی وہ حدیث بھی سنائی جس کو علمائے اسلام لکھتے ہیں۔ جس کا ایک حوالہ میں نے پیش بھی کیا تھا کہ پیغمبر نے کہا میری امت میں بہتر فرقے پیدا ہوں گے جس میں صرف جنت میں ایک فرقہ جائے گا باقی سب دوزخ میں جائیں گے ۔ تو کل میں نے یہ کوشش کی تھی تو آج کوشش کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے کسی مسلمان بھائی کا دل دکھاؤں کہ تم جنت میں نہیں جاؤ گے مگر میرے بھائی آپ ہی بتائیے۔ ایک آدمی جس کے پھیپھڑوں کو گھن لگ چکا ہو۔ اگر کوئی آدمی جانتا ہے کہ اس کے پھیپھڑوں میں گھن لگ چکا ہے مگر وہ یہ سوچے کہ بتاؤں گا تو اس کے دل کو دکھ ہوگا۔ نہ بتائے اور کہے تم بہت اچھے ہو۔ آپ بتائیں وہ بظاہر تو مروت کر رہا ہے لیکن حقیقتاً دشمنی کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر بتا دے تو مریض علاج کرا لے اور اپنی زندگی بچا لے ۔ میرے بھائی آپ خود ہی فیصلہ کر کے بتائیں میرے سامنے دو باتیں ہیں ۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر مسلمان بھائی سے میں یہ کہوں کہ بس تم جو کچھ کر رہے ہو جس مذہب میں رہ کر کر رہے ہو۔ جو کچھ اس کو کر رہے ہو کرتے جاؤ جنت ملے گی۔ یا اپنے مسلمان بھائیوں کو خبردار کر دوں کہ جس نبی کا کلمہ پڑھ کے جنت کی امید میں ہم ہیں۔ اسی نبی نے خبر دی ہے کہ تم میں بہتر فرقے پیدا ہوں گے ۔ جن میں صرف ایک جنت میں جائے گا۔ باقی سارے فرقے جنت میں نہیں جائیں گے۔ کسی کو برا لگ سکتا ہے کہ ایک تھا

فرقہ جائے گا۔ یعنی یہ اپنے ہی فرقے کے لئے کہیں گے کہ یہ جنت میں جائے گا۔ لیکن ٹھہریے مجھے میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ نہ سوچیے کہ کون جائے گا۔ مگر یہ سوچیے کہ جب یہ طے ہوا کہ ایک جائے گا اور باقی نہ جائیں گے۔ تو میرے بھائی دانشمندی یہ ہے کہ ہم دنیا میں ٹھونک بجا کر پرکھ کر دیکھ لیں۔ کہ ہم اس فرقے میں ہیں یا نہیں جو جنت میں جا رہا ہے۔ کیوں اس لئے کہ ہم نے دنیا اس امید میں طے کر لی۔ کہ ہم اس فرقے میں ہیں جو جنت میں جائے گا۔ اور جب قیامت کے دن ہم پہنچے تو دروازہ ہی سے ہم واپس کر دیئے گئے کہ تمہارے پاس تو جنت کی کنجی ہی نہیں ہے۔ میں نے کل وعدہ کیا تھا کہ کنجی دے کر جاؤں گا۔ آج اس کنجی کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ سمجھ کر نہیں پیش کرتا ہوں کہ جو کچھ کہتا ہوں اسے مان لیجیے۔ یہ سمجھ کر ضرور پیش کرتا ہوں۔ کہ میری باتوں کو صرف کھلے کانوں سے نہیں بلکہ کھلے دل و دماغ سے سنئے یہاں جب تک بیٹھے ہیں تب تک سنئے۔ میں آپ سے کسی فیصلہ کا مطالبہ نہیں کرتا۔ میری یہ خواہش نہیں ہے کہ کوئی میرا بھائی اٹھ کر یہ کہے کہ آپ کی تقریر نے یہ اثر ڈالا اور میں آپ کے مذہب کو قبول کرتا ہوں نہیں ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے اپنے لئے سوچا ہے۔ اسے بے کم و کاست ہر مسلمان بھائی کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ سمجھ میں آ گئے تو مان لینا اور نہ سمجھ میں آئے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بہت سے کاموں میں ہم گھنٹوں وقت برباد کرتے ہیں اسی طرح اس مجلس میں بھی بیٹھ کر بھی کچھ نہیں پایا۔ جب میں نے یہ حدیث پیغمبرؐ پڑھی کہ تہتر فرقے ہوں گے اور ایک جنت میں جائے گا تو یقین مانئے میرے ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھرنے لگیں۔ میرا سانس تیز ہونے لگا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔

ہاں کہیں ہم اس فرقہ میں نہ ہوں جو جنت میں جانے والا ہے۔ میں کہتا ہوں جو مسلمان
حدیث کو میری طرح سوچے گا۔ اس کا دل بھی سینے میں دھڑکے گا۔ اس کا پسینہ
بھی پیشانی پر ابھرے گا۔ اس لئے کہ خطرہ یہ ہے کہ ہم سب کچھ کر کے وہاں
ہمیں تو جنت نہ ملے۔ اس لئے کہ شیعہ سب یہ سمجھتے ہیں کہ جنت ایک ہی فرقے کو
ملے گی۔ میں وضاحت کیوں کر رہا ہوں کہ سب میری بات کو سمجھیں۔ اس حدیث کا نتیجہ
حاصل یہ ہے کہ اگر چودہ امام کے ماننے والے شیعہ جنت میں جانے والے ہیں۔
قطعاً بارہ امام کے ماننے والے شیعہ جنت میں نہیں جا سکتے کیونکہ اس
لئے کہ ایک ہی فرقہ جائے گا۔ دوسرا نہیں جائے گا۔ اگر بارہ امام کے ماننے والے
جائیں گے تو پھر چودہ امام کا ماننے والا نہیں جا سکتا۔ اگر اماموں کو ماننے والا جائے
گا تو پھر وہ جنت میں نہیں جائے گا جو اماموں کو نہیں مانتا ہے خلفاء کو مانتا ہے
اگر خلفاء کے ماننے والے جائیں تو پھر ہم اماموں کے ماننے والے نہیں جا سکتے
ہیں۔ کسی کے برا اور بھلا لگنے کا سوال نہیں ہے بلکہ جب نکلے گا ایک ہی
فرقہ جائے گا۔ تو اگر قادیانی جائیں گے تو باقی فرقے نہیں جائیں گے۔ بریلوی جائیں
گے تو دیوبندی نہیں جا سکتے۔ وہابی جائیں گے تو بریلوی نہیں جائیں گے۔ سنی جائیں گے
تو شیعہ نہیں جائیں گے۔ شیعہ جائیں گے تو سنی نہیں جائیں گے۔ دوسرا جائے گا
تو پھر میں نہیں جا سکوں گا۔ میں جا سکوں گا تو پھر وہی جا سکے گا۔ جو میرا ہم مذہب
ہوگا۔ میں نے تو کسی کو برا نہیں کہا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک ہی کے
کے جانے کا مطلب یہ ہے کہ سب نہیں جا سکتے۔ آخر وہ فرقہ کون سا ہے اور کیوں
جائے گا۔ میرے پیغمبر آپ فرقوں کی تعداد بتا کیوں نہیں دیتے۔ دو چار فرقے

کیوں نہ بٹ جائیں۔ ایک ہی فرقہ کیوں جائے گا۔ محمد پیغمبر تو دنیا میں موجود نہیں ہیں
جو تعداد میں اضافہ کرا لیا جائے۔ نبی تو کہہ کر گئے کہ صرف ایک فرقہ جائے گا اور
کل میں سنا چکا ہوں کہ ایک۔ اس لئے جائے گا۔ کہ سچا ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ سچ
وہ نہیں ہوا کرتے میری یہ اپیل ہے کہ آپ یہ سوچ کر نہ سنئے کہ میں آپ کے عقل و
دماغ پر اپنے خیالات کا اثر ڈالنا چاہتا ہوں۔ بلکہ صرف سنئے کہ ایک آدمی اپنی باتیں
سنا رہا ہے۔ اسے ہم سن کر سوچیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ یہ سوچئے کہ ایک ہی فرقہ
کیوں جائے گا۔ جب سب مسلمان کہتے ہیں "لا الٰہ الا اللہ" تو ایک ہی فرقہ کیوں
جائے گا۔ جب سب مسلمان کہتے ہیں "محمد رسول اللہ" تو ایک ہی فرقہ کیوں جائیگا
جب سب نمازیں پڑھتے ہیں۔ چاہے الگ طریقے سے پڑھتے ہوں۔ ____
مگر سب پڑھتے تو ہیں۔ تو ایک ہی فرقہ کیوں جائے گا۔ مسجد میری بھی
ہے، مسجد آپ کی بھی ہے۔ مگر ایک ہی فرقہ کیوں جائے گا۔ تو اگر اس مسئلہ کو دیں
سمجھنا چاہتے ہیں کہ ایک فرقہ کیوں جائے گا۔ تو میری اس بات کو یاد رکھئے جو میں
نے کل بتائی تھی کہ اس حدیث کے تجزیے کا مطلب یہ ہے کہ اس دین
الٰہی میں یا اسلام محمدی میں، اس پیغام رب العالمین میں یا اس مذہب میں جو نجات
دہندۂ انسانیت ہے، اس میں سارے عقائد، سارے مسائل، سارے احکام
کے ساتھ ساتھ کوئی ایک مسئلہ ایسا ہے کوئی ایک پیغام ایسا ہے۔ جسے صرف
ایک ہی فرقہ مانے گا۔ یعنی اور سب باتیں بھی مانے گا۔ اور سب کے ساتھ وہ بات
بھی مانے گا جب وہ بات مانے گا تو جنت میں جائے گا۔ اور جو فرقے اس
ایک بات کو نہ مانیں گے، وہ چاہے ساری باتوں کو مانیں گے تب بھی جنت میں نہیں

جائیں گے۔ تو بس ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں وہ بات کون سی بات ہے جسے ایک ہی
در مانے گا۔ جس کی صفت یہ ہے کہ سب کچھ مانو، سب کچھ کرو۔ مگر جو اسے نہ مانا تو
کچھ نہیں مانا اور سب کچھ مان کے جو اسے مان لو تو پھر تم جنتی ہو اللہ جنت تمہاری ہے
معلوم ہوا کہ جنت کی کنجی اسے ملے گی جسے وہ بات معلوم ہو جائے۔ مسلمانو اسے پوچھیں
تو سب اپنی اپنی بات بتائیں گے۔ لائیے میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ دوں جس سے
اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ اگر اسے نہ مانا تو کچھ نہ مانا۔ سنو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا ایہا
الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ
یعصمک من الناس۔ ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر وہ حکم پہنچا دو جو ہم تم کو دے چکے
اور اگر یہ حکم نہ پہنچایا تو گویا رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہیں دیا۔ آپ سے صرف
حکم خدا پہنچانے میں ہم حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ آیت سے پہلے یہ طے ہوتا ہے کہ وہ
حکم کیا ہے جس کے پہنچانے کو خدا حکم دے رہا ہے۔ ارشاد ہے کہ وہ حکم جو ہم
تم کو دے چکے ہیں۔ مشکل یہ آن پڑی کہ یہ حکم تب معلوم ہوگا جب معلوم ہو جائے کہ وہ
حکم کون سا ہے جو خدا نبی کو دے چکا ہے۔ میرے کچھ مسلمان بھائی کہتے ہیں کہ نبی
بھی ہمارے ہی جیسے ہوتے ہیں۔ جیسے ہم پیدا ہوتے ہیں تو کچھ نہیں جانتے اسی طرح
نبی بھی جب پیدا ہوتے ہیں تو وہ بھی کچھ نہیں جانتے۔ ہمیں کوئی پڑھاتا تب ہم جانتے
ہیں۔ اسی طرح نبی کو بھی کسی نے پڑھایا تب نبی بھی کچھ جانے۔ میں نے کہا کس نے پڑھایا تو
انہوں نے کہا جبرئیل آ کر پڑھاتے۔ وہ روایت میں اس وقت نہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ
جس میں نبی کا سینہ بھی چیرا جاتا ہے۔ وہ لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں ہے۔ اس میں ایک …
لفظ بھی ہوتا ہے۔ اسے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور آپ کو کس نے … نبی کا دل دھویا گیا

جاتا ہے۔ ابھول نبی کے سینہ میں رکھا جاتا ہے۔ اور سینے کی کھڑکیاں بند کر دی جاتی ہیں
ہیں اس سے پہلے نبی کا سینہ تنگ تھا اب جو کالا نقطہ نکل گیا تو سینہ کشادہ ہو گیا مختصر
تھا میں ایسی باتوں کو نبوت کی توہین سمجھتا ہوں۔ اس میں کچھ نئے قابل کوئی بات
نہیں پاتا۔ اس لیے اسے قابل ذکر ہی نہیں سمجھتا مگر میرے جس بھائی کا یہ خیال
ہے کہ جبرئیل پڑھاتے تھے، تب نبی پڑھتے تھے۔ ان سے صرف اتنا کہنا چاہتا
ہوں کہ اگر آپ کی نظر میں اسلام کا نبی شاگرد ہے۔ جبرئیل کا تو قرآن مجید کے
اس فقرے کا مطلب کچھ میں نہیں آسکتا کیونکہ مسلمان تب سمجھیں گے جب نبی
بتائیں۔ نبی تب سمجھیں گے جب جبرئیل بتائیں۔ ہم نے جبرئیل سے کہا تم بتاؤ
یہ کون سا حکم ہے۔ جس کے لیے قرآن کہتا ہے۔ اے پیغمبر وہ پیغام پہنچا دو۔ جو
پیغام ہم تمہیں دے چکے۔ تو جبرئیل پلٹ کے کہیں گے اگر اس پیغام کا ذکر اس
میں ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا۔ مگر پیغام سر بمہر ہے مجھے خود نہیں معلوم کہ پیغام
کون سا ہے۔ تو میں کیا بتاؤں۔ تو جب استاد کو نہیں معلوم تو شاگرد کو کیسے معلوم
جب شاگرد کو نہیں معلوم تو امت کو کیسے معلوم ہو۔ معلوم ہوا اگر نبی کا استاد
جبرئیل کو مان لوں تو قرآن کا یہ فقرہ حل نہیں ہو سکتا۔ میں نے خوشامد کی اے میرے
جبرئیل تمہیں تو روز وحی لاتے ہو۔ تم مطلب بتاؤ گے تو کون بتائے گا۔ انھوں نے
کہا کیوں مجھ سے پوچھتے ہو۔ میں نے کہا تم ہی تو روز وحی لاتے تھے کہنے لگے تو
تمہیں یاد ہے جب میں وحی لاتا تھا۔ اور تمہیں وہ رات یاد نہ رہی جب وحی
پہنچانے والا سدرہ پر ٹھٹک گیا تھا۔ وحی کا پانے والا منزل قاب قوسین او ادنیٰ
پہ پہنچا تھا۔ قرآن مجید کا ستائیسویں پارہ کا سورہ والنجم گواہ ہے۔ جس میں پیغمبر

معراج کی روداد لکھی ہے۔ اب مطلب حل ہوا قرآن کہتا ہے یا ایھا الرسول بلغ
ہم نے پیغمبر پیغام پہنچایا وہ پیغام ہم تک پہنچا دے چکے۔ لفظوں سے لفظیں بدل جاتے
ہو گئے ہیں گے۔ ستائیسویں پارہ کے سورۃ النجم میں پیغمبر کی معراج کی روداد آپ
نے بیان کی تو کہا۔ جبرئیل سدرہ پر رک گئے۔ پیغمبر قاب قوسین او ادنی
منزل تک گئے۔ خدا نے باتیں کیں۔ جسے قرآن نے بیان کیا فاوحی الی عبدہ۔ ۷
اور بھی آج کی بات جو کہنا تھا میں نے اپنے بندے سے کہہ دیا۔ شب معراج کہا
ہے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ آج غدیر میں کہتا ہے جو کچھ کہا تھا وہ پیغام پہنچا دو
چہ بیاہ جنت کی بھی وہ پیغام ہے جسے خدا نے شب معراج حضرتؐ کے حوالے کیا۔ مگر
معراج میں ہم نبیؐ کے ساتھ گئے نہیں۔ نبی تنہا گئے۔ ان کے ساتھ کوئی نہ تھا تو کسی
نہیں معلوم کہ وہ پیغام کیا ہے۔ مگر یہی پیغام جنت کی کنجی ہے جب تک یہ
پیغام نہ معلوم ہو اس وقت تک جنت نہیں مل سکتی۔ لہذا معلوم کرنا چاہیے کہ
اس آیت کے اترنے کے بعد نبیؐ نے کیا پیغام پہنچایا۔ مگر اس سے پہلے ایک بات اور
بھی محسوس کرتے چلیں۔ میں کسی کا مقابلہ نہیں کرتا۔ کسی کو چھوٹا نہیں کرتا۔ لیکن اتنا
ضرور کہتا ہوں کہ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نبیؐ کے استاد جبرئیل ہیں اور میرا
خیال یہ ہے کہ جبرئیل میرے مولا علیؑ کے شاگرد ہیں۔ پرندے کے دو پر ہوتے ہیں جو
زمین سے نہ اٹھے وہ مرغی ہوتا ہے۔ جو اٹھ جائے وہ پرندہ ہوتا ہے۔ اچھا دونوں
باتوں میں اسلام الگ کر کے تول لیجیے۔ آپ کہتے ہیں نبیؐ کا استاد جبرئیل ہیں تو میں کہتا ہوں
جو تمہارے نبیؐ کا استاد ہے وہ میرے علیؑ کا شاگرد ہے تو سوچو جب علیؑ کو
شاگرد جبرئیل جیسا ہے۔ تو علی جیسے محمدؐ کے شاگرد ہوں گے وہ محمد کیا ہوں گے۔ وہ اسلام

دوسروں کا۔ یہ ہے اسلام میرا یہ ہے صلوٰۃ۔ اب آیت کا اگلا فقرہ پڑھیں۔ مختار
جانتا ہوں۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت
رسالتہ۔ اے پیغمبر وہ پیغام پہنچا دو جو معراج کی رات دے چکا۔ اور اے
پیغمبر اگر تم نے یہ پیغام نہیں پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ سمجھ داروں کے لئے تو مسئلہ
ابھی سے حل ہو گیا۔ مگر میں بچوں کو بھی سمجھانا چاہتا ہوں۔ اس لئے چند فقرے
مجھے مزید کہنا ہوں گے۔ پتہ چلا کہ نبیؐ سے ایسے پیغام کے لئے کہا جا رہا ہے۔
جس کے لئے خدا کہتا ہے اے پیغمبرؐ اگر یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ الفاظ
کا ترجمہ یہی ہے۔ وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ اے پیغمبرؐ اگر یہ پیغام نہیں پہنچایا
تو کچھ نہ پہنچایا۔ اے پیغمبرؐ یہ پیغام بے خوف ہو کر پہنچا دو۔ واللہ یعصمک من الناس
اللہ تم کو دشمنوں سے حفاظت میں رکھے گا۔ اگر میں سمجھدار مسلمان سے یہ کہوں
بھائی میرے یہ آیت اس دن اتری جس دن نبیؐ نے تبلیغ شروع کی تھی۔ تو میرا
مسلمان بھائی کہہ سکتا ہے تاریخ نہ پڑھے، تفسیر نہ پڑھے، حدیث نہ پڑھے۔ لیکن
ترجمے کے ان لفظوں کو سوچ کر کہے گا کہ تم غلط کہتے ہو۔ اس لئے کہ قرآن یہ کہتا ہے
جو پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ ابھی نبیؐ نے کچھ پہنچایا ہی نہیں ہے۔ مثال
سمجھئے۔ ایک صاحب کو آپ نے مہمان بلایا۔ وہ آ کے بیٹھے۔ آپ نے چائے
پلائی۔ پان، سگرٹ، پھل وغیرہ سے مکمل ضیافت کی جب وہ شکم سیر ہو کے
خوش ہو کر جانے لگے تو آپ نے کہا یہ شربت پی لیجئے انھوں نے کہا پیاس
ہی نہیں ہے۔ تب آپ کہیں گے اور آپ نے حلق سے نہ پیا تو کچھ نہ کیا۔ لیکن اگر
پیاسا ہو کر آپ نے مجھے مہمان بلایا۔ میں آ کے بیٹھا۔ آپ نے پانی پیش کیا۔

میں نے کہا نہیں یوں گا اللہ آپ نے کہا جو اسے نہ پیا تو کچھ نہ کیا۔ تو میں کہوں گا ابھی تم نے کیا کھایا پیا ہے جو آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے نہ پیا تو کچھ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ فقرہ اگر یہ نہ کیا تو کچھ نہ کیا پہلی منزل میں نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ ابھی تو کچھ کیا ہی نہیں ہے البتہ جب ساری منزلیں طے ہو چکی ہیں بات آخری اور کام آخری ہوتا ہے تب کہا جاتا ہے کہ اگر اسے نہ کیا تو کچھ نہیں کیا۔ قرآن نے پیغمبرؐ سے کہہ دیا ہے۔ اے پیغمبرؐ جو لکھے۔ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ معلوم ہوا یہ تبلیغ کا پہلا دن ہے بلکہ تبلیغ کا آخری دن ہے۔ قرآن نے کہا اے پیغمبرؐ وہ پیغام پہنچاؤ جو پیغام ابھی تم نہیں دے چکے ہیں۔ اور اے میرے نبیؐ جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ قرآن کا فقرہ خود کہہ رہا ہے کہ سب کچھ تم پہنچا چکے ہو۔ مگر یہ آخری پیغام ہے یہ جو اسے نہ پہنچایا تو جو کچھ پہنچایا سب بے کار ہے۔ اس فقرہ کی وضاحت یوں ہو گی کہ اے پیغمبرؐ تم نے خدا کی توحید کا پیغام پہنچایا۔ مگر جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا تم نے اپنی نبوت کا پیغام پہنچایا مگر جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ تم نے قرآن کو کلام اللہ بتایا مگر جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ تم نے کعبہ سے تعارف کو حسن کیا۔ تم نے حج سکھایا مگر جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ تم نے نمازیں سکھائیں مگر جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ تم نے روزے رکھنا سکھایا۔ تم نے زکوٰۃ کی تعلیم دی مگر جو یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ پتہ لگا یہ وہ پیغام ہے کہ جس نے سب پیغام پہنچا لئے مگر یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ قرآن کے لفظوں میں پلٹ کر مسلمان سے کہا پہچان لے یہی وہ پیغام ہے جسے نہ مانا تو کچھ نہ مانا۔ اور جو اسے مانا تو سب کچھ مانا۔ صلوٰۃ۔ الفاظ سے الفاظ مل گئے ہیں کہ نہیں حدیث دیکھئے

ہے جنت میں ایک فرقہ جائے گا۔ یعنی ایک فرقہ ایک ہی بات کو مانے گا جو
یہ ہے جو اسے نہ مانا۔ بلکہ ہر تو سب کا ماننا بیکار ہو جائے۔ اور جو وہ پیغام الہ
تو جو کچھ مانا سب کا مال لٹیا کا ہے۔ تو پتہ چلا اس آیت کے اترنے پر پیغمبر
پہنچایا بس وہ پیغام وہی پیغام ہے کہ اُسے جس نے مانا۔ اس نے سب کچھ
جس نے اسے پیغام کو نہ مانا۔ اس نے کچھ نہ مانا۔ تو اب جنت کی کنجی وہ پیغام
سمجھنے اس آیت کے اترنے پر سنایا۔ مگر وہ پیغام کیا تھا اس کے سننے
ایک بات سنئے اگر میں نے جیب پہ مجلس ختم کر دی۔ تو میرے بہت سے
میرے گھر نہیں آئیں گے مولوی صاحب آپ نے تو بات ادھوری چھوڑ دی۔ نہ
کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کل تک ہم زندہ رہیں۔ لہٰذا جنت کی کنجی
آج ہی سنا دیجئے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد نبی نے کیا کہا تھا
جنت والا پیغام بتا دوں تو آپ کو جنت کی کنجی مل جائے گی مگر آپ کا
ضرورت ختم ہو جائے گی لہٰذا میری غرض مندی کا تقاضا یہی ہے کہ
بتائے ہوئے پیغام کے بجائے میں کوئی اپنے مطلب کی بات بتاؤں کہ
سی کا وہ مانا مشغول میں پھنستا ہے۔ تب ہی کوئی سمجھدار اس کو
کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا یہی موقع ہے اپنے دل کی بات سنوا
کو آپ شنبہ میرے گھر آئے۔ بارہ بجے رات کو پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا کہ
سیکھ آئے۔ آپ نے کہا کہ مات کا کوئی اعتبار نہیں۔ زندہ رہو
کہ جنت کی کنجی کون سا پیغام تھا۔ میں نے کہا ساٹھ سال کا ہو چکا
آپ کو وہ پیغام ابھی تک نہیں معلوم۔ آپ نے کہا اگر معلوم ہوتا تو وقت کے

آ گئے۔ ہم نے سوچا ٹھیک ہے اس وقت یہ آدمی قابو میں ہے۔ اب جو بتا دوں گا۔
اسے مان لے گا۔ میں نے کہا تم نے سنا نہیں پیغمبرؐ نے یہ کہا تھا کہ جب تمہیں کوئی مولوی
یا عالم مل جائے تو جی کھول کے اس کی دعوت کرنا۔ آپ نے سوچا پتہ نہیں نبی نے یہ بات
کہی کہ نہیں۔ ایک اور مولوی صاحب میرے بغل میں رہتے تھے۔ آپ نے سوچا لاؤ
ان سے پوچھ لیں۔ انھیں ایک بجے رات کو جگایا۔ کہنے لگے کیسے آئے۔ آپ نے کہا جو بڑے
میں مولوی صاحب ہیں انھوں نے جنت کی کنجی کی بات کہہ رکھی تھی۔ آج جو ان سے
پوچھنے گئے کہ وہ کون سا پیغام ہے جو جنت کی کنجی ہے تو انھوں نے بتایا کہ مولوی صاحب
کی دعوت کرنا۔ آپ کا اس مسئلہ میں کیا خیال ہے۔ وہ مولوی صاحب بھی سمجھ گئے
ہیں جگہ کی قلت اور مہنگائی الگ اور جب سے فیملی پلاننگ کا پروپیگنڈہ ہوا تب سے
انھوں نے چار شادیاں کیں۔ اللہ کی بھی دنیا ایسی کہ ہر شادی سے بارہ بارہ بچے۔ تو
وہ بتا رہے ہیں بچے کتنے، بیویاں باون ۵۲۔ تم سمجھ لو خود۔ انھوں نے سوچا یہ آدمی تو
سمجھ دار ہے نبی نے کیا بتایا اس کا کیا مطلب۔ وہ بتاؤ جس سے سمجھ آئی
لہٰذا انھوں نے کہا کہ وہ عالم جس کے عیال زیادہ ہوں اس کی امداد کرنے کا حکم دیا تھا
حضور نے۔ آپ نے دیکھا میں اکیلا تھا مجھے صرف اپنی فکر تھی
کا ذکر کیا ان کو اپنے بچوں کی فکر تھی انھوں نے اپنے مطلب کی بات بتائی۔
تیسرا مولوی ملے گا اس لئے جس بات کی ضرورت ہوگی وہ اسے بتا دے گا۔ اب آپ
مسلمانوں میں دیکھ اسلام کے تہتر فرقے کیسے پیدا ہو گئے۔ اسی لئے کہ جس
پاس پہنچے انھوں نے اپنے مطلب کی بات بتائی۔ لہٰذا جو اسلام ایک تھا وہ
میں بٹ گیا۔ صلوٰۃ۔ تو اب تک بات یہاں تک پہنچی کہ حدیث کہتی ہے۔ ایک

پیغام دیا ہے جس کی صفت یہ ہے جو اسے نہ مانا تو کچھ نہ مانا۔ قرآن کی آیت یہ ہے
سنیے۔ اے پیغمبر جو پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ تو جنت کی کنجی ہاتھ میں آ
جائے گی جب یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر نے پیغام کون سا پہنچایا۔ اب مسلمانوں
سے پوچھوں۔ ہر ایک اپنی اپنی بات بتائے گا۔ اس لئے کہ بات وہ ہے جس سے جنت
ملے گی۔ تو مسلمانوں سے پوچھتا ہوں تو وہ بتائیں گے بہتر باتیں۔ یعنی اگر جنت
کنجیاں مسلمانوں سے جمع کروں تو وہ بہتر ہوں گی جن میں ایک اصلی ہوگی اور بقیہ سب نقلی
ہوں گی۔ اب کون سا سمجھ دار ہے جو بہتر میں سے ایک چھانٹ کر اصلی کو نکال لے تو ایک
بات سنیے ایسا معیار بتاؤں جس کے بعد ماننا نہ ماننا تو دل کی بات ہے۔
عقل کہہ رہی ہے کہ بات لگتی ہے۔ آپ مجھ سے پوچھئے پیغمبر نے کیا پیغام پہنچایا؟
تو بات بتاؤں گا جو میری کتاب میں ہے۔ کسی دوسرے مسلمان فرقے سے
پوچھئے وہ اپنی ہی کتاب کی بات بتائے گا۔ تیسرے فرقے سے پوچھئے وہ اپنی کتاب
کی بات بتائے گا۔ لہٰذا اگر جو میں بتاؤں وہ صرف میری کتاب میں نکلے تو
میں کہوں گا یہ میری بات ہے۔ نبی کی بات نہیں۔ آپ کی کتاب میں آپ کی بات
اس کے معنی ہیں یہ آپ کی بات ہے نبی کی بات نہیں۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ جو آپ بتا
رہے کہ نبی نے یہ کہا۔ وہ نکلے میری کتاب میں تو مجھے تو ماننا ہی پڑے گا۔ کیونکہ اس سے
زیادہ سچی گواہی نہیں ہو سکتی۔ بس یاد رکھئے اگر ہر فرقے سے پوچھئے گا تو وہ اپنی
بتائے گا۔ مگر میں جو بات بتاؤں گا۔ وہ صرف میری ہی کتاب میں نہیں ملے
بلکہ دوسرے فرقوں کی کتابوں میں بھی ملے گی۔ تو میری کتاب میں لکھا ہے کہ
سرورِ کائنات جناب محمد مصطفیٰ ﷺ جب سنہ ۱۰ھ میں آخری حج کر کے پلٹ رہے

تھے اور آپ کے ساتھ کم سے کم تیس ہزار حاجی ۔ اور غدیر خم کی جگہ تک پہنچے جہاں سے راستے الگ الگ ہوتے تھے اور مسلمان اپنے راستوں پر جانے والے تھے۔ اسی وقت وحی کی گئی۔ یا ایہا الرسول بلغ الخ اے پیغمبرؐ وہ پیغام پہنچا دو جو پیغام ہم تمہیں دے چکے۔ اور اے پیغمبرؐ اگر تم نے یہ پیغام نہ پہنچایا۔ تو سب کچھ پہنچایا مگر کچھ نہ پہنچایا اور بے خوف ہو کر پیغام پہنچاؤ۔ ہم تمہیں بچا لیں گے پیغمبرؐ نے تیس ہزار حاجیوں کے قافلے کو روکا۔ مسلمان جلتی ہوئی دھوپ میں گھنٹوں کھڑے رہے۔ نبیؐ نے منبر بنوایا۔ بعد منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں کہا میری موت قریب ہے۔ اللہ کے احکام تم تک پہنچائے جا چکے ہیں پابندی کرنا۔ اور اس کے بعد میرے مولا علی ابن ابی طالبؑ کا بازو پکڑ ا ہاتھوں پر اٹھایا۔ اور کہا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" یعنی جس طرح میں مسلمان کے دین و دنیا کا مالک ہوں۔ اسی طرح سے میرے مسلمان کے دین و دنیا کے علیؑ مالک ہیں۔ تو میری دو آیتوں نے بتایا کہ وہ پیغام ہے جسے اگر نبیؐ نہ پہنچاتے تو کچھ نہ پہنچاتے۔ وہ پیغام جسے مسلمان اگر نہ مانیں تو سب کچھ مانا مگر کچھ نہ مانا۔ وہ پیغام ہے علیؑ کا مولا ہونا۔ علامہ جلال الدین سیوطی جو میرے مذہب کے عالم نہیں ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے زبردست عالم ہیں مورخ ہیں، محدث ہیں، مفسر ہیں۔ ان کی مشہور عالم تفسیر "تفسیر درمنثور" ہے اس میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبرؐ علیؑ کے بارے میں ہم تم سے جو کہہ چکے ہیں۔ وہ حکم پہنچا دو۔ اور اس آیت کے اترنے کے بعد نبیؐ نے علیؑ کو غدیر خم کے میدان میں ہاتھوں پہ بلند کر کے کہا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" اب مخالف فرقہ کی گواہی بھی ہمارے لئے حاصل ہو گئی کہ علیؑ کا

۸

مولا ہونا وہ پیغام ہے جسے اگر نبیؐ نہ پہنچاتے تو گویا کوئی پیغام الٰہی نہ پہنچایا ہوتا یہی اعلان وہ اسلامی عقیدہ ہے کہ جس مسلمان نے اس کو نہیں مانا اس نے کہ اسلام کو نہیں مانا۔ آپ کہیں گے کہ جنت کی کنجی مل گئی کیونکہ تمہاری تقریر کا ماحصل یہی ہے کہ جو خدا کو مانے نبیؐ کو رسول مانے۔ اور نبیؐ کے بعد علیؑ کو مولا جیسے نبیؐ کو مولا مانتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں جنت کی کنجی آگئی مگر میں اپنے قوم کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ میرے خیال میں علیؑ کو مان لینے سے جنت نہیں ملے گی بلکہ جب علیؑ کو اس طرح مانا جائے جس طرح نبیؐ نے منوایا ہے جنت ملے گی۔ نبیؐ نے علیؑ کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ تین کے بعد چوتھا جانشین نہیں بنایا ہے۔ لہٰذا علیؑ کو خلیفہ بلافصل ماننا ضروری ہے۔ اس کے برخلاف جنت نہیں دلائے گا۔ مسلمان بھی جناب عیسیٰؑ کو مانتے ہیں اور عیسائی بھی عیسیٰؑ کو مانتے ہیں مگر وہ عیسیٰؑ کو مان کے دوزخ میں جائیں گے اور ہم عیسیٰؑ کو مان کے جنت میں جائیں گے۔ عیسیٰؑ کو دونوں مانتے ہیں مگر دونوں کے نظریے الگ الگ ہے۔ وہ اللہ کا بیٹا مان رہے ہیں۔ ہم اللہ کا بندہ مان رہے ہیں لہٰذا صرف علیؑ کا ماننا کافی نہ ہوگا بلکہ خلیفہ بلافصل ماننا ہوگا۔ اس کے بعد بھی یہی کہوں گا کہ خلیفہ بلافصل ماننے کے بعد بھی جنت نہیں ملے گی۔ بیشک علیؑ کا ماننا واجب ہے اس کے بغیر بخشش نہیں ہو سکتی۔ مگر علیؑ کو مان کے جنت مل جائے یہ ممکن نہیں جب تک کہ اس پورے سلسلے کو نہ مانا جائے جس کو نبیؐ اور علیؑ نے منوایا ہے۔ پہلے شیطان اور ملائکہ کا مقدمہ سن لیجئے۔ اس مقدمہ میں خدا کا فیصلہ سن لیجئے۔ سارا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ خدا نے انسانوں کی پیدائش

سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ خدا نے آسمان پر رہنے
والی شخصیتوں سے کہا کہ جب میں آدم کے پیکر میں اپنی روح کا ایک حصہ ڈالوں تو اسی
وقت تم آدم کی طرف رُخ کر کے سجدہ کرنا۔ قرآن کہتا ہے کہ سارے ملائکہ نے سجدہ
کیا۔ مگر شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔ خالی سجدہ نہیں کیا بلکہ اس نے کہا میں کیوں
سجدہ کروں یہ مٹی سے بنے ہیں اور میں آگ سے۔ آگ اونچی ہوتی ہے۔ مٹی نیچی ہوتی ہے
لہٰذا میں اونچا ہوں آدمؑ نیچے ہیں اونچا نیچے کے سامنے سجدہ کیوں کرے۔ اس پر اللہ
نے کہا نکل جا۔ میری گنہگار شخص ہے اے میرے مالک شیطان تجھے تو سجدہ کر رہا
ہے۔ تجھے تو خدا مان رہا ہے۔ اے خدا تو بڑا ہے شیطان چھوٹا ہے۔ چھوٹے
سے تو کیوں الجھتا ہے جانے دے نہیں کرتا آدم کو سجدہ نہ کرے۔ مگر اللہ نے کہا
نہیں نہیں مجھے لاکھ سجدے کرے مگر میں شیطان کو اپنے دربار میں رہنے کی اجازت
نہیں دوں گا۔ میں نے کہا مالک تجھے تو سجدہ کر رہا ہے۔ اللہ نے فیصلہ کیا۔ دیکھو جو
میرے سامنے جھکے وہ میرا نہیں۔ شیطان میرے سامنے جھکنے پر تیار رہے
مگر میرا نہیں۔ میرا وہ ہوگا جو میرے سامنے بھی جھکے اور جن کے سامنے میں
جھکا دوں ان کے سامنے بھی جھکے۔ تو اللہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ قرآن
میں لکھ دیا جو قانون کی کتاب ہے تاکہ جب غدیر کے دن تم پیغمبرؐ کا پیغام سنو۔
علیؑ کو مولا مانو۔ مگر اس طرح نہ ماننا جس طرح شیطان نے مانا۔ بلکہ اس طرح
ماننا جس طرح ملک نے مانا۔ شیطان نے اللہ کو مانا کہ تجھے مانتا ہوں مگر تیرے
کہنے پر دوسرے کو نہ مانوں گا۔ ملک نے کہا مالک تجھے مانتے ہیں تو جسے بھی تو
منوائے گا اُسے مانیں گے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کو شیطان بھی مان رہا ہے۔ اور

تک بھی۔ مگر ملک یوں مان رہے ہیں کہ مالک تجھے مانتے ہیں تو جب کہا کہ منوانے
گا اسے مانیں گے۔ شیطان نے کہا تجھے مانیں گے مگر تیرے کہنے پر بھی کسی کو نہیں
مانیں گے۔ قرآن نے آواز دی کہ حضرت علیؑ کو سوا مانو گے تو جنت نہیں ملے گی
یہ شیطان کے ماننے کا راستہ ہے۔ نہیں ملک کی طرح مانو کہ علیؑ تم کو بھی بتلائیں
گے حسنؑ کو منوائیں گے انھیں مانیں گے۔ حسنؑ جب حسینؑ کو منوائیں گے۔ انھیں مانو
گے۔ حسینؑ زین العابدینؑ کو منوائیں گے انھیں مانیں گے۔ تو جب پورے سلسلہ
کو مانو گے تب جنت کی کنجی ہاتھ میں آئے گی۔ صلواۃ۔ آپ روزانہ خلافت نامہ
پڑھتے ہیں مگر یہ بھی سوچا کہ اس اخبار کا نام خلافت کیوں ہے۔ بات یہ ہے کہ
خلافت اصحاب کے ہاتھوں مدینہ سے شروع ہوئی اور ترکی میں انگریزوں کے
ہاتھوں ختم ہوئی جب انگریزوں نے ترکی میں خلافت ختم کر دی۔ تو مسلمانوں
نے ہندوستان میں اس کے خلاف ایجی ٹیشن کیا۔ گولیاں کھائیں۔ جانیں دیں
اسی زمانے میں یہ اخبار نکلا۔ غرضکہ ترکی کے بادشاہ جن کی خلافت پر مسلمان جان
دے رہے تھے۔ اسی خلافت کے مفتی اعظم اور شیخ الاسلام شیخ سلیمان قندوزی
نقشبندی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ینابیع المودۃ ہے۔ اس کتاب میں
شیخ سلیمان نے روایتیں جمع کی ہیں کہ حضور نے فرمایا میرے جانشین بارہ ہوں
گے وہ لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ستر جگہ پر پیغمبرؐ کی حدیثیں لکھی
ہیں کہ نبیؐ نے کہا کہ میرے خلیفہ میرے جانشین امت کے قائد بارہ ہوں گے
جیسے بنی اسرائیل کے نقیب بارہ تھے۔ ستر جگہ لکھا ہے۔ اس کے معنی ہوئے
کہ ستر مرتبہ پیغمبر نے فرمایا۔ پتہ چلا کہ نبیؐ کے جانشین بارہ ہیں اگر میں بارہ

میں ہونے بارہ مانوں یا سوا بارہ مانوں تو غلط جب نبیؐ نے ستر مرتبہ کہا میرے خلیفہ بارہ ہوں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جنت تک وہی فرقہ پہنچے گا جس کے پیشواؤں کی تعداد صرف بارہ ۱۲ ہوگی۔ نہ بارہ سے کم نہ بارہ سے زیادہ۔ تو بارہ کی تعداد پوری کرنے سے بارہ ۱۲ نہیں بنیں گے۔ بلکہ جس نبیؐ نے کہا میرے خلیفہ بارہ ۱۲ ہوں گے۔ اب انہیں بارہ ۱۲ کو مانو۔ جن بارہ کو پیغمبرؐ بتا کر گئے۔ اب آئیے میدان بحث میں کوئی فرقہ جس کے پاس مخالف کی کتاب سے یہ ثابت کرنے کی ہمت ہو۔ کہ جن کو ہم بارہ امامؑ مانتے ہیں ان کے نام مخالف کی کتاب سے ہم دکھائیں گے۔ میں شیعہ اثنا عشری ہوں کہ اگر اپنے بارہ ۱۲ اماموں کے نام صرف اپنے مذہب کی کتابوں سے دکھاتا ہوں تو کوئی سند اور حجت نہیں۔ اس لئے کہ میری کتابوں میں میرے بارہ اماموں کے نام نہیں نکلیں گے تو پھر کس کی کتاب میں میرے بارہ ۱۲ اماموں کے نام نکلیں گے۔ نہیں میری کتاب میں نکلے تو کمال نہیں بلکہ جو میرے اماموں کو نہیں مانتے ہیں جب ان کی کتابوں میں نکلے اور وہ بھی اس طرح کہ یہ نام خود نبیؐ نے بتائے ہوں تو یہ بات ضرور ماننے کے قابل ہوگی۔ چنانچہ شیخ سلیمان قندوزی نقشبندی اپنی کتاب ینابیع المودۃ کے دوسرے باب میں یکے بعد دیگرے تین حدیثیں لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے کہا میرے خلیفہ بارہ ہوں گے جن کے نام اس ترتیب سے بتائے پہلے علیؑ ثم الحسنؑ ثم الحسینؑ ثم علیؑ ثم محمدؑ ثم جعفرؑ ثم موسیٰؑ ثم علیؑ ثم محمدؑ ثم علیؑ ثم حسنؑ ثم محمدؑ (عج) ثم صلوٰۃ۔ اس کے بعد دوسری حدیث لکھی جس میں نبیؐ نے اپنے ہر جانشین کے باپ کا نام بتایا۔ کہا میرے جانشین بارہ ۱۲ ہیں۔ علیؑ ثم الحسنؑ ثم الحسینؑ ثم علیؑ ابن الحسینؑ۔ اب نام بھی بتا رہے ہیں باپ کا نام بھی بتاتے

ہیں ثم محمد ابن علیؑ۔ اس حدیث سے نام اہلبیتؑ معلوم ہوئی۔ پھر شیخ سلیمان
قندوزی نے تیسری حدیث لکھی جس میں پیغمبرؐ نے یوں توضیح کی۔ علیؑ، حسنؑ، حسینؑ،
ثم علی ابن الحسین زین العابدین، ثم محمد ابن علیؑ باقر علم النبیین، کیا مطلب اب یہ
خلیفہ اور امام کا نام بھی بتا دیا۔ ہر امام کے باپ کا نام بھی بتایا اور ہر امام کا وہ
لقب بھی نبی بتا کے گیا۔ جس لقب کے ساتھ انھیں مشہور ہونا ہے۔ میں اپنے
ہر سننے والے دوست سے دست بستہ ایک گذارش کروں گا کہ ذرا کبھی آپ نے
یہ بھی سوچا کہ جب اقبال جو اب شاعر مشرق کہلاتے ہیں۔ اور جوش جو شاعر
انقلاب کہلاتے ہیں پیدا ہوئے تھے۔ اُس دن کوئی تھا جو اقبال کی ماں کو مبارک
باد دیتا کہ تمہاری گود میں شاعر مشرق پیدا ہوا۔ دنیا میں تھا کوئی ایسا انسان
جب جوش پیدا ہوئے تھے کہ جاکے جوش کی ماں کو باپ کو مبارکباد دیتا
کہ شاعر انقلاب پیدا ہوا۔ دنیا نے یہی کہا بیٹا مبارک ہو۔ اس لئے کہ ابھی تو
بیٹا ہی نظر آتا ہے جب یہ شاعری کے جوہر دکھلائے گا۔ دنیا ان کی شاعری
کو دیکھ کر شاعر مشرق کہے گی۔ شاعر انقلاب کہے گی۔ تب لقب ملے گا۔ معلوم
ہوا پیدا ہونے کے وقت لقب نہیں ملتا۔ کمال دکھانے کے بعد لقب ملتا ہے۔
تو سید سجاد جب عبادت کریں گے تب ہی تو زین العابدینؑ کہلائیں گے۔
محمد باقرؑ جب علم کے دریا بہائیں گے تب ہی باقر علم النبیین کہلائیں گے۔ جعفر
صادقؑ کا ہر بیان جب سچا ہوگا تب ہی صادق کہلائیں گے۔ موسیٰ کاظمؑ جب ہر
غصے کے موقع پر ضبط کریں گے تب ہی تو کاظم کہلائیں گے۔ علی رضاؑ جب ہر بات
پر اللہ کی مرضی پر راضی رہیں گے تب ہی تو علی رضاؑ کہلائیں گے مگر نبیؐ میرے

مولا کے پیدا ہونے سے پہلے لقب بتا رہے ہیں۔ معلوم ہوا یہ حدیث فرضی یا
جعلی نہیں ہے بلکہ اس علم غیب کے مالک نبیؐ کی بیان کردہ ہے جو پیدا ہونے
سے پہلے نام بتاتا ہے، ولدیت بتاتا ہے، مشہور لقب بتاتا ہے۔ میں اپنا کلمہ
چھوڑ کے دوسرا مذہب اختیار کرنے پر تیار ہوں اگر مسلمان کا کوئی فرقہ
نبیؐ کے فرمانے کے مطابق صرف بارہ پیشوا بتائے۔ نہ تیرہ بتائے نہ گیارہ بلکہ
جن بارہ کو بتائے اپنی کتاب میں ان کے نام لکھے نہ بتائے بلکہ مخالف
فرقے کی کتاب سے نام نکالے۔ جیسے میں نے نام بتائے ہیں اور نبیؐ کی
زبان سے بتائے۔ نام بتائے۔ لقب بتائے۔ وگرنہ جس طرح کوئی بارہ پیش
کرے تو میں مذہب چھوڑنے پر تیار ہوں۔ لیکن میں نے کتابیں پڑھی ہیں اللہ
سے اطمینان کے ساتھ۔ نبیؐ کے منبر سے نبیؐ کا نام لے کر کہنا چاہتا ہوں۔
مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں ملے گا جس کے پاس وہ بارہ امام ہوں جن کے نام
نبیؐ نے بتائے ہوں۔ سوائے ان بارہ اماموں کے جن کے نام میں نے پیش کئے ہیں
تو پوری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کہتی ہے اسلام میں ایک بات ایسی
ہے اگر اسے نہ مانا تو کچھ نہ مانا۔ آیت بتاتی ہے کہ وہ پیغام ہے کہ اگر اسے
نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ وہ پیغام تھا علیؑ کا مولا ہونا۔ آگے بڑھ کے شیطان
مقدمے نے وضاحت کی علیؑ کے مولا ماننے سے جنت نہیں ملے گی۔ جب
تک جیسے وہ خواہش لئے لئے نہ مانا جائے۔ غرض کہ خدا کو مانا۔ نبیؐ کو مانا۔
شریعت کے احکام کو مانا۔ اور بارہ امام کو مانا۔ علیؑ جنت کر نہیں جنت کی
کہ آگئی۔ جب مسلمان کہیں گے ہم تقریر کرتے کرتے پسینے میں ڈوب

گئے۔ ہم سنتے سنتے تھک گئے۔ اب بھی جنت کی کنجی ہاتھ میں نہیں آئی تو پھر کب
آئے گی۔ مگر میرے دوستو برا نہ مانو، تو اب بھی ہاتھ نہیں آئی۔ میں تقریر کر رہا
ہوں۔ آپ سب بیٹھے ہیں۔ میں نے سب سے کہا بیٹھے رہیں۔ جیسے ہی میں نے سب
سے کہا بیٹھیے یہاں جتنے ہیں سب کھڑے ہو جائیں۔ میں نے کہا بیٹھیے۔ سب
کھڑے ہو گئے۔ تو میں نے حل کر کہا کھڑے رہیے سب فوراً بیٹھ گئے۔ میں نے
کہا سو جایئے گا نہیں تقریر سنئے سب نے فوراً ایک دوسرے کے کاندھے پر
سر رکھا اور سونے لگے۔ میں نے سوچا میری بات کا الٹا اثر ہوتا ہے لہٰذا کہا
سب سوتے رہیں۔ سنتے ہی سب نے پٹ پٹ آنکھیں کھول دیں اب نیچے
کا لٹے میں نے کہا بیٹھے رہیے۔ آپ کھڑے رہ گئے۔ میں نے کہا کھڑے
رہیے آپ بیٹھ گئے۔ میں نے کہا سنئے۔ آپ سو گئے۔ میں نے کہا سو جایئے آپ
جاگ گئے۔ میں نے سب سے شکایت کی کہ آپ نے میری ہر بات کا الٹا
لیا۔ میری ہر بات کی مخالفت کی۔ آپ صفائی دینے لگے ہماری بات کا برا
نہ مانئے۔ آپ نے کہا کھڑے ہو جایئے۔ ہم بیٹھ گئے۔ آپ نے کہا بیٹھ جایئے ہم کھڑے
ہو گئے۔ آپ نے کہا جاگو ہم سو گئے۔ یعنی جو آپ نے کہا ہم نے اسکے خلاف الٹا کام کیا۔
برا نہ مانئے گا کیونکہ ہم آپ کو مانتے بہت ہیں۔ آپ مجھے اگر سمجھائیں گے تو
میں سمجھوں گا کہ آپ کا ماننا بیکار ہے۔ جب آپ میری بات نہیں مانتے۔ ایسا
ماننا کس کام کا۔ بلکہ اس سے نہ ماننا بہتر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر اماموں
کو ماننا ہے تو ان کی ہر بات ماننا ہوگی۔ بس طے ہو گیا کہ جو خدا کو مانے،
کو مانے، شریعت کو مانے۔ بارہ اماموں کو مانے۔ امامیوں ماننے کا ان کی

بھی مانے ان کی ہر بات کو بھی مانے جنت اس کی ہے یقیناً جو ان بارہ اماموں کو
مانے گا صرف نام نہیں مانے گا بلکہ ان کے احکام بھی مانے گا۔ جنت خود اس کی
مشتاق ہو کے آواز دے گی۔ آ، آ، میں تیرے لئے اپنی گود پھیلائے بیٹھی
ہوں۔ بس یہ ہے جنت کی کنجی جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی۔ جنت کی خبر
دی میں نے آپ کو اور بحمد اللہ شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری باتوں کو مسلسل
توجہ کے ساتھ سنا۔ میں آخر میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ یہی جنت کی کنجی ہے۔ انہیں
حقیقتاً ماننا۔ خدا سے لیکر بارہ اماموں تک کو ماننا صرف زبان سے نہیں بلکہ
ماننا دل سے نہیں بلکہ عمل سے ماننا۔ اس کے بعد جنت کہیں جا نہیں سکتی۔ اور اگر کہیں
جا سکنے کا خطرہ ہوتا۔ تو عاشور کی رات کو حسینؑ جب ساتھیوں سے کہہ رہے تھے کہ چلے
جاؤ قتل ہو جاؤ گے اگر حسینؑ کے ساتھیوں کو امامؑ جنت میں محل دکھا تو چلے جاتے انہوں نے دیکھا حسینؑ کے
بغیر جنت ملنا ہی نہیں ہے۔ تو ہم چھوڑ کر کیسے جائیں۔ حسینؑ نے کہا چلے جاؤ کہا نہ جائیں
گے۔ کہا نہ جاؤ گے قتل ہو جاؤ گے۔ کہا ہو لا مر جائیں گے مگر قدم نہ ہٹائیں گے
اچھا سنئے جنہوں نے عاشور کی رات حسینؑ سے کہا تھا کہ مولا آپ کے قدموں پہ
جان دے دیں گے مگر نہ جائیں گے۔ انہوں نے اپنا عہد پورا کیا۔ عاشور
کی صبح سے لے کر عصر عاشور تک حسینؑ کا ہر ساتھی شہید ہو گیا۔ یعنی انہوں
نے عہد پورا کر دیا۔ مگر عصر عاشور کے بعد جو حسینؑ کے اہل بیت قید ہوئے تو
انہوں نے کتنا بڑا عہد کیا۔ یعنی حبیب نے عہد کیا تھا عاشور کے روز جان دے
دوں گا۔ زہیر نے عہد کیا تھا کہ عاشور کو جان دے دوں گا۔ اکبر نے عہد کیا تھا
عاشور کے دن جان دے دوں گا۔ عباسؑ نے عہد کیا عاشور کے دن جان دے

دوں گا۔ اصغرؑ نے عہد کیا بابا عاشور کے دن گلے پہ تیر کھاؤں گا۔ لیکن سکینہؑ نے عہد کیا تھا۔ بابا جب تمہارا سر نوک نیزہ پہ ہوگا تو میں طمانچے کھاتی رہوں گی۔ بیٹا سجادؑ نے عہد کیا۔ بابا تیرے سر کے کٹنے کے بعد خیمے کے جلنے کے بعد۔ ماں بہنوں کی چادریں چھننے کے بعد بیمار سجاد دونوں کو لے کر کربلا سے کوفے سے دمشق تک جاؤں گا قید خانہ شام میں جاؤں گا۔ درباروں میں جاؤں گا۔ بازاروں میں جاؤں گا۔ دیکھئے حبیب کا معاہدہ زیادہ سخت تھا یا سید سجادؑ کا معاہدہ۔ مگر جس طرح کسی شہید نے حسینؑ کے کہنے پر بھی ساتھ نہیں چھوڑا ویسے ہی کسی اسیر نے کربلا سے لے کر قید خانہ تک نہیں کہا کہ ہم سے مصیبتیں نہیں برداشت ہوتیں۔ ہم ساتھ چھوڑے دیتے ہیں۔ ننھی سکینہؑ نے قید خانہ میں جان دے دی مگر بھیا سے کبھی یہ نہیں کہا کہ مصیبتیں برداشت نہیں ہوتیں۔ مجھے ایک چھوٹی سی روایت یاد آگئی مگر میرے بھائیو! میری بہنو! زینبؑ کی کنیزو! آل محمدؐ کے غلامو! اس چھوٹے سے واقعہ کو ذرا غور سے سُن لو۔ پھر دیکھو حسینؑ کا ماتم کیا ہوتا ہے عاشور کے دن عصر کے وقت شہیدوں کا امتحان تمام ہوا۔ اسیروں کا امتحان شروع ہوا گیارہ محرم کی رات بڑی بے چینی سے گذری۔ خیمے جل چکے تھے۔ بچے پیاس سے تڑپ تڑپ کر سو چکے تھے۔ سید سجادؑ سجدہ شکر میں تھے زینبؑ قافلے کی نگرانی کر رہی تھیں۔ گیارہ محرم کا دن کربلا میں یوں گذرا کہ سب نے دیکھا کہ ابن سعد اپنے ہر ساتھی کی میت دفن کر رہا ہے مگر حسینؑ کے کسی ساتھی کی میت نہیں دفن کی۔ میں نے ریاض القدس میں پڑھا ہے۔ مگر میرے بھائی اور میری ماں بہنو! ایسی روایت ہے کہ جب سنانے کی نیت کرتا ہوں تو سنانے سے پہلے میرا دل سینے میں بے چین ہو

جاتا ہے۔ کربلا سے یزید کا لشکر چلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سیدانیوں نے یہ دیکھا کہ شمر ملعون کچھ بے کجاوہ اونٹ لئے ہوئے آگ سے جلے خیموں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جہاں حسینؑ کے یتیم اور لاوارث عورتیں بیٹھی تھیں۔ شمر نے آکر کہا اے حسینؑ کے اہل بیت تم ہماری قید میں ہو۔ لشکر اب یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔ تم کو اونٹوں پر سوار ہونا ہے۔ قیدیو اٹھو تمہیں سوار کر دیں۔ فاطمہؑ کی غیرت دار بیٹی زینبؑ نے کہا شمر ہٹ جا ہم سیدانیاں ہیں۔ ہم رسولؐ کی نواسیاں ہیں۔ ہم فاطمہؑ کی بیٹیاں ہیں۔ ہمیں نامحرم نہیں سوار کر سکتا ہم خود سوار ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کر زینبؑ نے اونٹ بٹھلائے۔ وہ بی بی آؤ سوار کر دوں۔ لیلیٰ آؤ سوار کر دوں۔ اے ام بنینؑ تمہیں سوار کر دوں۔ پیاری سکینہؑ آؤ تمہیں سوار کر دوں۔ ایک ایک کو سوار کیا۔ آخر میں فضہ کو آواز دی۔ فضہ نے کہا شاہزادی میں خود ہی سوار ہو جاؤں گی۔ نہیں میری فضہ تجھے میری ماں کے حق کی قسم۔ آج مجھے سوار کر لینے دو۔ فضہ سوار کیا۔ سب سوار ہو گئے۔ میری شاہزادی زینبؑ اکیلی رہ گئی۔ زینبؑ کو سوار کرنے والا کوئی نہیں۔ بس ایک مرتبہ فرات کی طرف دیکھا۔ عباسؑ۔ عباسؑ۔ قتل گاہ کی طرف نظر کی اکبرؑ قاسمؑ عونؑ و محمدؑ اٹھو اے ظلمہ عالم میں زینبؑ ننگے سر کھڑی ہے کوئی سوار کرنے والا نہیں ہے مگر اب کون زندہ تھا جو زینبؑ کو سوار کرنے آتا۔ زینبؑ سوار ہو گئیں۔ قافلہ چلا۔ قتل گاہ سے گزرا۔ یہاں تک کی روایت سب کتابوں میں ملتی ہے۔ مگر اب جو سنانے جا رہا ہوں۔ اسے صاحب ریاض القدس نے لکھا ہے کہ قتل گاہ سے قافلہ تھوڑی دور چلا تھا کہ شمر ملعون اور اس کے کچھ سنگ دل ساتھی قیدیوں کے اونٹوں کی طرف آئے اور آکے یہ پوچھا کہ ہم نے

سنا ہے ان قیدیوں میں حسینؑ کی ایک بچی ہے۔ جس سے حسینؑ بہت محبت کرتے تھے۔ ہم نے سنا ہے وہ بچی باپ کے سینے پر سوتی ہے۔ بتاؤ وہ بچی کون ہے۔ جانے میں واقعہ نہیں سناؤں گا تو دنیا یہی سوچے گی کہ یہ اس لئے آگے بڑھا گئے کہ چونکہ حسینؑ بہت چاہتے تھے لہذا سکینہ کی تکلیفیں کم کر دی جائیں۔ لہذا ظالم اس لئے آگے تھے کہ باپ کی محبت کی سزا دی جائے۔ پانچ برس کی بچی کسی نے جتلایا اور پھوپھی کی گود میں چھپا کر بٹھلایا۔ یہی ہے سکینہ تو شمر لعین نے کہا بہر حال دو تین قیدی بیٹھ کر چل سکتے ہیں مگر چونکہ حسینؑ محبت کرتے تھے سکینہؑ کو لہذا ہم نے یہ کیا ہے کہ سکینہؑ اکیلی اونٹ پر بٹھلائی جائے گی۔ دشمنوں نے چہرہ سے بہنوں اور بھائی سے سکینہؑ کو چھینا بچی تڑپتی ہوئی آئی ایک اونٹ پر اکیلا بٹھلایا گیا اس لئے کہ باپ بہت محبت کرتا تھا سکینہؑ نے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کے بھیا آواز دی اماں مجھے اتار لو جب اونٹ اٹھنے لگا گھبرا کر سکینہؑ نے کہا ہائے بھیا ہائے پھوپھی اماں ہائے میری ماں ایک ظالم نے اونٹ پر بٹھلا کر ننھی ننھی کلائیاں باندھ دیں۔ اب کیسے سنبھالا گی بھائی کو۔ اب پیچھے چھوڑ دے گی ماں اور پھوپھی کو۔ سکینہؑ تڑپنے لگی۔ کسی نے کہا چھوڑ دو بچی کو یہ اکیلی نہ بیٹھ سکے گی۔ شمر لعین نے اونٹ بٹھلایا اس کی ننگی پیٹھ پر سکینہؑ کو اور رسی سے ننھی سی بچی اونٹ کی پیٹھ سے باندھ دی گئی۔ اونٹ چلا اس کی پیٹھ کی رگڑ سے ننھی سکینہؑ کا سینہ چھلنے لگا زخم بڑھنے لگا خون ٹپکنے لگا۔ اونٹ کی گردن سے رنگین ہو گئی۔ بچی سسک کے کہہ رہی تھی ارے بابا آپ سینے پر سلاتے تھے۔ آج میرا سینہ چھلنی ہے۔ تمہارے بعد کوئی مجھ پر رحم کرنے والا نہیں ہے۔

باسمہ سبحانہ

مجلس ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ الخ۔ قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ میں یہ ذکر ہے کہ گمراہی میں گھرے ہوئے انسانوں کی ہدایت کے لئے خداوند عالم نے حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلعم کو بھیجا اور اسکو نبی بنا بھیجا جس نے دنیا کے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ جو صرف اللہ کی بارگاہ سے علم لے کر آیا۔ اس نے انسانوں کو گمراہیوں سے نکالا۔ گمراہیوں سے نکالنے کے ذریعے یہ تھے کہ آیتوں کی تلاوت کرتا تھا پیغمبرؐ کتاب حکمت کی تعلیم دیتا تھا پیغمبرؐ۔ اور انسان کے نفسوں کو پاک کرتا تھا پیغمبرؐ۔ یہ آیۂ کریمہ کے الفاظ کا خلاصہ ہے جو آپ کے سامنے روز پیش کیا کرتا ہوں۔ اب تک میں نے آپ کے سامنے کہا ہے کہ حضور سرور کائنات نے خدا آخرت وجنت پر یقین کے ذریعے۔ انسان کو برائی چھوڑنے اور نیکی کی طرف بڑھنے کا سبق دیا اور تحریک خیر پیدا کی۔ کل میں نے آپ کے سامنے ان عقائد کی تشریح کی جن کے ذریعے جنت کے دروازے تک پہنچنا یقینی ہے آج کی تقریر میں جو کچھ مجھے کہنا ہے۔ وہ درحقیقت کل والی تقریر سے ایک پیدا شدہ سوال کا جواب ہے۔ آغاز کلام یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ تشریف لائے اور تشریف

لانے کے بعد چالیس سال تک خاموش زندگی بسر کی۔ چالیس سال زندگی کی راہ طے کرنے کے بعد۔ پروردگار عالم کی طرف سے حکم ہوا کہ اب تبلیغ شروع کرو پوشیدہ تبلیغ کرو۔ چنانچہ تاریخ اور تفسیر کی ساری کتابیں متفق ہیں اس بات کر پیغمبرؐ نے تین سال تک پوشیدہ تبلیغ کی۔ تین سال کے بعد پیغمبرؐ پر آیت نازل ہوئی کہ اب کھل کر تبلیغ کرو۔ اگر کسی کو کتاب پڑھنے کا موقع نہیں ہے تو وہ صرف یہ آیت پڑھے تو کھل جاؤ کا لفظ خود بتلائے گا کہ اس کے پہلے پردا تھی کہ کھلا نہیں۔ معلوم ہوا کہ دین کا جب آغاز ہوتا ہے۔ تو حق ظاہر ہو کر رہتا ہے مگر چھپا چھپا سے۔ اگر کسی مسلمان کی جان جاتی ہو اور وہ حق کو ظاہر نہ کرے تو اس کے پاس بھی سند ہوگی۔ کہ جس طرح حضورؐ آغاز تبلیغ میں بھی سے حق چھپا لیتے تھے اسی طرح اگر مجبوراً اظہار حق نہ کریں تو معذور ہو جائیں گے ایک مسئلہ مسلمانوں میں زیر بحث آیا کرتا ہے جس کا نام تقیہ ہے جس نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ جب پیغمبرؐ کو تین سال تک خاموشی اور پوشیدہ تبلیغ کا حکم دیا جا سکتا ہے تو ہر ایک مسلمان کو خطرہ سے بچنے کے لیے تقیہ کا حکم مل سکتا ہے۔ غرض کہ تین سال کی پوشیدہ تبلیغ کے بعد حکم ہوا کہ اے پیغمبر کھل کے تبلیغ اور سب سے پہلے اپنے قریبی عزیزوں میں تبلیغ کرو۔ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صؐ نے مولائے کائنات امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب سے کہا۔ علیؑ کا سن اس وقت تیرہ سال تھا۔ پیغمبرؐ نے جب تبلیغ شروع کی تھی تو علیؑ دس سال کے تھے۔ تین سال کی پوشیدہ تبلیغ کے بعد جناب جو علی الاعلان تبلیغ شروع ہوئی۔ تو علیؑ کی زندگی تیرہ سال کی تھی۔ غرض کہ حضورؐ نے کہا۔ علیؑ جاؤ

بنی عبد المطلب میں جتنے مرد ہیں سب کو دعوت دے آؤ۔ کہ کل عبد اللہ کے بیٹے
محمدؐ نے بلایا ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ علیؑ گئے اور جا کے دعوت دے آئے۔
دوسرے دن علیؑ کی دعوت پر، نبیؐ کے دسترخوان پہ جو بنی عبد المطلب جمع
ہوئے ان کی تعداد چالیسؓ تھی۔ پیغمبرؐ سے جب آ کے علیؑ نے کہا میں سب کو
دعوت دے آیا۔ کہا علیؑ جب دعوت دے آئے ہو تو کھانے کا انتظام بھی کرو۔
مولاؑ نے ایک پیالہ میں دودھ، سوا تین سیر گیہوں اور بکری کی ایک ران فراہم
کی۔ میں ایک مرتبہ اس تفصیل کو بیان کر رہا تھا تو میرے ایک دوست نے
کہا کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ کھانا بہت تھوڑا تھا۔ تو یہ نہیں سوچتے کہ عرب میں
پیالے بہت بڑے ہوا کرتے تھے۔ تو میں نے کہا بندۂ پرور یہ بھی تو یاد رکھیں
کہ عرب میں پیالہ بڑا ہوتا تھا تو کھانے والوں کے معدے بھی بڑے ہوتے
تھے۔ غرض کہ علیؑ نے انتظام کیا پیغمبرؐ کے حکم کے بعد۔ مجمع آیا۔ پیغمبرؐ نے کہا
ٹھہرو، پہلے خود نوش فرمایا۔ پھر اس کے بعد فرمایا بسم اللہ۔ ساری تاریخوں کا
تصور یہ ہے کہ کھانا اتنا تھا کہ ایک عرب اکیلا کھا کے ختم کر دیتا۔ مگر چالیسؓ
کے چالیسوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ اور کھانا بچ رہا۔ اب پیغمبرؐ نے کہا میں
کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تو پیغمبرؐ کے کہنے سے پہلے ابولہب بولے۔ ان کی بات مت
سنو اس لئے کہ تم نے ابھی دیکھا کہ تھوڑے کھانے میں سب کو کھلا دیا۔ یہ جادوگر
معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بات سنو گے تو تمہارے دل و دماغ پہ اثر ہو جائے
گا۔ میں سمجھاؤں، مجمع سے بات کہہ رہا ہوں اس لئے ایک لفظ سنئے سوچئے
کہ پیغمبرؐ نے ابھی تبلیغ شروع نہیں کی مگر ابولہب کہتے تھے ان کی بات مت

سنو معلوم ہوا حق جب سنا جاتا ہے تو باطل کی طرف سے بات نہیں سننے دیا جاتا ہے۔ کل بھی روکا گیا تھا کہ نبی کی بات نہ سنو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ آج بھی جو مذہب اپنی کمزوری محسوس کرتا ہے وہ تقریر سننے سے منع کرتا کہ سننے نہ جاؤ۔ ورنہ بہک جاؤ گے۔ بیچارا تو تقریر سننے سے منع کرنا محمد کا ہے یا ابو لہب کا دات۔ مجمع اٹھ کھڑا ہوا جانے والے چلے گئے۔ مگر پیغمبر پریشان نہیں ہوئے۔ جو ایک ہی دن میں تبلیغ میں رنجیدہ ہو جاتا وہ کائنات کا نبی کیا تھا۔ پھر علی کو بلا کر پھر دعوت دے آؤ۔ علی نے جا کے پھر دعوت دی۔ دوسرے دن پھر آئے اور کھانے کا وہی انتظام تھا۔ بعض لوگ ترمیم پیش کیا کرتے ہیں کہ ضرورت ہے کہ مجلس ہوں۔ میلاد ہوں۔ سیرت نبی کے جلسے ہوں اور اس میں تبرک تقسیم کیا جائے۔ اسے تو یتیموں پر خرچ کرنا چاہیے۔ بیواؤں کے کام میں لایا جائے۔ مجلس میں اگر تبرک نہ بانٹا جائے تو بڑا اتنا مجمع ہو جائے اس سے سرت آنا چاہتا ہے کہ یہاں آئیے اور دیکھئے پیغمبر پہلے دن تبلیغ کر رہے ہیں۔ مگر سننے والوں کو بعد میں بلایا پہلے ان کو کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ اب سوچو مجلس کا تبرک یہ سنت نبوی ہے یا نہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہو پہلے دن ابو لہب نے سننے نہ دیا۔ مگر پیغمبر نے جب دوسرے دن بلایا مجمع پھر گیا۔ اب اگر خالی تقریر ہوتی تو نہ آتے۔ اس لیے کہ تقریر تو کل بھی سننے پر تیار نہ تھے۔ پیغمبر نے پھر بلایا۔ پھر اسی طرح تھوڑے سے کھانے کو چکھا۔ اور کہا بسم اللہ سب نے کھایا پھر نیچا دیا۔ اب پیغمبر کھڑے ہوئے۔ کہا تمہارے سامنے خیر دنیا و آخرت پیش کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اور اس کے بعد پیغمبر

نے کہا یہ بُت خدا نہیں ہیں۔ خدا وہ ہے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ جس نے مجھے رسولؐ بنا کر بھیجا۔ پیغمبرؐ نے کہا وہ خدا جس نے مجھے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے اس کا حکم ہے کہ میں دنیا میں تبلیغ کر کے انسانوں کو برائی سے بچاؤں۔ اتنا پیغام پہنچا کے پیغمبرؐ نے یہ نہیں کہا کہ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو ایمان لاتا ہے۔ پیغمبرؐ پہلے دن اسلام پیش کر رہے ہیں مگر جس مجمع کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس سے یہ نہیں کہتے کہ تم میں سے مسلمان کون ہوتا ہے۔ بلکہ پیغمبرؐ کہتے ہیں کہ تم میں سے وہ کون ہے جو میرا مددگار بنے، میرا وزیر بنے میرا بوجھ بٹائے۔ اے پیغمبرؐ ابھی آپ کا کسی نے کلمہ پڑھا نہیں۔ مددگار کیسے بنے گا۔ تو اگر اس بزم میں کوئی اس تقریر سے پہلے مسلمان نہ ہوتا تو پیغمبرؐ کو یہ کہنے کا موقع ہی نہ ہوتا معلوم ہوا کچھ ایسے فرد ہیں جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آج کے بعد دوسرے لوگ مسلمان ہونا شروع ہوں گے۔ تو اب فہرست بنانا۔ کون پہلے مسلمان ہوا اور کون بعد میں مسلمان ہوا۔ فہرست آگے دن کے بعد والوں کی بنے گی مگر آج جو اٹھے گا وہ اس فہرست سے الگ ہوگا۔ وہ ہمیشہ کا مسلمان ہوگا۔ غرضکہ پیغمبرؐ نے کہا تم میں وہ کون ہے جو میرا مددگار بنے۔ اور پیغمبرؐ نے صرف مدد نہیں مانگی۔ بلکہ صلہ دینے کا وعدہ کیا۔ ابوالفدا میں پڑھئے، تاریخ کامل میں پڑھئے، تفسیروں میں پڑھئے اس میں آپ کو لکھا ملے گا۔ پیغمبرؐ نے کہا کون ہے تم میں سے جو میرا مددگار بنے، اور جو میرا مددگار ہوگا وہ میرا بھائی ہوگا۔ میرا وصی ہوگا۔ میرا خلیفہ ہوگا۔ اس کی اطاعت تم پر واجب ہوگی۔ پورے مجمع میں ہر ایک کو حق تھا کہ وہ اُٹھ کر کہتا پیغمبرؐ میں مدد کا وعدہ کرتا ہوں۔ پیغمبرؐ کو کہنا پڑتا کہ میری مدد کا

وعدہ کیا ہے تو یہ بھائی ہے میرا، یہ وصی ہے میرا، یہ خلیفہ ہے میرا، اس کی اطاعت واجب ہے تم پر۔ سب ہی بیٹھے تھے مگر کوئی نہ اٹھا۔ حضرت تیرہ برس کے کمسن علیؑ اٹھے۔ پیغمبرؐ میرا سن تیرہ برس کا ہے۔ میری پنڈلیاں پتلی ہیں میرا قد چھوٹا ہے۔ میری عمر کمسنی کی ہے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ دنیا کہتی ہے۔ علیؑ نے بچپن میں کہہ دیا، اور بچپنے کی بات کا کیا اعتبار۔ تو میں اس دنیا سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ آج تیرہ سو سال کے بعد آپ کو علیؑ کے بچپنے کا احساس ہو رہا ہے۔ کل پیغمبرؐ کے سامنے جب بچپنا موجود تھا۔ تب پیغمبرؐ نے نہیں کہا۔ کہ علیؑ تم بیٹھ جاؤ تم بچے ہو تم سے ذمہ داری پوری نہیں ہو سکتی۔ حسنینؑ کے سامنے یہ چھوٹے چھوٹے بچے بیٹھے تب۔ اس میں آٹھ برس کا بچہ اٹھ کے کہے "سبحان اللہ" "مولا" کیا تقریر کی ہے آپ نے۔ تو یہ چھوٹوں کا بچوں تمہاری تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بیٹھو۔ تو ہماری بزموں میں بچے اٹھتے ہیں تو بٹھلا دیئے جاتے ہیں۔ اگر علیؑ کا بچپنا بھی عام بچوں جیسا ہوتا تو پیغمبرؐ کہہ دیتے کہ علیؑ بیٹھ جاؤ۔ مگر جس کے بچپنے پر نبیؐ اعتبار کرے اس کے بچپنے پر مسلمان نہ اعتبار کرے۔ یہ کیسے ممکن ہے اچھا تو بات مکمل ہو جائے۔ نبیؐ نے کہا تھا جو میرا مددگار ہوگا۔ وہ میرا بھائی ہوگا۔ وصی ہوگا خلیفہ ہوگا۔ اس کی اطاعت واجب ہوگی۔ علیؑ نے کہا میں مدد کا وعدہ کرتا ہوں۔ نبیؐ چپ ہو جاتے تو میں سمجھ لیتا کہ علیؑ نے مدد کی پیشکش کی مگر نبیؐ نے قبول نہیں کیا تب ہی تو چپ ہو گئے۔ نبیؐ جانتے تھے کل میری خاموشی کے معنی پہنائے جائیں گے۔ کہ علیؑ کی مدد کو نبیؐ نے قبول نہیں کیا۔ تب ہی

تو چپ ہو گئے۔ واہ رے علم غیب کے رکھنے والے پیغمبرؐ تم جانتے تھے کل امت
کے دماغ میں سوالات کیسے ابھریں گے۔ لہذا وہ راستہ بند کر دیا۔ جہاں
سے شبہات پیدا ہوں۔ جب تیرہ برس کے علیؑ نے کہا رسول اللہ کی مدد کا
وعدہ میں کرتا ہوں تو پیغمبرؐ نے علیؑ کو بلا کے علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر مجمع کے
آگے کھڑا کر کے کہا۔ انھوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ لہذا یہ میرے بھائی ہیں۔ یہ
میرے وزیر ہیں۔ یہ میرے وصی ہیں یہ میرے خلیفہ ہیں۔ ان کی اطاعت تم پر
واجب ہے۔ نبیؐ کی بات لوگ سمجھے یا نہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے
کہ پیغمبرؐ نے جیسے ہی تقریر ختم کی ویسے ہی کل والے ابولہب بھڑک اٹھے۔ مگر
انھوں نے نبیؐ سے نہیں کہا۔ بلکہ جناب ابو طالب سے کہا کہ لو اپنے بیٹےؑ کی اطاعت
معلوم ہوا نبیؐ کی بات سب سمجھے۔

مسئلہ اور واضح ہوا کہ اگر ابو طالب مومن نہیں تھے معاذ اللہ کافر تھے۔
جیسا کہ بعض مسلمان کہتے ہیں نبیؐ کے باپ ایمان نہیں لائے کافر تھے۔
تو جب ابولہب نے کہا تھا کہ لو بیٹے کی اطاعت۔ تو ابو طالب برجستہ کہہ
دیتے میں ان کو نبی ہی کب مانتا ہوں۔ جو ان کے کہنے پر بیٹے کی اطاعت
کروں گا۔ مگر ابولہب کا طعنہ دینا، ابو طالب کا کہنا میرا بھتیجا جو کچھ کہتا ہے
خیر کہتا ہے اس بات کا اعلان تھا کہ میں ان کو نبی مانتا ہوں۔ اب سوچئے ابولہب کی
نظر میں تو ابو طالب مومن ٹھہرے۔ مگر مسلمان کی نظر میں ابو طالب کافر ٹھہرے
اب اس کفر کو اچھا مانا یا اسلام کو۔ میں نے یہ ساری داستان آپ کے
سامنے اتنی تفصیل کے ساتھ کیوں سنائی۔ اس لئے سنائی کہ کل میں نے آپ کے

سامنے اپنی تقریر میں جنت جانے والے فرقے کی نشان دہی کی تھی کہ جنت میں وہ پہونچے گا جو حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد مولائے کائنات کو اپنا مولا مانے گا۔ اور ان کے بعد گیارہ اماموں کو مانے گا۔ اور ان کی باتوں پر عمل بھی کرے۔ مگر آپ نے جب کل تقریر ختم کی تو ہر اس مسلمان کے دل میں جو تاریخ خلافت کا ماننے والا ہے ایک سوال خود بخود پیدا ہوا کہ پیغمبرؐ نے جب دنیا سے انتقال کیا تو کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ مسئلہ خلافت نبیؐ نے طے نہیں کیا۔ اُمت پر چھوڑ گئے کہ جسے چاہیں اپنی رائے سے منتخب کرلیں اور لوگ اپنی رائے سے خلیفہ منتخب کرتے رہے اور خلیفہ بناتے رہے۔
میں نے بیان کیا کہ جنت جانے کا راستہ یہ ہے کہ نبیؐ کی زندگی میں علیؑ کو ان کا جانشین مان لے۔ دونوں باتوں میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔ میں یہ ساری محنت اپنے ان مسلمان بھائیوں کے لیے کر رہا ہوں جن کو باور کرایا گیا ہے کہ پیغمبرؐ نے مسئلہ خلافت امت کے حوالے کیا تھا۔ لہٰذا جسے امت منتخب کر لے اُسے خلیفہ ہونا چاہئے۔ اور اسی کو مان کر ہم جنت میں پہونچیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ نبیؐ اپنی موت کے وقت مسئلہ خلافت کو امت کے حوالے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اسی مقصد کے لیے میں نے کل آپ کے سامنے تفسیروں، حدیثوں، تاریخوں میں لکھے ہوئے واقعہ کی اتنی تفصیل سنائی۔ واقعہ آپ کے ذہن میں ہے کہ جب حضورؐ کو حکم خدا ہوا کہ اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ۔ اور پیغمبرؐ نے ذو العشیرہ کی دعوت کی۔ اور اس پہلے تبلیغی اجتماع میں آپ نے مدد کا وعدہ مانگا اور پورے مجمع سے صرف حضرت علیؑ آپ کی مدد کے لئے تیار ہوئے چونکہ نبیؐ نے کہا تھا جو مدد کا وعدہ

کہے گا وہ بھائی ہوگا، وہ وصی ہوگا، وہ خلیفہ ہوگا۔ اس کی اطاعت واجب ہوگی۔ جب علیؑ نے کہا میں مدد کا وعدہ کرتا ہوں تو پیغمبرؐ نے کہا علیؑ نے مدد کا وعدہ کیا ہے لہذا یہ میرے وصی ہیں۔ میرے بھائی ہیں۔ یہ میرے خلیفہ ہیں۔ ان کی اطاعت تم پر واجب ہے۔ دعوت ذوالعشیرہ میں نبیؐ و علیؑ کے درمیان ایک معاملت طے ہوگئی۔ جس طرح میں آپ کی دوکان پر جاتا ہوں، مال پسند کرتا ہوں، آپ قیمت بتاتے ہیں۔ میں راضی ہوتا ہوں۔ آپ مال میرے حوالے کرتے ہیں قیمت میں آپ کے حوالے کردیتا ہوں۔ اب آپ کو حق نہیں کہ مجھ سے مال واپس لے سکیں یا میں قیمت واپس لے سکوں۔ لہذا جب مدد کے وعدہ پر حضورؐ علیؑ کے بھائی، خلیفہ، وصی، وزیر ہونے کا اعلان کر چکے تو اب یہ معاملہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ مسئلہ کی اہمیت میں دو باتوں کو پیش نظر رکھیں۔ پہلی بات یہ کہ معاملہ بانی اسلام اور ایک مسلمان کے درمیان ہے لہذا اگر ذرا بھی ایفاء وعدہ میں کمی ہوئی تو نبیؐ کی ساکھ باقی نہ رہے گی جس کے بعد مذہب پر اعتماد نہ رہے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاملہ آغاز تبلیغ کے موقع کا ہے، اگر ایفاء وعدہ نہ ہوا تو تبلیغ کا سلسلہ رک جائے گا۔ اس معاملہ کے ختم ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ علیؑ حسب وعدہ مدد نہ کریں تو نبیؐ کو حق ہوگا کہ دوسرے کو خلیفہ بنا دیں یا امت کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق دے جائیں۔ آیئے پہلے میں آپ کے سامنے تاریخ اسلام کا جائزہ پیش کروں کہ کیا ذوالعشیرہ کی دعوت میں مدد کا وعدہ کرنے والا علیؑ اپنے وعدہ کو نبھاتا ہے یا نہیں۔ جب اس جائزہ کو پیش کروں گا تو دنیا یہ محسوس کرے گی کہ کسی معاہدہ کرنے والے نے اپنے معاہدہ کو اس طرح نہیں پورا کیا جس طرح

علیؑ نے اپنا معاہدہ پورا کیا۔ تاریخ کی تفصیل نہیں اجمال پیش کروں گا۔ کھینچی ہوئی
تلواروں میں شب ہجرت کی رات علیؑ کیوں لیٹ رہے۔ میں نے مولا سے پوچھا آپ اپنی
جان کو خطرے میں کیوں ڈال رہے ہیں نبیؐ کے ساتھ چلے جائیے۔ علیؑ جواب دیتے
کل ذوالعشیرہ میں مدد کا وعدہ کر چکا اور آج مدد یہی ہے کہ اپنے کو خطرہ میں ڈال
کر بستر نبیؐ پر لیٹ رہوں، لہذا میں حسب وعدہ لیٹنے پر مجبور ہوں۔ احد سے سب
مسلمان چلے جائیں گے مگر علیؑ کے قدم نہیں ہٹیں گے۔ علیؑ سے پوچھئے کیوں
نہیں گئے۔ جواب ملے گا میں نبیؐ کی آواز پر ذوالعشیرہ میں ہاں کر چکا ہوں اسے
نہیں توڑ سکتا۔ غرض کہ نبیؐ سے جو ہاں کی تھی اس ہاں کو زندگی کے آخری لمحے تک نبھایا
اس نباہنے کے جو اثرات پیدا ہوئے اس کا خلاصہ ابھی پیش کروں گا۔ لیکن ایک
وقت اور یاد دلا دوں۔ نبیؐ کی مدد کا وعدہ کرنے والے علیؑ کے سامنے ایک ایسا
موقع آتا ہے۔ جب نبیؐ بھی کہتے ہیں کہ نام کاٹ دو تو علیؑ نہیں کاٹتے۔
صلح حدیبیہ کا عہد نامہ لکھا جا رہا ہے۔ مکے کا وکیل سہیل موجود ہے۔ نبیؐ نے
علیؑ سے کہا لکھو یہ صلح کی محمدؐ اللہ کے رسول نے مکے کے وکیل سہیل نے کہا تمہیں
جو ہم رسول اللہ مانتے ہوتے تو لڑتے کیوں۔ لہذا محمدؐ ابن عبداللہ لکھ سکتے ہو
رسول اللہ نہیں لکھ سکتے۔ نبیؐ نے کہا۔ علیؑ کاٹ دو۔ علیؑ نے قلم اور دوات
اٹھا کر نبیؐ کے سامنے رکھ دیا۔ رسولؐ آپ کاٹ سکتے ہیں۔ میں نہیں کاٹ
سکتا رسول اللہ کا لفظ کیونکہ کل ذوالعشیرہ کی دعوت میں آپ کی رسالت کی
مدد کا وعدہ کر چکا ہوں۔ بات کو پھر دہراؤں اس مسئلے کو سمجھانے کے لئے
آپ کا ایک مکان ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے یہ میرا مکان ہے۔ آپ نے

کورٹ میں مقدمہ دائر کیا۔ یہ میرا مکان ہے۔ اور میرے سامنے آپ نے مکان بنایا ہے۔ لہٰذا میں گواہ ہوں۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ مکان میرا۔ اللہ میں آپ کا گواہ ہوں۔ عدالت نے کہا گواہ پیش کرو۔ گواہی میں آپ نے مجھے پیش کیا تو میں نے کہا ہاں یہ مکان ان کا ہے۔ آگے آپس میں مصالحت ہوئی۔ یہ طے ہوا کہ آپ سے اپنا مقدمہ واپس لے لیں تو آپ عدالت کو یہ درخواست دے سکتے ہیں کہ یہ مقدمہ میں نہیں لڑنا چاہتا۔ تو جس نے دعویٰ دائر کیا ہے تو اپنا دعویٰ تو واپس لے سکتا ہے۔ لیکن میں نے جو کل گواہی دی ہے کہ مکان آپ کا ہے۔ میں گواہی واپس نہیں لے سکتا۔ معلوم ہوا دعویٰ کرنے والا دعویٰ واپس لے سکتا ہے گواہ اپنی گواہی واپس نہیں لے سکتا۔ علیؑ نے کاغذ قلم دوات رکھ کر کہا۔ حضور آپ دعویدار رسالت ہیں آپ اپنا دعویٰ واپس لے سکتے ہیں۔ میں تو گواہ ہوں گواہ نہیں بدلا کرتا۔ صلوٰۃ۔ پوری زندگی علیؑ نے نبیؐ کی مدد میں گزاری۔ عبیداللہ امرتسری جو شیعہ نہیں ہیں۔ انھوں نے سارے علمائے اہلسنت کی کتابوں سے جمع کرکے حضرت علیؑ کی سوانح عمری لکھی ہے۔ ارجح المطالب۔ ذوالعشیرہ کی ایک بات کا ذکر کہاں تک پہنچا ہے وہ سنانا چاہتا ہوں: ارجح المطالب میں عبیداللہ امرتسری مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالبؑ کی وفات کے موقع پہ لکھتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے میرے شاہزادے یعنی امام حسنؑ سے وصیت کی۔ دیکھو مجھے دفن کرنا مگر دفن کرنے کے بعد میری قبر کا نشان مٹا دینا۔ شاہزادے نے پوچھا کہ بابا یہ قبر چھپانے کی وصیت کیوں کر رہے ہیں۔ کہا بیٹا تمھیں معلوم ہے میں نے کل نبیؐ سے ذوالعشیرہ میں مدد کا وعدہ کیا تھا اس ایک بات کے نتیجے

تھا۔ میں نے اسلام اور اسلام کے نبی محمد مصطفیٰؐ کی مدد نازک موقع پر کی یہاں تک کہ جب دشمن نے حملے کیے تو میں تلوار لے کر بھی نکلا۔ تو بیٹو میں نے اسلام کی مدد میں دس ہزار آدمی قتل کیے ہیں۔ میں مسلمانوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کس لیے قتل کیے علیؑ نے دس ہزار آدمی۔ تاج کے لیے قتل کیے۔ تخت کے لیے دولت کے لیے قتل کیے۔ خاندانی رقابت کے لیے قتل کیے۔ ہر مسلمان سمجھے گا کہ نہیں نبیؐ سے اسلام کی مدد کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس مدد کے وعدہ کے نبھانے کے لیے دس ہزار آدمی قتل کیے۔ یہ دس ہزار آدمی نہیں قتل کیے بلکہ دس ہزار آدمی قتل کر کے علیؑ نے بتایا کہ میں نے ذوالعشیرہ کے معاہدہ پر دس ہزار مرتبہ عمل کیا۔ جب دشمن سامنے آیا۔ میں نے تلوار چلائی اس لیے کہ نبیؐ سے عہد کر لیا تھا۔ تو کہا بیٹو میں نے دس ہزار آدمی اسلام کی مدد کی بناء پر قتل کیے ہیں تو مجھے خطرہ ہے کہ جن کے عزیز قتل ہوئے ہیں وہ میری لاش نکال کر توہین کریں گے لہذا بیٹو نشان قبر مٹا دینا۔ معلوم ہوا آپ علیؑ کے ہاتھ سے اسلام کی مدد میں جو لوگ قتل ہوئے ہیں۔ اگر ہر قتل ہونے والے کے عزیز اور دوست دس ہی دس ہوں تو ذرا میرے دوستو حساب تو لگاؤ کہ جب دس ہزار آدمی قتل کیے اور ہر قتل ہونے والے کے ہمدرد اور عزیز دس ہوں تو اس کے معنی ہیں علیؑ نے مرتے دم تک اپنے لیے ایک لاکھ دشمن پیدا کیے۔ میرے مولا علیؑ آپ دنیا سے ایک لاکھ دشمن پیدا کر کے کیوں جا رہے ہیں۔ کہا مجھے کوئی رنج نہیں اس لیے کہ کل ذوالعشیرہ کی دعوت میں میں نے ایک ہاں کی تھی۔ اس کے نتیجہ میں میں نے ایک لاکھ دشمن پیدا کیے۔ تو یہ علیؑ کے ایک لاکھ دشمن نہیں ہیں۔

معاویہ پر علیؑ کے عمل کرنے کے لیے ایک لاکھ گواہ ہیں۔ کہ اگر علیؑ نے عمل نہ کیا ہوتا تو
ایک لاکھ دشمن گواہ نہ ہوتے۔ علیؑ کی قبر کا نشان چھپا گیا۔ سنہ ۴۰ھ میں علیؑ
شہید ہوئے دفن کیے گئے۔ اس کے بعد بنی امیہ کی سلطنتیں قائم ہوئیں۔
یزید اور اس کے باپ کی حکومت کے بعد مروان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس
مروان کی نسل میں بارہ بادشاہتیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کی حکومت ختم
ہوگئی۔ بنی عباس کی حکومت شروع ہوئی۔ ان کا پہلا خلیفہ ابراہیم سفاح اور دوسرا
خلیفہ منصور، تیسرا خلیفہ ہادی و مہدی، چوتھے اور پانچویں خلیفہ جب یہ پانچ
بنی عباس کے خلیفہ گزر چکے تب سنہ ۱۷۰ھ میں ہارون رشید خلیفہ بنا۔ یعنی
چودہ حکومتیں بنی امیہ کی گزر گئیں اور چھ حکومتیں بنی عباس کی گزر گئیں۔ سنہ ۴۰ھ
سے کر اب تک تقریباً ایک سو پچاس سال کا زمانہ گزرا۔ دنیا نہیں جانتی علیؑ
کہاں دفن ہیں۔ میں نہیں بحث کرتا علیؑ پہلے خلیفہ تھے یا چوتھے۔ مگر یہ تو بتا
دو کیسی مسلمان دنیا تھی جس کو ڈیڑھ سو سال تک فکر نہ ہوئی کہ جانے خلیفہ کی
قبر کہاں۔ ڈیڑھ سو سال تک دنیا نہیں جانتی علیؑ کی قبر کہاں ہے۔
یہاں تک کہ ان بیسوں حکومتوں کے بعد۔ ہارون رشید کے عہد
میں علیؑ کی قبر کا پتہ چلتا ہے۔ اور وہ بھی کیسے۔ تفصیل سنیے۔ ہارون رشید
شکار کھیلنے نکلتا ہے اپنے ساتھ سکھائے ہوئے کتے لے کر جاتا ہے۔
ایک جنگل میں ہرن نظر آتے ہیں۔ شکاری کتے ہرن کے پیچھے چھوڑتا ہے۔
ہرن کتے دیکھ کر بھاگتے ہیں۔ کتے پیچھا کرتے ہیں۔ ہرن جان بچانے کے لیے
ایک ٹیلہ پر چڑھ جاتے ہیں۔ کتوں نے اس ٹیلہ پر قدم نہیں رکھے۔ شکاری

چاروں طرف گردش کرتے رہے مگر ہرنوں تک نہیں لگے۔ ہارون رشید سمجھا کوئی اتفاق ہے۔ کتوں کو بلایا۔ جب ہرن مطمئن ہوئے پھر اس ٹیلے سے اتر گئے۔ موقع دیکھ کر ہارون رشید نے پھر شکاری کتوں کو شکار کے لئے چھوڑا۔ ٹیلے پر ہرن تو چڑھ گئے مگر کتے نہیں چڑھے۔ ہارون کے دل کو یقین ہوا کہ یقیناً یہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی محترم ہستی ہے۔ جس کی وجہ سے نجس جانور اس جگہ قدم نہیں رکھتے۔ حالانکہ کتے انسانوں کو آوازیں دیتے تھے کہ ہم جس جگہ کے اہل نہیں ہیں وہاں قدم نہیں رکھتے اور انسان نااہلی کے باوجود جا بیٹھتا ہے۔

ہارون رشید خلیفہ وقت تھا اس نے چاروں طرف ایک ایک گاؤں میں پوچھنا شروع کیا۔ یہ ٹیلہ کیا ہے۔ بڑی مشکل سے ایک بوڑھا آدمی ملا اور اس نے کہا تو پہلے لکھ دے کہ میری جان محفوظ رہے گی تب میں بتاؤں کہ ٹیلہ کیا ہے۔ علیؑ کے خلاف دشمن ماحول کتنا مضبوط تھا کہ علیؑ کی وفات کے تقریباً سو سال کے بعد بھی جب قبر بتانے کا وقت آتا ہے تو قبر بتانے والا اپنے لئے جان کا خطرہ محسوس کرتا ہے۔ سوچئے علیؑ کی قبر بتانے والے کے لئے جب جان کا خطرہ ہے تو علیؑ کے لئے کتنا بڑا خطرہ ہوگا۔ خلیفہ ہارون رشید نے کہا میں ہی خلیفہ ہوں میں ہی بادشاہ ہوں جان کی امان کا وعدہ کرتا ہوں تو اس نے کہا خلیفہ یہ ٹیلہ نہیں ہے۔ یہ رسولؐ کے چچا زاد بھائی علیؑ ابن ابی طالب کی قبر مطہر ہے۔ ہرن چونکہ پاک جانور تھے وہاں جا سکتے تھے۔ کتا چونکہ نجس جانور ہے لہذا اس محترم جگہ پہ قدم نہیں رکھ سکتا۔

اب تو دنیا نہ کہے گی زمین زمین سب برابر ہیں۔ جانوروں نے بتایا سب برابر نہیں ہے
جہاں کوئی پاکیزہ دفن ہو جائے وہ زمین بلند مرتبہ ہو جاتی ہے۔ کہ تم پاک اولاد و
زمین پاک جہاں تم دفن ہوئے۔ صلوٰۃ۔ اگلے چند جملے کہنا باقی ہیں تاکہ میں یہ بتا
سکوں کہ علیؑ ابن ابی طالب نے جو نبیؐ کے سامنے ایک بار کہہ دی تھی اس کے
نتیجے کیا نکلے کہ دس ہزار آدمیوں سے لڑنا پڑا۔ کم سے کم ایک لاکھ دشمن پیدا
کئے علیؑ نے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علیؑ نے اپنے خلاف ایسا دشمن ماحول پیدا کیا کہ
قبر کا نشان چھپانے کی وصیت کی۔ اس کے بعد اولاد علیؑ قتل ہوتی رہی۔
ایک دو سال نہیں۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے سات سو سال کے دورِ حکومت
میں علیؑ کی اولاد کو چین نصیب نہیں ہوا۔ گھروں میں نہیں رہ سکتے تھے۔ غاروں میں
رہتے تھے۔ مسجدیں بنتی تھیں تو علیؑ اور فاطمہؑ کی نسل کے جوان ڈھونڈے جاتے
تھے۔ تاکہ ان کو دیواروں میں ستونوں میں چنا جائے۔ بتاؤ یہ جوان جو پکڑا جا
رہا تھا اس سے دشمنی نہیں تھی۔ دشمنی علیؑ سے تھی اور یہ اولاد علیؑ سے تھا
لہٰذا اس سے دشمنی تھی کہ علیؑ کی نسل کے ایک ایک ذرہ سے عداوت تھی۔
رسولؐ کی مدد کی وجہ سے علیؑ کو زندگی بھر زحمتوں کا سامنا رہا۔ اسی مدد کے
نتائج نے حسنؑ کو زہر دلوایا۔ حسینؑ کو کربلا میں شہید کرایا۔ نسل علیؑ کو قتل
کرایا۔ نسل علیؑ کے جوانوں کو دیواروں میں چنوا دیا۔ علیؑ کی نسل کے جوانوں کا
خون گارے میں شامل کیا گیا۔ میں کچھ نہیں کہتا۔ مسلمان دیانتداری کے
ساتھ اگر تاریخ کا جائزہ لینا چاہتا ہے تو میں یاد دلاتا ہوں۔ پاکستان میں
سندھ میں امام باڑہ جلایا گیا تھا۔ مجھے بتاؤ یہ امام باڑہ کیوں جلایا گیا تھا۔

جو اس میں جلنے تھے وہ کیوں جلائے گئے تھے۔ کیا ان سے کوئی عداوت تھی؟ نہیں
ان سے کوئی عداوت نہیں تھی۔ امام باڑے سے عداوت نہیں تھی۔ عداوت اس
بات کی تو تھی کہ یہ حسینؑ کا امام باڑہ ہے۔ تو معلوم ہوا آج سے چودہ سو سال پہلے
علیؑ کے خلاف جو دشمنی کی مہم شروع ہوئی تھی مٹتے مٹتے چودہ سو سال بعد بھی
آج اس کے اتنے اثرات باقی ہیں کہ ان کے نام لینے والے جلائے جاتے
ہیں تو سوچو آج جب اتنی دشمنی باقی ہے۔ تو کل دشمنی کتنی رہی ہوگی۔ بیان
کو سمیٹ کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب دنیا کوئی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ علیؑ نے
جو منہ کی آواز پر ہاں کہی تھی اس پر عمل نہ کیا۔ علیؑ نے عمل کیا زندگی تمام
میں صرف کر دی۔ اپنی پوری نسل کا خون میں ڈوبنا گوارا کر لیا علیؑ نے
مگر یہ طے کیا کہ جو ہاں کی ہے تو اس پر عمل کروں گا۔ چنانچہ علیؑ کے چاہنے
والوں کی پوری تاریخ قید خانے، جلاوطنی، زہر، خنجر، قتل، سولی اور مقتل
میں گھری رہی۔ تبلیغ کے پہلے دن نبیؐ نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ جو مدد کرے
گا وہ میرا بھائی ہو گا۔ وہ میرا وصی ہو گا۔ وہ میرا خلیفہ ہو گا۔ نبیؐ نے یہ پہلے
دینے کا وعدہ کیا تھا اور علیؑ نے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ پوری تاریخ غلامان
و محبان آل علیؑ کی تاریخ مصائب کے سمندر میں ڈوبی اس لئے کہ علیؑ نے
ذوالعشیرہ میں نبیؐ کی آواز پر ہاں کہدی تھی۔ غرض کہ علیؑ اپنا معاہدہ پورا کر گئے
اب مگر مسلمان یہ کہتا ہے کہ نبیؐ یہ کہہ کے چلے گئے میں کسی کو خلیفہ نہیں بناتا۔
میں مسئلہ خلافت کو طے نہیں کرتا۔ میں امت کے حوالے کر کے جاتا ہوں۔ وہ جسے
چاہے اپنا خلیفہ بنا لے۔ میں مان لینے پر تیار ہوں۔ مگر مجھے یہ بھی ماننا پڑے گا

کہ نبیؐ نے کل تبلیغ کے پہلے دن کمزوری میں جو پہلا وعدہ کیا تھا۔ قوت پانے کے بعد اس وعدہ کو پورا نہیں کیا۔ بس دو شکلیں ہیں۔ یا تو مسئلہ خلافت کو اُمت کے حوالے مانو۔ اور یہ مانو۔ نبیؐ نے وعدہ کیا اور وعدے سے مکر گئے۔ کمزوری میں وعدہ کیا طاقت پا کے وعدہ چھوڑ دیا۔ نبیؐ کو معاذ اللہ خود غرض مانو۔ نبیؐ کو بے وفا مانو۔ نبیؐ کو وعدہ پورا نہ کرنے والا مانو۔ نبیؐ کے دامن پر برائیوں کے دھبے مانو۔ جب اتنے عیب مان لو تب مانو کہ نبیؐ مسئلہ خلافت اُمت کے حوالے کر گئے۔ اور اگر یہ مانو کہ نبیؐ نے وعدہ کیا تھا کہ جو میری مدد کرے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ اور نبیؐ مرتے دم تک اس معاہدہ پر باقی رہے تو ماننا پڑے گا کہ جو کہتے ہیں کہ مسئلہ خلافت اُمت کے حوالے کر گئے۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ نبیؐ خلافت کو اُمت کے حوالے کر کے نہیں گئے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اگر نبیؐ کے بعد علیؑ کو خلیفۂ بلافصل مانو۔ تو نبیؐ کے دامنِ نبوت پر وعدہ شکنی کا دھبہ نہیں رہتا۔ اور اگر مسئلہ خلافت کو اُمت کے حوالے مانو تو خلفاء کی خلافتیں تو صحیح ہو جائیں گی مگر دامنِ نبوت داغدار ہو جائے گا۔ بس اب اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جس سے محبت ہو اس کو بچا لو۔ خلفاء سے محبت ہو خلافت بچا لو۔ نبیؐ سے محبت ہو دامنِ نبوت بچا لو۔ میرے ایک دوست نے کہا۔ تم کبھی کبھی تقریر میں تیز ہو جاتے ہو۔ اور نتیجہ نہیں سوچا کرتے۔ میں نے کہا وہ کیا۔ کہا ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچو۔ دو صورتیں ہیں۔ علیؑ کو یا چوتھا مانا جائے یا خلیفۂ بلافصل مانا جائے۔ تم کہتے ہو بلافصل پہلا خلیفہ مانو ہم کہتے ہیں چوتھا خلیفہ مانو۔ دونوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم مانیں کہ علیؑ پہلے خلیفہ تھے اور بلافصل خلیفہ

تھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صحیح راستے پر تھوڑے سے شیعہ ہیں جو ہمیشہ کم تعداد
جن کی تعداد مسلمانوں میں ہمیشہ کم رہی ہے۔ کل بھی شیعہ کم تھے۔ آج بھی شیعہ
مسلمانوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ تو اگر خلیفہ بلا فصل علیؑ کو مانیں تو شیعہ
کو برحق مانیں۔ اور اگر علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانیں تو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد
کو برحق مانیں۔ لہٰذا یا تو چوتھا خلیفہ مان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد کو جنت
میں پہنچا دیں اور چھوٹی تعداد جو شیعوں کی ہے اسے دوزخی مان لیں یا خلیفہ
بلا فصل مان کے جو چھوٹی تعداد شیعوں کی ہے ان کو جنتی مانیں۔ اور جو بہت بڑی
تعداد مسلمانوں کی ہے ان کو غیر جنتی مانیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کو بچانے
کے لئے اہلبیت کو قربان کر دیا جائے۔ میں نے کہا بات ٹھیک ہے۔ اگر
دنیاوی اور سیاسی ہوتا تو میں تمہارے تعداد و شمار پر فیصلہ کر لیتا
مگر یہاں سوال یہ ہے کہ یا مسلمان اکثریت کو بچاؤ۔ یا نبوت کے دامن کو
ہونے سے بچاؤ۔ میرا ایمان یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کے لئے دوزخ میں جانا
گوارا کر سکتا ہوں۔ مگر اپنے نبیؐ کے دامن پاک پر وعدہ خلافی کا دھبہ گوارا
نہیں کر سکتا۔ صلواۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ۔ آج کی ساری محنت اور زحمت صرف
اس لئے تھی کہ واقف کار اور ناواقف دونوں سمجھیں۔ کہ مسئلہ خلافت نبیؐ اللہ
کے حوالے کر سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ صورت حال واضح ہے یا تو تبلیغ کے پہلے وہ
علیؑ سے وعدہ نہ کر لیا ہوتا۔ اگر وعدہ کر لیا ہے تو اگر نبیؐ ہی وعدہ توڑیں گے
تو مسلمان کب مسلمان رہ جائے گا۔ اور رہا یہ کہ علیؑ نے وعدہ پورا کیا یا نہیں اس
سلسلہ میں آپ کے سامنے تاریخ کا خلاصہ پیش کر چکا ہوں۔ اولاد علیؑ ہم

علیؑ کے بعد جتنی مصیبتیں آئی ہیں۔ اس لئے نہیں آئی ہیں کہ کسی کو اولاد علیؑ سے دشمنی تھی بلکہ جو مصیبتیں آئی ہیں اس لئے آئیں کہ دنیا کو علیؑ سے دشمنی تھی۔ آپ کبھی بیٹھ کے کربلا کا واقعہ پڑھیے عاشور کے دن کی داستان پڑھیے تو آپ کو یہ ملے گا کہ حسینؑ کربلا میں عاشور کے دن یزید کی فوج کے سامنے۔ جس میں پسر سعد ہے۔ جس میں ننھے اصغرؑ پر تیر مارنے والا حرملہ ہے۔ جس میں وہ بے درد ہیں جو حسینؑ کی میت پر گھوڑے دوڑا سکتے ہیں۔ جس میں وہ سنگ دل ہیں۔ جو علی اکبرؑ کی صورت کو نبی سے ملتا جلتا دیکھ کر بھی ان کے سینے پہ نیزہ کا پھل سکتے ہیں۔ جو خیمہ جلا سکتے ہیں، جو اونٹوں کو پانی دے سکتے ہیں مگر اصغرؑ کو پانی نہیں دے سکتے۔ ایسے انسانوں کے سامنے حسینؑ عاشور کے دن ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ تقریر کرتے ہیں۔ تقریر یاد دلانا چاہتا ہوں ذرا سا دیکھئے نسل علیؑ ہے۔ اولاد علی۔ محبان علیؑ کو اس دور الشیرو کی پال کے نیچے میں مصائب کتنے برداشت کرنا پڑے۔ غرض کہ حسینؑ یزید کی لشکر آواز دیتے ہیں۔ میں ہوں فرزند رسولؐ میرے علاوہ کوئی دوسرا روئے زمین پر نہیں ہے جو اپنے کو نبیؐ کا نواسہ کہہ سکے۔ یزید کی فوج چپ ہے اس کے ہاتھوں میں قرآن ہے جسے تمہارے نبیؐ لائے تھے۔ جو میرے گھر میں اترا تھا۔ کوئی بولتا نہیں۔ اس کے بعد کہا بتاؤ تم مجھے پہچانتے ہو کیوں قتل کرتے ہو؟ ذرا یہ تو دیکھئے حسینؑ کے سینے میں دل کتنا مضبوط ہے جو دشمنوں سے پوچھتے ہیں تم مجھے قتل کیوں کرتے ہو۔ اگر حسینؑ کی زندگی میں کوئی غلطی کی ہوتی تو حسینؑ میں یہ جو جرأت پیدا نہ ہوتی کہ دشمن

کھانے والے جانور صفت منافقوں سے پوچھتے تم مجھے قتل کیوں کرتے ہو۔
حسینؑ کا کردار نکھرا ہوا تھا۔ وہ سونا تھا جو محبت کی آگ میں تپ کر نکلا
اس میں کوئی بھی کھوٹ نہیں تھی۔ لہٰذا حسینؑ کو یقین تھا کہ یہ مجھے تہ
سکتے ہیں۔ میری لاش تو پامال کر سکتے ہیں مگر میرے کردار پر الزام نہ
لگا سکتے۔ غرض کہ حسینؑ نے کہا مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ یزید کے
چپ رہے تو کہا بتاؤ کہ میں نے دین بدلا ہے؟ اب بھی خاموشی۔ کہا بتلاؤ
میں نے حلال کو حرام، حرام کو حلال کیا ہے۔ اب بھی کوئی نہیں بولتا۔ کہا تم
سے کسی کا خون میرے ذمے ہے۔ کوئی نہیں بولتا۔ کہا تم میں سے کسی
عزت میں نے پامال کی ہے۔ اب بھی کوئی نہیں بولتا۔ کہا کسی کا مال
ہے۔ اب بھی کوئی نہیں بولتا تو آخر حسینؑ ہی کہتے ہیں۔ جب تمہارے
پاس میرے خلاف کوئی فردِ جرم نہیں ہے تو مجھے بتاؤ کیوں قتل کرتے
ہو یزید کی فوج بولی۔ حسینؑ تم بھی بڑے اچھے مقرر ہو۔ تمہارے
بھی بڑے اچھے مقرر تھے۔ ہم اقرار کرتے ہیں تم نے دین نہیں بدلا
حلال و حرام نہیں بدلا۔ ہماری جان و مال عزت کا کوئی حق تمہارے ذمہ
نہیں ہے مگر قتل اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں تمہارے
علیؑ کی دشمنی ہے۔ علیؑ کی دشمنی کے باعث تم سے دشمنی ہے۔ اب مجھے کو
کا حق ہے کہ اصغرؑ کے گلے پہ دنیا تیر نہیں مار رہی تھی بلکہ اپنے خیال میں
علیؑ کے گلے پر تیر مار رہی تھی۔ اکبرؑ کے کلیجے پر نیزہ نہیں مارا جا رہا تھا
دشمن موقع پا کر علیؑ کے کلیجے پر نیزہ مار رہے تھے۔ سید سجاد کو ہتھکڑیاں

نہیں پہنائی جا رہی تھیں بلکہ علی علیہ السلام کو ہتھکڑیاں پہنائی جا رہی تھیں۔ اگر دنیا کا سب
سے بڑا مصیبت کا واقعہ۔ واقعہ کربلا ہے۔ تو واقعہ کربلا میں جتنی مصیبتیں اولادِ
علیؑ پر۔ اہلبیت پہ پڑی ہیں۔ اس کی وجہ حسینؑ سے دشمنی نہیں ہے اس کی وجہ
عباسؑ سے دشمنی نہیں ہے۔ اس کی وجہ اکبرؑ سے دشمنی نہیں ہے۔ اس
کی وجہ صرف علیؑ سے دشمنی ہے۔ سوچئے، رسولؐ کی آواز پر علیؑ کی وہ ہاں کیسی
تھی جسکے نتیجے میں انکی نسل کربلا میں پیاسی قتل ہو رہی تھی۔ علیؑ نے ہاں کہی تھی
علیؑ راضی رہے تو کمال نہ تھا۔ کمال تو یہ ہے کہ حسینؑ کا سر کٹنے کے بعد
سکینہ نے طمانچے کھائے اور یہ سمجھ کر کھائے کہ دادا نے رسولؐ کی مدد پہ ہاں
کہی تھی۔ اس کے نتیجے میں، میں طمانچے کھا رہی ہوں۔ سکینہؑ نے کبھی یہ نہیں
کہا کہ میں طمانچے نہ کھاؤں گی۔ ارے میرے دادا نے بڑا برا کیا رسولؐ
کی ہاں پہ ہاں کر کے۔ معلوم ہوا۔ علیؑ تو ہاں کہہ کے وعدہ نبھا گئے لیکن علیؑ
کی اولاد کا ہر وہ کمسن کہ وہ بے شیر تھا وہ مصیبتیں جھیلتا رہا۔ لیکن علیؑ نے جو ہاں
کہی تھی اس سے مکرا نہیں۔ آپ تاریخ پڑھ کے مجھے بتا دیں۔ سکینہؑ رو رہی ہیں۔
سکینہؑ کے کانوں سے خون بہا ہے۔ سکینہؑ کے کرتے کا دامن جلا ہے سکینہ
ستائی گئی ہیں۔ یہاں تک مصیبتیں جھیلی ہیں سکینہؑ نے قید خانہ میں جان دے
دی۔ مگر آپ کو تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملے گا کہ سکینہؑ نے کہیں مصیبت پہ
رو کر کہا ہو۔ اب مجھ سے مصیبت نہیں جھیلی جاتی۔ کاش میرے باپ نے
یزید کی بیعت کر لی ہوتی۔ کاش دادا نے رسول اللہ کی آواز پہ ہاں نہ کہی ہوتی
تو ہم طمانچے نہ کھاتے۔ معلوم ہوا علیؑ نے وعدہ کیا جس کی وجہ سے نسل

علمؑ خون میں ڈوبا۔ مگر علیؑ کی اولاد کا ہر ذرہ راضی تھا علیؑ کی چاہ پہ۔ ذوالجناح
جب نسلیں اس طرح راضی رہیں، جیوں علیؑ کی ہاں پر۔ تو پھر بھی اپنی ہاں کیسے
بدل سکتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا ہر سچے محب رسولؐ مسلمان کا کام ہے
کر چکے اس لئے کربلا والوں کو رو رہے ہیں اور مجلس ختم نہیں ہوگی جب
تک کہ ان کا ماتم نہ کرلیں۔ میں نے کئی مصائب سکینہؑ پڑھے تھے اور آج
بھی پڑھنا چاہتا ہوں۔ اکثر مجھ سے کمسن شاہزادی کے مصائب سنتے
اس کی وجہ یہ ہے کہ کربلا کے شہیدوں اور اسیروں میں دو سے زیادہ
کسی کے لئے میرا دل بے چین نہیں ہوتا۔ شہیدوں میں جب مجھے بابا
کے گود میں پیاسا تڑپتے آنکھیں بند کئے اصغرؑ نظر آتے ہیں تو سینہ میں
دل بے چین ہو جاتا ہے۔ اور اسیروں میں جب طمانچے کھاتے سکینہؑ نظر
آتی ہے۔ تب میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دو کمسنوں
سے زیادہ کسی نے مصیبت نہیں جھیلی۔ میرے دوستو میرے مظلوم کے
رونے والو میری شاہزادی زینبؑ کی کنیزو۔ میرے سید سجادؑ کے
غلامو۔ رسولؐ کے نواسے سے محبت کرنے والو! سینے میں انسان کا دل
رکھنے والو! دل میں محبت زہراؑ کا جذبہ رکھنے والو! ذرا سوچو تو یہ حسینؑ کی
کمسن بچی کیسی کیسی ستائی گئی۔ آپ بھولے تو نہیں ہونگے کل میں
نے سنایا تھا سکینہؑ کو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر لٹا کر باندھا گیا تھا۔
ذرا سوچو جیسے جیسے چلتا تھا اس کی پیٹھ سے سکینہؑ کا سینہ چھلتا تھا۔ زخم بڑھتا
جاتا تھا۔ میں کل روایت کا آخری حصہ نہیں سنا سکا تھا صاحب ریاض القدس

نے آخری فقرہ یہ لکھا ہے کہ ایک ہی منزل کے بعد جب سکینہؑ اتاری گئی تو کرتا
خون میں لال تھا صرف کرتا لال نہیں تھا بلکہ اونٹ کی پوری پیٹھ خون سے
بھیگ چکی تھی۔ جب اتنی کمزور ہو گئی سکینہؑ جب مجبوراً شمر ملعون نے سکینہؑ کو
اونٹ سے اتارا اور زینبؑ کی گود میں دے دیا۔ تیرہ محرم کا دن ہے لٹا
ہوا قافلہ کوفے کے بازاروں میں آیا ہے۔ یزید کی طرف سے ابن زیاد نے اعلان
کیا ہے۔ یہ فتح کا دن ہے عید کا دن ہے جو ہماری حکومت میں ہے۔ وہ
خوشی منانے کے لئے نکلے۔ تماشائی نکلے۔ کلمہ پڑھنے والے مسلمان رسولؐ کی
ناموس کا تماشا دیکھنے کے لئے نکلے۔ بازار بھرے پڑے ہیں۔ جنہیں جگہ نہیں
مل رہی ہے وہ مکانوں اور دیواروں کی چھتوں پر چڑھ چڑھ کر دیکھ رہے ہیں
کہ رسولؐ کے نواسے کا سر کدھر ہے اور سیدِ سجادؑ ہتھکڑیاں پہنے ہوئے کدھر
ہیں اور زینبؑ کدھر بیٹھی ہیں۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں مجمع کوفے کے بازار
میں اتنا تھا کہ قافلے کو چلنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ بار بار قافلہ رک جاتا تھا۔
جب مجمع ہٹتا تھا تب سر آگے بڑھتے تھے۔ اور تب اسیروں کو لئے ہوئے
اونٹ آگے بڑھتے تھے ایک مکان کی چھت پر کچھ عورتیں بیٹھی تھیں وہاں پہ
ایک اونٹ رکا۔ اس اونٹ پر بے کس زینبؑ اور پانچ برس کی طفلہ ننھی سی
سکینہؑ ہیں۔ دیر تک عرب کی جلتی دھوپ میں اونٹ کھڑا رہا تو سکینہؑ۔ وہی سکینہؑ
جس کے سینے کو اونٹ کی پیٹھ نے چھلنی کر دیا ہے۔ اس مجبور و بے کس سکینہؑ نے
چہرہ اٹھا کر پھوپھی کو دیکھا۔ زینبؑ نے کہا بیٹی کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کہا ہاں پھوپھی اماں
کہنا تو چاہتی ہوں۔ مگر کیسے کہوں تمھیں مجبور پاتی ہوں۔ کہا بیٹی جو مجھ سے

زکروگی تو کس سے کہو گی۔ سکینہؑ نے کہا پھوپھی اماں سچ کہتی ہو اب کس سے کہوں گی۔ اب بابا نہیں ہیں جنھیں آواز دوں گی۔ میرا چچا نہیں ہے جس کو پکاروں گی۔ میرا بھیا اکبرؑ نہیں ہے جسے بلاؤں گی۔ زینبؑ نے کہا بیٹی میرے کلیجے سے لگ جا۔ تجھے کیا تکلیف ہے۔ کیوں نہیں بیان کرتی۔ کہا پھوپھی اماں بیان کیسے کروں تھکیں مجبور پاتی ہوں۔ کہا بیٹی تری پھوپھی مرے سید تے بتا تجھے کیا تکلیف ہے۔ کہا پھوپھی اماں پیاسی ہوں۔ ساقی کوثر کی بیٹی پانی مانگ رہی ہے۔ ساقی کوثر کی بیٹی نے گھر دل بھی کالی۔ سکینہؑ چپ زینبؑ نے سر جھکایا۔ جس مکان کے پاس اونٹ کھڑا تھا اس کی چھت پر عورتیں بیٹھی تھیں۔ اس میں سے ایک عورت اٹھی۔ بی بی دنیا میں ہم نے قیدی بہت دیکھے مگر تمہارے ایسے قیدی نہیں دیکھے۔ اے بی بی گھبرانا نہیں تیری بچی پیاسی نہیں رہے گی۔ میں لاتی ہوں پانی۔ دوڑی ہوئی گئی۔ کوزے میں پانی لیا۔ پھینک کر آئی بی بی بچی کو پلا دو پانی۔ سکینہؑ کے ہاتھوں میں پانی آگیا۔ سکینہؑ نے پیاسے ہونٹوں سے پانی لگانا چاہا۔ مگر ایک مرتبہ پانی لانے والی عورت نے کہا۔ بی بی قیدیوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ تمہارے ایسے قیدی نہیں دیکھے۔ جب تمہاری بچی پانی پی لے تو میرے لئے دو دعائیں کرا دینا۔ زینبؑ نے سکینہؑ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ بیٹی پانی بعد میں پینا۔ پہلے اس کے لئے دعا کر دے۔ پوچھا کیا دعا کراؤگی تو اس نے کہا پہلی دعا یہ کرا دو کہ میرے بچے یتیم اللہ قیدی نہ ہوں۔ سکینہؑ نے ننھا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا۔ اے میرے مالک میری یتیمی کا واسطہ اس عورت کی اولاد کو قید اور یتیم ہونے سے بچانا۔ شہزادی زینبؑ نے کہا

بی بی دوسری دعا بتا دے۔ کہا بس یہ دعا کرا دو کہ جلد سے جلد وطن سے مدینے جاؤں۔ قیدی زینبؑ نے وطن کا نام سنا تو پہچانا۔ کہا مدینے کیوں جاؤ گی۔ کہا وہاں میری شاہزادی فاطمہؑ کا گھر ہے۔ کہا فاطمہؑ تو اب زندہ نہیں۔ کہا دعا کرا دو۔ فاطمہؑ نہیں زینبؑ تو ہیں۔ فاطمہؑ نہیں تو میرا مولا حسینؑ تو ہے کہا بی بی دعا نہ کرنا۔ کہا خیر تو ہے۔ کہا دیکھ وہ نیزے پہ حسینؑ کا سر ہے وہ ماتم کرنے لگی۔ ارے میرے مولا۔ ابھی وہ رو ہی رہی تھی کہ شاہزادی نے چہرے سے بال ہٹائے۔ یہ ہے تیری زینبؑ۔ اس عورت نے ماتم کیا۔ ارے میری شاہزادی کا گھر لٹ گیا۔ ارے میرے شاہزادے کا سر کٹ گیا۔ ارے میری بی بی اسیر ہو گئی۔ میں یہ سب دیکھنے کے لئے زندہ رہ گئی۔ واحسرتا۔ وامصیبتا۔

•

— • — • —

بسمہ سبحانہ

مجلس ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم۔

ارشاد پروردگار عالم ہے کہ ہم نے ان جاہل اَن پڑھ عربوں میں ایک کو رسول بنا کر بھیجا۔ وہ رسول ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ ان کے نفسوں کو پاک کرتا ہے۔ کتاب یعنی قرآن، حکمت یعنی شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ ہم نے اس لئے کیا کہ جب تک ہم نے نبی کو نہیں بھیجا تھا اس وقت تک یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ گذشتہ تقریروں میں میں نے جس سلسلہ کو شروع کیا تھا اسے کل ایک منزل پر پہنچا چکا ہوں اور آج ایک نئے سلسلۂ کلام کو شروع کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے ایک بات کہنا ہے۔ اور وہ یہ کہ میں نے پچھلی تقریروں میں جو کچھ کہا ہے ان کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ بعض میرے دوست ان کتابوں کے حوالے کے شائق ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں تقریر کرنے کے بعد اپنے سامنے والوں کو ایک وقت میں تو نہیں مل سکتا۔ لیکن ایک آسان صورت ہے کہ جو کچھ آپ نے سنا ہے اسے لکھا ہوا پانا چاہتے ہیں تو شام میں ایک شہر ہے حلب وہاں کی یونیورسٹی میں ایک لیکچرار تھے جن کا نام تھا علامہ محمد مرعی انطاکی۔ وہ آج سے پندرہ سال کے قریب شیعہ ہوئے تھے اور

انھوں نے شیعہ ہونے کے جرم میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ کیوں شیعہ ہوئے پوری روداد انھوں نے ایک عربی کتاب میں لکھی جس کا نام ہے "ہی طریقی الی التشیع" میں نے ان کی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ جس کا میں نے نام رکھا ہے "میں کیوں شیعہ ہوا؟" الحمد للہ ضخیم کتاب ہے اس کتاب میں میں نے تقریباً پچاس صفحہ کا مقدمہ لکھا ہے۔ اللہ آپ بہت جلد مجھ سے پچھلی تقریر جو کچھ سنا ہے بلکہ اگر مختصر طور پر بھی پڑھنا چاہیں تو آپ کو اس کتاب میں سب کچھ مل جائے گا۔ آج میں اپنے محترم مجمع کو جن باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہیں کہ کئی دن سے میں ایک آیۂ کریمہ کو پڑھتا ہوں مگر ایک لفظ کی تشریح اب تک میں نے نہیں کی۔ وہ آیت کہتا ہے ہم نے ان بے پڑھے عربوں میں سے ایک کو رسول بنا کر بھیجا تو یہ بے پڑھے لکھے عرب جاہل تھے۔ انھیں میں سے ایک کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ غلط فہمی نہ ہو کر جب انھیں میں سے بھیجا تو نبی بھی انھیں کے جیسے تھے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ آدمی مسئلہ کو مسئلے کی حیثیت سے سوچنے کے بجائے اس طرح سوچتا ہے کہ جیسے ہم ہیں اسی طرح دوسرا۔ اگر اپنی طرح دوسرے کو سوچنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ تمثیل اتنے کہ یہ اصل بات کر کے اپنے بچوں کو ایک چھوٹا سا واقعہ یاد دلا دوں۔ ایک شخص بڑا ایک موٹر سائیکل پر ایک بزرگ تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ادھر سے ایک میل کے فاصلے پر ایک ٹرک آ رہا ہے وہ اپنے رخ پر بڑھ رہا ہے۔ ہم اپنے رخ پر جا رہے ہیں۔ ٹرک ڈرائیور نے دیکھا کہ یہ جگہ لیں گے تو

اس نے ہارن دیا، روشنی جلائی جب نہیں ہٹے تو وہ غلط سائیڈ پر آ گیا موٹر سائیکل لے کر یہ پھر اس کے سامنے آ گئے۔ اس نے پھر کترانا چاہا یہ پھر سامنے آ گئے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے جب ٹکر ہوئی تو رکے۔ جب رکے تو ٹرک ڈرائیور نے اتر کر کہا۔ کتنی مرتبہ ہارن دیا۔ روشنی دی۔ راستہ کاٹا۔ تم ہٹے کیوں نہیں۔ بار بار سامنے کیوں آ جاتے تھے کہنے لگے بھائی کچھ اور نہیں ہم نے یہ ضرور دیکھا کہ ادھر سے بھی دو روشنیاں چل رہی ہیں ہم نے سوچا، ہمارے جیسے ادھر سے دو آدمی موٹر سائیکل لے کر آ رہے ہیں۔ لہذا ہم نے سوچا۔ ہمارے ہی جیسے لوگ ہیں تو ان کے بیچ میں سے نکل جاویں۔ دیکھا آپ نے دوسرے کو اس کی حیثیت کے مطابق سمجھنے کے بجائے اپنا جیسا سوچنے میں تصادم ہو جاتا ہے۔ دنیا نے ہمیشہ یہی غلطی کی۔ اور حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ کو اپنا جیسا سوچنے کی کوشش کی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان اَن پڑھے لکھے جاہل عربوں میں سے ایک کو رسول بنایا۔ تو جب سب جاہل سب بے پڑھے لکھے ہیں۔ تو انھیں میں سے ایک کو رسول بنایا۔ تو رسول بھی ویسے ہی ہوں گے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ اس آیہ کریمہ میں پیغمبر کو بھی اُمّی کہا گیا اور عربوں کو بھی اُمّی کہا گیا فرمایئے پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہونا چاہیئے۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ تم پہلے یہ بیان کرو کہ مسلمان کیا معنی بیان کرتے ہیں۔ آپ کے صحابی نے کہا فرزند رسولؐ وہ تو یہی کہتے ہیں جیسے سارے عرب جاہل ویسے معاذ اللہ پیغمبر بھی

فرمایا حضورؐ کے بارے میں ایسا غلط اظہار خیال کرتے ہیں ان کو جھجک نہیں ہوتی
کاش لفظ اُمّی پڑھنے کے ساتھ پوری آیت پڑھ لیتے تو سمجھ میں آتا۔ عرب کو
اُمّی یعنی جاہل سمجھنا ٹھیک ہے۔ مگر پیغمبرؐ کو اُمّی ہونے کی بنا پر جاہل سمجھنا
کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ صحابی نے عرض کی حضور تشریح فرمائیں۔ آپ نے
فرمایا قرآن کہتا ہے ہم نے ان بے پڑھے لکھوں میں سے ایک کو رسولؐ
بنایا۔ کس کو رسول بنایا جو آیتوں کی تلاوت کرتا ہے نفسوں کو پاک کرتا
ہے جو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر حضور معاذ اللہ بے پڑھے لکھے
جاہل ہوتے تو آیتوں کی تلاوت کیسے کرتے نفسوں کو پاک کیسے کرتے
کتاب و حکمت کی تعلیم کیسے دیتے پڑھائے گا وہی جو خود پڑھا ہوگا۔ کوشش
پوری آیت پڑھ لیتے تو پیغمبرؐ کے لئے وہ خیال نہ آتا جو انھوں نے قائم کیا۔
سوال۔ یہ صحیح ہے کہ پیغمبرؐ دنیا میں کہیں نہیں پڑھے۔ کوئی ان کا اُستاد
نہیں، کوئی ان کا مدرسہ نہیں۔ لیکن یہ ضروری تو نہیں ہے میں بمبئی میں
تقریر کر رہا ہوں اور بمبئی میں کہیں نہیں پڑھا۔ تو لوگ کہیں گے۔ جب
یہاں کہیں نہیں پڑھے تو جاہل۔ سمجھدار کہیں گے۔ یہاں نہیں پڑھے
لیکن تقریر تو سننے دو اگر جاہل ہیں تو تقریر میں جہالت آشکار ہو جائے
گی۔ اگر جاہل نہیں ہیں تو تقریر سے حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ میں نے تقریر
کی جس سے معلوم ہوا کہ میں کچھ پڑھا لکھا ہوں۔ مجھے لگا سارے بمبئی کے
اسکولوں کو ہم نے چھان ڈالا کہیں نہیں پڑھے مگر تقریر پڑھے لکھوں کی
طرح کرتے ہیں۔ تو ہر سمجھدار کہے گا۔ تمھاری تلاش غلط تھی۔ یہ بمبئی میں کب

پیدا ہوتا ہے یہ تو کتنے قرآن مجید والے جلسے دیکھو۔ پڑھے گا کہ نہیں پڑھے
تو محمد کو دنیا کے مدرسوں میں کیوں ڈھونڈتے ہو۔ جہاں سے آئے وہاں سے
پڑھ کر آئے۔ سلوٰۃ میں قرآن مجید کی آیت پڑھیں جس سے یہ حقیقت واضح
ہو جاتی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان
علمہ البیان۔ خدا وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا
اور بیان کو سکھایا۔ سورۂ رحمٰن سے یہ پتہ چلا کہ کوئی ایک انسان ایسا ضرور
ہے جسے خدا نے خود قرآن پڑھا دیا ہے۔ یا تو یہ ہو سامنے کوئی آئے
اور بتائے کہ وہ خدا ہے جس نے قرآن پڑھ کر آیا۔ اگر کوئی نہیں پڑھ کر آیا ہے
تو مانیں کہ جس نے [illegible] قرآن زیادہ وہاں سے پڑھ کر آیا۔ خدا پڑھا
رہا تھا اور محمد پڑھ رہے تھے۔ اور اگر یہی سوال ہے کہ جب تک کوئی
کسی سے پڑھے نہیں تب تک وہ پڑھا لکھا نہیں۔ تو میرے مسلمانو!
پھر خدا کو بھی بے پڑھا لکھا مانو اس نے بھی کسی سے نہ پڑھا۔ تو جیسے خدا
بے بغیر سیکھے پڑھا ہوا ہے ویسے محمد مصطفیٰ تمام زبان دنیا میں کسی سے
پڑھے بغیر۔ لفظ امی کی تشریح کے بعد گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ حضور
سرور کائنات کو جو ذمہ داریاں خدا نے دی تھیں یعنی آیتوں کی تلاوت کرنا
کتاب یعنی قرآن مجید حکمت یعنی شریعت کی تعلیم دینا اور نفسوں کا تزکیہ
کرنا۔ یہ ذمہ داریاں کتنی مشکل ذمہ داریاں تھیں۔ الغرض ذمہ داریوں کے مشکل
کو سمجھنا آسان نہیں۔ تو اس پر حوصلہ اور پر عزم نبی کو کتنا مشکل ہے
جو ان ذمہ داریوں کو نبھا گیا۔ نا[illegible] کو آسان کر گئے۔ [illegible] یاد دلاؤں کہ

ہمارے مسلمانوں نے یہ کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ پر ایک
پل ہوگا۔ جس پر سے سب کو گزرنا ہوگا اس کا نام صراط ہوگا جو تلوار سے زیادہ
تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ اس پر کوئی ایسی تیزی سے گزر جائے گا۔
جیسے بجلی گزرتی ہے۔ کوئی یوں جائے گا جیسے گھوڑا دوڑتا ہے۔ کوئی آدمی
کی رفتار سے چلے گا۔ اور کچھ وہ ہوں گے جو گھسٹ گھسٹ کر چلیں گے۔ اور کچھ
وہ ہوں گے جو کچھ دور چلیں گے اور اس کے بعد دوزخ میں گر پڑیں گے۔ صرف سننے
ہیں بار کر سوچئے کہ اس پل سے ہم کو بھی گزرنا ہے۔ کیسے اس پر قدم رکھیں
گے اور جب ہم دیکھیں گے تو اس کی دھار کاٹے گی کہ نہیں۔ جنت تک جانے
کیلئے اس پل سے گزرنا پڑے گا کیا ہوگا سوچ کر دل تھراتا ہے۔ مگر سنئے
پل اسی دنیا میں ہے۔ وہاں اس کا نام ہے صراط۔ یہاں اس کا نام صراط
مستقیم ہے صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک ہے اس پر چلنا تلوار کی دھار
پر چلنے سے زیادہ مشکل ہے۔ جو انسان اس دنیا میں اس بال سے زیادہ باریک
اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز صراط مستقیم پر قدم رکھ کر نکل گیا۔
جس طرح زندگی میں یہاں چلا ہے ویسے ہی قیامت کے صراط پر چلے گا۔
آپ کہیں گے بال سے زیادہ باریک راستہ اس دنیا میں کہاں ہے۔ وہ
تلوار سے زیادہ راستہ کہاں ہے۔ توجہ سے سنئے میں سمجھائے دیتا
ہوں ایک طرف ہمارا دل ہے۔ دل کے خواہشات، تمنائیں، آرزوئیں ہیں
دنیا کی چیزوں سے محبت، دنیاوی رشتے۔ دوسری طرف ہے حق۔ اللہ
کے احکام ہیں۔ جب دونوں جمع ہوتے ہیں تو اللہ کا حکم اپنی طرف آواز دیتا

ہے اور دل کی تمنا اور خواہش اپنی طرف آواز دیتی ہیں۔ انسان ادھر بھی کھنچتا ہے اور اُدھر بھی۔ جب دونوں طرف سے کھنچا ہوا ہو اس وقت خواہشات پر قابو پانا مگر اس طرح کہ جذبات مجروح نہ ہونے پائیں اور حکمِ الٰہی کو خوشی بجالانا تلوار پر چلنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور ایسے مواقع پر صحیح حل تلاش کرنے میں بال سے زیادہ باریک بینی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک مثال نہ دوں گا بات واضح نہ کر سکوں گا۔ اس دنیا میں ہر انسان کے حق کو ادا کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا اتنا مشکل ہے کہ اس کے مقابلے میں بال پر چلنا اور تلوار کی دھار پر قدم رکھنا آسان ہے اور کسی کے حق کو ٹھوکر لگائے بغیر آگے بڑھنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ مثال کے طور پر یہ مجلس ہے میرے بہت سے بھائی میری بہت سی بہنیں ان مجلسوں میں روز شریک ہوتی ہیں۔ ساڑھے گیارہ بجے میں نے تقریر ختم کی۔ کچھ میرے بھائی کچھ میری بہنیں سب ساتھ آئے۔ سب کو اپنے گھر جانا ہے۔ گھنٹہ بھر میں گھر پہنچے، شام کو مغرب سے پہلے چلے تھے۔ ایک ایک مجلس پڑھتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ پانچ گھنٹے کے بعد گھر پہنچے، اب جتنا شوہر تھکا ہے۔ اتنی ہی بیوی تھکی ہے۔ جتنا بھائی تھکا ہے۔ اتنی ہی بہن تھکی ہے۔ جتنی ماں تھکی ہے اتنی ہی بہن تھکی ہے۔ سمجھو میرے دوستو۔ ایک ہلکی سی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ شام کو گھر سے پانچ آدمی چلے۔ شوہر چلا بیوی چلی، بہن چلی، ماں چلی، بھائی چلا، اب پانچ کے پانچوں آدمی پانچ گھنٹے مجلس کر کے اور تھک کر گھر پہنچے۔ سب برابر کے پیاسے بھی ہیں اور

ہے بھی مگر شوہر کا دل چاہتا ہے کہ بیوی پہلے خود پانی نہ پیے آرام نہ کرے
بلکہ مجھ کو اور میرے عزیزوں کو پانی پلائے۔ سب آرام کریں مگر بیوی سب
خدمت میں مصروف رہے۔ حالانکہ جب سب برابر کے تھکے ہیں تو
انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ راحت ملے تو سب کو برابر ملے۔ ذمہ داریاں ملیں
سب کو برابر ملیں۔ یعنی سب سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ جب میں مرد
کے اتنا تھکا ہوں تو عورتیں کتنی تھکی ہوں گی۔ عورتوں کو آرام کرنا چاہیے
مجھے خدمت کرنا چاہیے۔ کم از کم اتنا ہی خیال آجاتا ہے کہ میاں بیوی
کر کے کام تقسیم کر لیں۔ ماں کو میں پانی پلا دوں بہن کو بیوی پلا دے اگر ایسا
ہو تو گھر میں جھگڑا نہ ہوتا۔ سب کے آپسی تعلقات استوار رہتے مگر شوہر
سوچے گا۔ میری ماں کی خدمت ہو۔ میری بہن کی خدمت ہو۔ یعنی ہم نے تین
انسانوں کو انسان سمجھا۔ ایک انسان کو انسان نہیں سمجھا۔ کیوں کہ وہ تینوں
اپنے تھے اور بیوی غیر کی لڑکی تھی۔ جو میں نے کہا ہے اس کے خلاف اگر کوئی
کرے تو زن مرید کہلائے۔ مردوں کے دماغ میں سودا بسا ہے کہ اگر
شوہر اتنا بھی بیوی پر زور نہ رکھے تو کیا شوہر ہے۔ مگر میرے بھائی
اس کے ساتھ یہ بھی سوچیے کہ کس کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔ کس کی حق تلفی ہو
رہے گی۔ یہ ہے بال سے زیادہ باریک راستہ یہ ہے تلوار کی دھار
سے زیادہ تیز راستہ۔ حقوق کو بچاتے ہوئے زندگی بسر کرنا آسان
نہیں۔ سوچیے سارے انسانوں کے حقوق کو سامنے رکھ کے کسی
کے حق کو ٹھیس پہنچائے بغیر زندگی بسر کرنا کتنا مشکل کام ہے اور اسی

مشکل کا نام صراط مستقیم ہے۔ ذرا سوچئے نبیؐ کے بتائے ہوئے پیغام
پر چلنا جب اتنا مشکل ہے تو اس کے کاندھے پر کتنا بڑا بوجھ تھا جو صراط مستقیم
کی طرف انسانوں کو لیجانے کے لئے آیا تھا۔ آج آپ کے سامنے ایک
تصویر رکھنا چاہتا ہوں۔ باقی حصے اگلی تقریروں میں پیش کروں گا۔ کہ پیغمبر
دنیا میں آئے تو آپ کا مقصد کیا تھا۔ کسی مسلمان کو حق نہیں ہے کہ آج
پر کتابیں لکھے اور دعوے کرے کہ پیغمبر کس لئے دنیا میں آئے تھے۔ میں ان کتابوں
کو پڑھتے پڑھتے تھک گیا ہوں۔ جن کا نام تو ہوتا ہے سیرت نبی مگر ان
میں لکھا یہ جاتا ہے کہ پیغمبر دنیا میں اس لئے آئے تھے کہ ایک بڑی حکومت
قائم کر دیں مسلمانوں کی کچھ فتوحات سلطنت قائم کر دیا۔ انہیں سلطنت
قائم کر دیں جو فتوحات کے ذریعہ بڑھتی چلی جائے۔ میرے بھائی تم
کہتے ہو۔ پیغمبر دنیا میں آئے تھے حکومت قائم کرنے۔ تم کہتے ہو دنیا
میں پیغمبر آئے تھے سلطنت کی بنیاد رکھنے۔ تم کہتے ہو دنیا میں آئے
تھے پیغمبر فتوحات کرنے۔ مگر قرآن یہ نہیں کہتا۔ وہ کہتا ہے دنیا میں نبی
اس لئے آئے تھے۔ کہ آیتوں کی تلاوت کریں کتاب و حکمت کی تعلیم
انسانوں کے نفسوں کو پاک کریں۔ قرآن میں یہ کیوں نہیں لکھا دکھاتے کہ حکومت
قائم کرنے آئے تھے پیغمبر۔ قرآن تو کہے کہ دنیا کی رہبری کے لئے ہم
نے بھیجا۔ اور مسلمان کہے کہ حکومت قائم کرنے کے لئے آئے۔ آپ
سمجھے پیغمبر کیا ہے۔ پیغام یہ ہے کہ جب تک نبوت نہ دی۔ تب تک
نے نبی کا مقصد قرار دیا۔ انسانوں کو برائی سے نکالنا۔ لیکن نبوت کے

جب بادشاہوں کو پیغمبرؐ کا خلیفہ کہنا شروع کیا۔ تو اگر حکومت کو نبوت کا مقصد نہ قرار دیتے۔ تو ہماری قائم کردہ حکومتیں نبیؐ کی جانشین کیسے بنتیں۔ لہذا ہم نے نبوت کا مقصد موڑ دیا۔ اس کے رُخ کو موڑا۔ اور کہا نبیؐ دنیا میں حکومت قائم کرنے آئے۔ حالانکہ نبیؐ دنیا میں صرف برائی مٹانے آئے تھے جلوۃ۔ پیغمبرؐ کا مقصد دنیا میں صرف ایک تھا اور صرف ایک ۔ آپ دنیا سے برائی مٹانا چاہتے تھے۔ وہ برائی چاہے ایک انسان میں پائی جاتی ہو۔ چاہے ایک گھر میں پائی جاتی ہو۔ چاہے سوسائٹی میں پائی جاتی ہو۔ چاہے دنیا میں پھیلی ہو۔ یعنی ہر چھوٹی بڑی اور متعدی۔ غرضیکہ ساری برائیوں کو مٹانا مقصد نبوت تھا۔ اسی مقصد کی تشریح قرآن مجید کرتا ہے کہ نبیؐ نفسوں کو پاک کرنے کیلئے آیا ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کیلئے آیا ہے۔ اور آیات الٰہی کی تلاوت کرنے آیا ہے۔ پیغمبرؐ کی جنگ کس سے ہے۔ پیغمبرؐ کی جنگ بت پرستوں سے نہیں۔ پیغمبرؐ کی جنگ عیسائیوں سے نہیں۔ پیغمبرؐ کی جنگ غیر مسلموں سے نہیں۔ پیغمبرؐ کی جنگ صرف برائی سے ہے۔ یہ برائی جہاں پائی جائے اس سے جنگ۔ یہ برائی جہاں نہ پائی جائے اُس سے صلح۔ ابھی آپ کو ان الفاظ میں کوئی کیفیت نہیں آ رہا ہے۔ جب تک میں ایک نظرہ اور نہ کہوں۔ پیغمبرؐ جو مشن لے کر آئے تھے تلوار کی دھار سے زیادہ مشکل تھا اس پر چلنا۔ وہ بال سے کہیں زیادہ باریک تھا کیوں کہ پیغمبرؐ کی ذمہ داری تھی کہ وہ برائی سے نفرت کریں۔ مگر برے سے نفرت نہ کریں۔ ابھی آپ نے فرق کیا نہیں

محسوس کیا۔ یعنی برائی سے نفرت کریں: اور بُرے سے نفرت نہ کریں کا کیا مطلب ہے۔ اے میرے دوستوں اور میرے بچو! یوں سمجھو کہ برائی نام ہے بیماری کا۔ اور یہ بیماری جس میں پائی جائے وہ بُرا ہے۔ دنیا میں جو علاج کرتے ہیں وہ بیماری سے نفرت کرتے تھے۔ یا بیمار سے نفرت کرتے تھے؟ بیمار سے نفرت کریں تو پھر علاج کرنے کیوں آئیں۔ معلوم ہوا علاج کرنے والے کی نفرت بیماری سے ہوتی ہے نہ کہ بیمار سے۔ انسانیت کا تیماردار امراض روحانی کا علاج کرنے والا طبیب روحانی یعنی مرسل اعظم نے اعلان کیا۔ میں بُرائی سے جنگ کرنے آیا ہوں۔ بُروں سے نفرت کرنے نہیں آیا ہوں۔ پیغمبر دنیا میں تلوار لے کر نہیں آئے تھے تاکہ جو بُرا نظر آئے اس کا سر اُڑا دیں۔ نہیں پیغمبر اپنے ساتھ علم و حکمت و قرآنی آیات لے کر آئے تھے تاکہ بُرے کو باقی رکھیں مگر اس کی برائی مٹا دیں جس طرح ڈاکٹر کوشش کرتا ہے کہ بیمار زندہ رہے مگر بیماری مٹ جائے۔ اسی طرح پیغمبر کوشش کر رہے تھے، بُرے زندہ رہیں مگر برائی مٹ جائے۔ بڑا مشکل کام ہے برائی سے نفرت کرنا۔ بُرے سے محبت کرنا۔ کہہ دینا بہت آسان ہے مگر عمل بہت مشکل ہے۔ ہماری آپ کی زندگی میں کیا ہوتا ہے۔ جب ساٹھ برس کے ہو گئے لوگوں نے موت کا بار بار تذکرہ کیا۔ خیال آیا شاید ملک الموت آ ہی جائیں۔ لہٰذا سوچ بچار کر نماز شروع کی۔ قضا نمازوں کو ادا کرنے لگے۔ مسجد میں قیام دیر تک رہنے لگا۔ تقویٰ کا نقوہ جو گرا تو معاشرت کا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔ پھر

بے نمازی سے نفرت کرنے لگے۔ جسے دیکھا سخت و سست کہنا شروع کر دیا۔ تبلیغ کلامی شدید پیدا کر دے ان کی بلا سے۔ ان کو تو اپنی نفرت تقریر کے ریکارڈ سنانے سے مطلب جسے دیکھا نماز نہیں پڑھتا اس سے نفرت کرنے لگے کافر ہے، دوزخی ہے، ملعون ہے، لیکن یہ یاد نہیں کہ چالیس سال خود نماز نہیں پڑھی۔ بے نمازی سے بے تحاشا نفرت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب مسجد سے ان کو آتے دیکھا لڑکے راستے سے ہٹ گئے۔ راستے پر نہ رہو ورنہ پھر بکنے لگیں گے۔ یعنی تبلیغ بکواس بن گئی۔ آخر پیدا کرنے کے بجائے متنفر بن گئی یا عداوت میں تبدیل ہو گئی۔ کیونکہ صرف برائی سے نفرت نہیں کی گئی بلکہ برے سے نفرت کی گئی۔ چاہیے یہ تھا کہ جو نماز نہیں پڑھ رہا تھا اس نوجوان کو بلاتے سینے سے لگاتے۔ پاس بٹھلاتے۔ محبت کی باتیں کرتے جو اس کے دکھ درد ہوتے ان کی تدبیریں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ بے نمازی ہونے کی مذمت کرتے۔ تو اس کے دل میں نفرت نہ پیدا ہوتی بلکہ وہ محسوس کرتا یہ مجھ سے محبت کر رہے ہیں میرے بے نمازی ہونے کی صفت سے نفرت کر رہے ہیں۔ یہ ہے برے سے محبت کرنا برائی سے نفرت کرنا۔ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ اور ان کے سارے اہل بیت کا پوری زندگی دستور یہی رہا کہ وہ بروں سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ وہ برائی سے نفرت کرتے تھے۔ اور برائی سے اس طرح نفرت کرتے تھے کہ برا برائی چھوڑ کے ان کے دامن میں آجاتا تھا۔ واقعات یاد دلاؤں تاکہ بیان آسان اور دلچسپ ہو جائے۔ سنئے۔ برے

ہے محبت برائی سے نفرت۔ مذہب کا مشن ہے۔ نبیؐ و آل نبیؐ کا طریقہ کار
ہے۔ ایک ایک واقعہ ایک ایک معصوم کا سناؤں۔ پیغمبرؐ اسلام مکے میں رہیں۔
ایک راستے سے روز گزرتے ہیں۔ راستہ پر ایک مکان ہے جس میں ایک
بوڑھی عورت رہتی ہے۔ عورت کا سن بڑھ چکا ہے مزاج میں جہالت
رکھتی ہے۔ جہالت کی وجہ سے ضد رکھتی ہے۔ اس نے پیغمبرؐ کی سیرت
دیکھی۔ پیغمبرؐ کی صورت دیکھی۔ پیغمبرؐ سے قرآن سنا۔ پیغمبرؐ سے حدیثیں
سنیں۔ پیغمبرؐ کے معجزے دیکھے۔ مگر کافر کی کافر رہی۔ اور معمولی کافر نہیں اتنی
سخت دل کہ عرب کی جلتی دھوپ میں۔ مکان کی چھت پہ بیٹھی رہتی تھی
اس انتظار میں کہ کب پیغمبرؐ ادھر سے گزریں اور کب میں ان کی تبلیغ کا بدلہ
لوں کہ گھر کا کوڑا پیغمبرؐ کے سر پر ڈال دوں۔ دنیا کہتی جاہل ہے، عورت ہے
بوڑھی ہے بے پڑھی لکھی ہے۔ اسے اب کون سمجھا سکتا ہے۔ مگر میرا پیغمبرؐ
بھی اگر یہی کہہ دیتا کہ بوڑھی ہو چکی ہے جاہل ہے اسے کوئی نہیں سمجھا
سکتا۔ تو خدائی میں نقص نکلتا۔ اس لئے کہ خدا نے پیغمبرؐ کی صلاحیت تبلیغ
دیکھ کر بھیجا تھا۔ اب تک نبیؐ پر نبیؐ بھیجتا تھا۔ مگر اب ایسا بھیج رہا ہوں۔
جو اتنا کامل ہے کہ ساری دنیا کو سمجھائے گا۔ اس نبیؐ کے بعد پھر کسی نبیؐ کو
بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اگر پیغمبرؐ کہہ دیتے کہ اسے میں نہیں سمجھا
سکتا۔ تو خدا کو اس عورت کو سمجھانے کے لئے ایک اور نبیؐ بھیجنا پڑتا
جو اسے سمجھاتا۔ پیغمبرؐ اگر انکار کرتے تو صرف پیغمبرؐ کی نبوت میں رخنہ نہیں
پیدا ہوتا بلکہ خدا کے اعلان ختم نبوت میں رخنہ پیدا ہوتا۔ پیغمبرؐ نے کہا

نہیں نہیں۔ دنیا میں کوئی جاہل سے جاہل جھگڑے سے جھگڑالو انسان ایسا نہیں ہے جسے میں سمجھا سکوں البتہ جو سمجھ کر نہ مانے اور انکار کرے اس کا مرض لا علاج ہے۔ غرضکہ پیغمبرؐ گزرتے رہے روز گزرتے رہے۔ راستہ بدل کر نہیں گزرے۔ پیغمبرؐ کے علاوہ کوئی ہوتا اور ایک دن اس پر کوڑا پھینکا جاتا۔ دوسرے دن آول تو وہ اس راستے پر آتا ہی نہیں اور اگر آجاتا تو سمت بدل کر جلدی سے گزر جاتا۔ مگر پیغمبرؐ نے آنا نہیں چھوڑا۔ نہ راستہ بدلا۔ پیغمبرؐ نے بتایا مشکلوں کے سامنے جو راستہ بدل دیتا ہے وہ انسانوں کے دل و دماغ کو نہیں بدل سکتا۔ جو دل و دماغ کو بدلتا ہے وہ مشکلوں کے باوجود بھی ایک ہی راستے پر چلتا رہتا ہے پیغمبرؐ نے راستہ نہیں بدلا۔ رُخ نہیں بدلا۔ وہ عورت کوڑا پھینکنے سے نہیں رکی۔ پیغمبرؐ راستے سے گزرتے رہے۔ ایک دن پیغمبرؐ گزرے کوڑا نہیں گرا۔ اگر نبیؐ کو مجھ سے نفرت ہوتی تو اس بوڑھی عورت سے نفرت ہونا چاہیئے تھی مگر جب کوڑا نہیں گرا تو پیغمبرؐ رُکے اور پوچھا یہ عورت کیسی ہے۔ معلوم ہوا بیمار ہے۔ دروازے کی زنجیر ہلائی۔ لوگوں نے پوچھا کون۔ کہا عبداللہ کا بیٹا محمدؐ۔ اندر گئے۔ دیکھا وہ بوڑھی عورت بستر پر لیٹی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے دیکھ کے اپنا جیسا سوچا۔ اس نے کہا یہ نبی نہیں ہیں یہ میرے جیسے ہیں کہ دشمن جب کمزور ہوتا ہے تب بدلہ لینے آتے ہیں۔ اپنا جیسا سوچ کر بولی۔ محمدؐ اب بدلہ لینے آئے ہو۔ جب کمزور ہوگئی ہوں کہا نہیں بدلہ لینے نہیں آیا۔ میں تو تیری

بیماری کی خبر سن کر تجھے دیکھنے آیا ہوں۔ نبیؐ نے بتایا تیری بُرائی سے مجھے نفرت ہے۔ تجھ سے نفرت نہیں ہے۔ نفرت ہوتی تو تجھے دیکھنے نہ آتا۔ اس نے کہا محمدؐ عبداللہ کے بیٹے کیا تمھارے سینے میں اتنا بڑا دل ہے کہ بیماری کی خبر سن کر تکلیف دینے والی عورت کو دیکھنے آئے ہو۔ کہا بیشک اتنا ہی بڑا دل ہے۔ کہا تو جانے نہ دوں گی جب تک تم کلمہ نہ پڑھا دو۔ یہ بوڑھی عورت کیوں ایمان لائی۔ اس لیے ایمان لائی کہ نبیؐ اس کی بُرائی سے نفرت کر رہے تھے۔ مگر اس سے نفرت نہیں کر رہے تھے یہ ہے پیغمبرؐ کا مشن۔ دوسرا واقعہ سنانا چاہتا ہوں بُرائی مٹانے کے لیے بُرائی سے نفرت کرنا۔ اور بُرے کو اچھا بنانے کے لیے بُرے سے محبت کرنا بڑا مشکل کام ہے علیؑ کا پیغام سناؤں آپ کو ان کا طرز عمل سناؤں۔ اس وقت کی بات ہے جب مولا صرف میرے پہلے امام نہیں تھے بلکہ سارے مسلمانوں کے خلیفہ بھی تھے۔ حکومت علیؑ کو قائم ہوئے پانچ سال ہو چکے ہیں۔ وہ ابن ملجم آتا ہے جس کی تلوار سے علیؑ قتل ہونے والے ہیں۔ پیغمبرؐ خبر دے گئے ہیں۔ علیؑ تم اس کی تلوار سے قتل ہوگے۔ علیؑ پہچانتے ہیں کہ یہ میرا قاتل ہے۔ وہ آتا ہے بیعت کرنے کے لیے۔ علیؑ بیعت لیتے ہیں اور جب جانے لگتا ہے تو کہتے ہیں کہ تم بیعت توڑنا نہیں۔ جب آگے بڑھتا ہے تو علیؑ ایک شعر پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس سے محبت کر رہا ہوں۔ مگر یہ میرا قاتل ہے۔ علیؑ کے گرد علیؑ کے چاہنے والے اصحاب بیٹھے

ہیں۔ وہ کہتے ہیں مولا جب یہ آپ کا قاتل ہے تو اسے جانے کیوں دیتے ہیں
اسے قتل کیوں نہیں کر دیتے۔ علیؑ جواب دیتے ہیں اس سے ابھی بُرائی ظاہر
نہیں ہوئی تو سزا کس بات پر دی جائے۔ معلوم ہوا جانتے ہیں کہ بُرا ہے
مگر اس وقت تک محبت کرتے ہیں جب تک بُرائی سامنے نہیں آجاتی
علیؑ کا پیغام ہے۔ کہ تم دنیا سے اگر بُرائی مٹانا چاہتے ہو تو اپنی نفرت
کو بُرائی تک محدود رکھو۔ بُروں سے نفرت کرو گے تو اچھا کیسے بناؤ گے۔
امام حسنؑ کی زندگی کا واقعہ سناؤں۔ وہ امام حسنؑ جنھوں نے صلح کر کے
گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی ہے مدینے میں ہیں۔ امیر
شام یزید کے باپ دولت و حکومت و سیاست صرف کر کے ساری
دنیا کو اہلبیتؑ سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ شام کا ایک شخص مدینے
آتا ہے۔ راستے میں میرے مولا امام حسنؑ اسکے ملتے ہیں۔ وہ پہچانتا ہے
یہ ہیں حسن ابن علیؑ۔ آپ کو دیکھتے ہی اس کے پاس گالیوں کا سخت اور
نازیبا الفاظ کا جتنا ذخیرہ تھا امام حسنؑ کو بُرا بھلا کہنے میں وہ پورا ذخیرہ صرف
کر دیتا ہے۔ اور علیؑ کی تصویر۔ نبیؐ کی تصویر۔ حسنؑ خاموش کھڑے سنتے
رہتے ہیں۔ دنیا دیکھے اگر بُرائی سے نفرت کی جاتی ہے۔ بُرے سے محبت
کی جاتی ہے تو بُرا بُرائی چھوڑ کر اچھا بن جاتا ہے۔ امام حسنؑ اپنے لئے گالیاں
سنتے رہے۔ نازیبا الفاظ سنتے رہے یعنی اُن سو لفظوں میں سے ایک لفظ
کیا آدھا لفظ بھی اگر کوئی مجھ کو یا آپ کو کہہ دے تو ہم آپے سے باہر ہو جائیں۔
جھگڑے پر قابو نہ پائیں۔ مگر جو ہمارا امام ہے اتنا نفس پر قابو رکھتا ہے کہ سب

سنتے رہے۔ جب اس کے پاس بُرا بھلا کہنے کے لئے لفظ نہ رہ گئے اور تھک
گئی اس کی زبان۔ تو ایک مرتبہ مسکرا کے امام حسنؑ آگے بڑھے۔ دنیا نے
دیکھا کہ حسنؑ آگے بڑھے۔ میری نظر نے دیکھا رحمت مجسّم آگے بڑھی۔
وہ آگے بڑھا جس کے سینے میں رحمت العالمین کا دل تھا۔ جس کے نیچے
میں علیؑ جیسا دل تھا۔ کہا بھائی تو مسافر معلوم ہوتا ہے اگر تیرے پاس
سواری نہ ہو تو دے دوں۔ لباس نہ ہو تو دے دوں۔ ٹھہرنا چاہتا ہے تو
مکان دے دوں۔ سفر کے لئے زادِ راہ نہ ہو تو زادِ راہ دے دوں۔ قرضدار
ہو تو قرض ادا کر دوں۔ بچوں کے لئے ذریعۂ معاش نہ رکھتا ہو تو ذریعہ معاش
فراہم کر دوں۔ یعنی اس نے اپنے ذہن کی ساری طاقت صرف کی تھی کہ کوئی
سا بڑے سے بڑا لفظ مل جائے جو حسنؑ کو کہہ دوں۔ اور امام حسنؑ اپنا
ذہن صرف کر رہے ہیں کہ ایک انسان کی کون سی ایسی ممکن ضرورت
ہو سکتی ہے جس کا نام لے کر پوچھ لوں کہ تجھے یہ چاہئے۔ سوالات فرماتے
ہیں۔ غلام چاہیئے۔ عزیز چاہیئے۔ گھر چاہیئے۔ مسافرت میں زادِ راہ چاہیئے
تجھے جو چاہیئے وہ دے دوں۔ حسنؑ بولتے رہے دشمن چپ رہا۔ جب امام
حسنؑ سب پوچھ چکے تو اس نے کہا جب تمہیں دیکھا تھا تو میں زمین پر
تمہارا بدترین دشمن تھا لیکن اب تم سے زیادہ مجھے کوئی پیارا نہیں ہے
جو گالیاں کھانے والا اس طرح اپنے دشمن سے محبت کرسکے وہ یقیناً
اپنے وقت کا محمد مصطفےٰؐ ہے۔ وہ یقیناً جانشین محمد مصطفےٰؐ ہے لہٰذا
ہاتھ بڑھاؤ۔ میں تمہارے ہاتھ پہ بیعت کر دوں گا۔ بیعت کر کے آیا امام

حسنؑ کے ساتھ رہا۔ آپ ہی کے قدموں میں اس نے دم توڑا۔ مگر ساتھ چھوڑ کر نہیں گیا۔ یہ کیوں ہوا۔ یہ اس لئے ہوا کہ امام حسنؑ نے برائی سے نفرت کی۔ مگر بُرے سے نفرت نہیں کی۔ اگر بُرے سے نفرت کرتے تو دشمنی اور بڑھ جاتی۔ تیسرا واقعہ امام حسینؑ کا سناؤں۔ کل میں نے آپ کو امام حسینؑ کی تقریر سنائی تھی جو انھوں نے کربلا میں عاشور کے دن کی تھی۔ حسینؑ نے عاشور کے دن یزیدی فوج کے سامنے تقریریں کیں۔ کل میں نے خلاصہ سنایا تھا۔ اس کا جو حصّہ باقی ہے وہ آج سنائے دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ تقریر نہیں کی۔ بلکہ صبح سے لے کر عصر عاشور تک چار مرتبہ تقریر کی۔ بُرائی سے نفرت بُرے سے محبت کرنا لفظوں میں کہنا سننا آسان ہے۔ مگر اسے کر کے دکھانا یہ ہادیٔ اعظم اور ان کے اہلبیتؑ کا کارنامہ ہے۔ حسینؑ عاشور کے دن ایک مرتبہ نہیں چار مرتبہ تقریر کرتے ہیں اور چاروں مرتبہ تقریر میں یہی پوچھتے ہیں کیوں قتل کرتے ہو؟ کیا میں نے دین بدلا ہے۔ کیا حرام و حلال کو بدلا ہے۔ تم میں سے کسی کے جان و مال عزت و آبرو میرے ذمے باقی ہے۔ مجمع نے یہی جواب دیا جو آپ نے سنا ہے کہ تم کو قتل کرتے ہیں اگرچہ تم نے دین میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ہماری جان و مال کا کوئی حق تمھارے ذمے نہیں ہے لیکن تمھارے باپ سے ہم کو نفرت تھی لہذا ان کے عوض تم کو قتل کریں گے۔ یہاں تک میں نے کل سنایا تھا۔ آج جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حسینؑ نے جب

جیسے پہلی مرتبہ تقریر کی تھی کہ تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو تو حسینؑ کی تقریر سن
کے پسر سعد کی فوج کے دو سپاہی نکلے حسینؑ کی خدمت میں آنے کے لئے
ان میں آگے جو تھا اس کا نام تھا حُر۔ حُر آئے جب حسینؑ نے پہلی تقریر
کی۔ تقریر کے بعد حُر نے پسر سعد سے پوچھا۔ کیوں پسر سعد اب حسینؑ سے
صلح نہیں ہوگی۔ کہا نہیں۔ صلح ممکن نہیں۔ کہا یہ تو سوچ لے کون ہیں حسینؑ۔
کہا سب سوچ لیا۔ جب حُر لشکر سے آگے بڑھ رہے تھے۔ تو پہلے لشکر
نے یہ سمجھا کہ حُر اس لئے بڑھ رہے ہیں کہ جنگ کرنا چاہتے ہیں مگر جب
لشکر سے نکل کر حسینؑ کے قدموں میں سر ڈال دیا تب پتہ چلا حُر لڑنے
نہیں گئے ہیں۔ یزید کا لشکر چھوڑ کر حسین کی طرف آگئے ہیں۔ آج گذارش
کرنا ہے۔ کہ جس حسینؑ کا ہم دس دن ماتم کرتے ہیں۔ ذرا آگے یہ تو دیکھو
کہ وہ اپنے سینے میں کلیجہ کتنا بڑا رکھتا ہے۔ حسینؑ کے سامنے حُرؑ آئے۔
ان کا بیٹا آیا۔ جب حسینؑ نے پہلی تقریر کی تو پہلی تقریر کے نتیجے میں دو
آدمیوں پہ اثر ہوا۔ آگئے حُر اور آکے حسینؑ کے قدموں پر سر رکھ کہا
تیرا خطا کار آیا۔ تیرا گنہگار آیا۔ حسینؑ نے جھک کر حُر کو اپنے سینے سے
لگایا۔ یہ نہیں کہا تیری خطا معاف کر دی۔ حسینؑ یہ سمجھتے، اس کے معنی ہوتے
کہ پہلے خطا کار گنہگار کہہ لیتے تب خطا معاف کرتے۔ حسینؑ کریم ابن
کریم تھے۔ انھوں نے خطا کار کہہ کے معاف کیا تو کیا فائدہ۔ بازو پکڑا
اٹھا کر کلیجے سے لگا لیا۔ حر مبارک ہو تیری ماں نے تیرا بڑا اچھا نام رکھا
تو دنیا میں بھی آزاد آخرت میں بھی آزاد۔ یعنی حسینؑ نے اپنے گنہگار

سب کا گناہ معاف کیا بغیر اگر مگر، گناہ دیکھے بغیر۔ یہ ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا مزاج۔ حسینؑ نے پہلی تقریر کی، حُر آئے، خطا کی معافی مانگی۔ حسینؑ نے اس حُر کو معاف کیا۔ جنہوں نے راستہ روکا تھا اگر نہ روکا ہوتا راستہ تو حسینؑ کربلا نہ آتے۔ اب تک جو مصیبتیں حسینؑ پر پڑی تھیں ان میں حُر کا حصہ تھا۔ لیکن جب حُر نے آکے قدموں پہ سر ڈالا تو حسینؑ نے پچھلی خطائیں معاف کیں۔ حسینؑ یہی تقریر ظہر سے پہلے بھی کرتے ہیں، ظہر کے بعد بھی کرتے ہیں۔ اور حسینؑ یہی تقریر اس وقت بھی کرتے ہیں جب ذوالفقار سے ننھی قبر کھود کے علی اصغرؑ کی میت کو خاک میں چھپا چکے ہیں۔ ابھی میرے دوست نہیں محسوس کریں گے کہ میں کس اہم بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ جب تک میں خود ہی اپنے بیان کو آگے نہ بڑھاؤں۔ اصغرؑ کی میت دفنانے کے بعد جب حسینؑ نے آخری مرتبہ کہا اے یزید کے سپاہیو تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ تو سوچئے۔ جیسے صبح کی تقریر سن کر حُر چلے آئے تھے۔ ایسے ہی میت اصغرؑ کے دفنانے کے بعد جب حسینؑ تقریر کر رہے تھے تو اس کا امکان تھا کہ پھر کوئی سپاہی نکل آتا اور کہتا مولا میں نے غلطی کی تو جیسے حسینؑ نے حُر کو سینے سے لگایا تھا۔ حسینؑ کو اس نکلنے والے کو بھی لگانا پڑتا۔ جب حسینؑ آخری تقریر کر رہے تھے اگر اس وقت حرملہ پہ ویسا اثر ہو جاتا جیسا صبح کو حُر پہ ہوا تھا یا اس سنگدل پہ اثر ہو جاتا جس نے اکبرؑ کے کلیجے پہ نیزہ مارا تھا۔ اس ظالم پہ اثر ہو جاتا۔ جس نے عباسؑ کے شانے کاٹے تھے اس بے درد پہ اثر ہو جاتا۔

جس نے قاسمؑ پہ زندگی میں گھوڑے دوڑائے اور یہ چار آدمی ساتھ ہو نکلتے۔ اور حرؑ کی طرح اپنا سر حسینؑ کے قدموں میں ڈال دیتے۔ کہ مولا تیرا گنہگار آیا ہے۔ تو حسینؑ کو وہی طرزِ عمل اختیار کرنا پڑتا۔ جو حرؑ کے ساتھ کر چکے تھے۔ یعنی اگر حرملہ آ کر غلطی مانتا یا وہ جس نے عباسؑ کے شانے کاٹے تھے یا وہ جس نے اکبرؑ کے کلیجے پر نیزہ مارا تھا۔ تو حسینؑ سب کی غلطی معاف کرتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دفنِ اصغرؑ کے بعد حسینؑ جب تقریر کرنے کھڑے ہوئے تھے تو تقریر کرنے سے پہلے یہ طے کر کے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے برائی سے نفرت ہے۔ بُرے سے نفرت نہیں ہے۔ حرملہ جس نے میرے اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا چکا ہے اگر برائی چھوڑ کر آ جائے تو اسے معاف کرنے پہ تیار ہوں۔ جس نے میرے اکبرؑ کے کلیجے پہ نیزہ لگایا ہے۔ اسے میں بخشش دوں گا۔ جس نے میرے شیر کے شانے کاٹے ہیں۔ اگر برائی کو ترک کر کے اب بھی آنے پر تیار ہو جائے۔ تو میں اسے معاف کرنے پہ تیار ہوں۔ جس نے زندگی میں قاسمؑ پہ گھوڑے دوڑائے ہیں۔ اگر میری تقریر سن کے غلطی معاف کرانے آتا ہے تو میں اسے معاف کرنے پہ تیار ہوں۔ حسینؑ بخشنے پر تیار تھے تقریر کرنے اٹھے تھے۔ یعنی حسینؑ تقریر نہیں کر رہے ہیں بلکہ آواز دے رہے ہیں۔ حرملہ آ جا غلطی کی معافی مانگنے کے لئے اب بھی آ جا۔ میں تجھے معاف کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اس لئے کہ میں اس محمدؐ کے مشن پہ چل رہا ہوں۔ جس کا مشن برائی سے نفرت کرنا ہے نہ کہ بُرے سے نفرت کرنا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اتنی دشمنی کرنے کے باوجود: میں نبیؐ و آلِ نبیؐ کے کردار کو

کے تذکرہ کا حق ادا نہیں کر سکا۔ میں بھی تھکا آپ بھی تھکے اور حق ادا نہ ہو سکا۔ تو سوچو جنکی ذمہ داریوں کا بیان کرنا، سننا اور سمجھنا اتنا مشکل ہے۔ کتنا بڑا بوجھ تھا جو مرسل اعظم لے کر آئے تھے جس میں اہل بیت پیغمبر شریک تھے۔ جنھوں نے طے کیا تھا کہ قیامت آجائے گی اور قیامت کے آجانے تک مذہب پروردگار عالم کو مٹنے نہیں دیں گے دیکھو میرے بھائیو۔ جناب عیسیٰؑ دنیا سے چلے گئے۔ آج عیسائی اس مذہب پر باقی نہیں ہیں۔ جو جناب عیسیٰؑ کا مذہب تھا۔ جناب موسیٰؑ دنیا سے چلے گئے مگر آج یہودی اس مذہب پر باقی نہیں ہیں جو جناب موسیٰؑ کا مذہب تھا۔ مگر سرور کائناتؐ دنیا سے چلے گئے۔ آج بھی مسلمان اس مذہب پر باقی ہیں۔ لوگ کہیں گے تم نے ابھی دو دن پہلے بار بار سنایا ہے کہ پیغمبرؐ نے کہا ہے تہتر فرقے پیدا ہوں گے۔ سب دوزخ میں صرف ایک جنت میں جائے گا۔ تو جو دوزخ میں جائیں گے وہ پیغمبرؐ کے راستے پر کہاں۔ تو میرے بھائی جہاں میں نے یہ سنایا۔ وہاں یہ بھی تو سنایا کہ پیغمبرؐ نے کہا ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ محمدؐ کے نہ ہونے کے باوجود آل محمدؐ کی قربانیوں کا یہ اثر ہے کہ تہتر فرقوں میں بٹ جانے کے بعد بھی ایک فرقہ سچے اسلام پر باقی رہ جائے گا۔ موسیٰؑ کا سچا دین نہیں باقی رہ گیا۔ عیسیٰؑ کا سچا دین نہیں باقی رہ گیا۔ مگر پیغمبرؐ کا سچا دین باقی رہ گیا کیوں باقی رہ گیا۔ جناب موسیٰؑ تنہا آئے تھے۔ جناب عیسیٰؑ تنہا آئے تھے۔ اپنے ساتھ صرف کتابیں لائے تھے مگر آں

کے بعد ان لوگوں نے جو اقتدار کے بھوکے تھے۔ انھوں نے اپنی
کے مطابق دین بدل لیا۔ مگر پیغمبرؐ کا سچا دین باقی رہ گیا۔ کیوں کہ آپ
اپنے ساتھ اہلبیتؑ بھی لائے تھے۔ اہلبیتؑ نے کہا ہم ہتھکڑیاں
لیں گے، ہم جلاوطنی گوارا کر لیں گے، ہم اپنا خون بہنا گوارا کر لیں
ہم اپنی نسلوں کا خون بہنا گوارا کر لیں گے، ہم صدیوں تک اپنے
میں ڈوبتے رہیں گے مگر مذہب پروردگار عالم باقی رکھیں گے
فرقے کا نتیجے مذہب پہ باقی رہنا اُن قربانیوں کا نتیجہ ہے
پیغمبرؐ سے لے کر گیارہ اماموں نے پیش کی ہیں۔ اب اس کے بعد
اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قربانی
کہنا بڑا آسان ہے مگر قربانیاں دے کر جس طرح دنیا
سامنے آلِ محمدؐ نے اس مذہب کو باقی رکھا ہے اس کے
محسوس کرنا بہت دشوار ہے۔ آج چوتھی محرم تھی جو گذر
دوسری محرم کو مدینے سے چلا ہوا قافلہ کربلا میں آ کے ٹھہرا
تو عباسؑ و اکبرؑ و قاسمؑ و عونؑ و محمدؐ نے بیبیوں کے خیمے نہر
کنارے لگا دیئے۔ آج چوتھی محرم ہے یعنی آج وہ دن
جس دن پسرِ سعد چار ہزار کا لشکر لے کر کربلا میں آیا اور آتے
حکم دیا ہے کہ حسینؑ کے خیمے فرات کے کنارے سے ہٹا دیے
جائیں۔ یہ میں آپ کو پہلے سنا چکا ہوں کہ اس پیغام کو سن کر عبا
کیسے بپھر سے گئے۔ عباسؑ کی زندگی میں خیمے کیسے فرات کے کنا

سے بیٹھے تھے۔ لیکن اس وقت جو سنانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میرے
بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ سات محرم وہ تاریخ ہے جس تاریخ سے
حسینؑ کے خیموں میں پانی نہ تھا۔ مگر مجھے یاد دلانا ہے کہ سات محرم
وہ تاریخ نہیں ہے۔ جس دن سے پانی ملنا بند ہوا بلکہ سات محرم وہ
وہ تاریخ ہے جس دن سے خیموں میں پانی نہ تھا۔ ورنہ آج چوتھی
محرم کو فرات کے کنارے سے جو خیمے ہٹائے گئے تو اس کے
بعد پہرا بٹھا دیا گیا۔ بس خیموں میں جو مشکیزے تھے۔ ان مشکیزوں
میں جو پانی تھا۔ بس یہی پانی لے کے سیدانیاں جلتی ہوئی ریت پہ
جا کر بیٹھی تھیں۔ اسی پانی کو سیدانیاں بچوں کو پلاتی رہیں۔ اور
خود پیاسی رہیں۔ ساتویں کی صبح کو پانی کا ایک قطرہ خیموں میں
نہ تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ساتویں کی صبح نام ہے اس صبح کا
جس کے بعد سے سب پیاسے ہیں۔ یعنی سکینہؑ بھی پیاسی ہیں اصغرؑ
بھی پیاسے ہیں۔ امام محمد باقرؑ بھی پیاسے ہیں۔ لیکن مجھے آج تک نہیں
معلوم ہو سکا اور میں مصائب پڑھتے پڑھتے دنیا سے گزر بھی جاؤں
تب بھی مجھے نہیں معلوم ہو سکے گا کہ بیبیاں کب سے پیاسی
ہو گئی تھیں۔ عباسؑ کی پیاس کب سے شروع ہوئی۔ حسینؑ کی پیاس
کب سے شروع ہوئی۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ آج چوتھی
محرم کو فرات کے کنارے سے خیمے اٹھائے گئے تو رباب کے
خیمے میں مشک میں تھوڑا سا پانی تھا۔ زینبؑ کے خیمے میں مشک

میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اور سب کو معلوم تھا اب دریا پہ پہرا بٹھا دیا گیا اب پانی نہیں ملے گا۔ میں نے کتاب میں نہیں پڑھا مگر رونے والو بتاؤ کیا رباب خود پییں گی پانی یا اصغرؑ کو پلائیں گی۔ ماں خود پیے گی پانی یا سکینہؑ کو پلائے گی۔ زینبؑ خود پییں گی یا محمد باقرؑ کو پلائیں گی عباسؑ خود پییں گے یا بچوں کو پلائیں گے۔ حسینؑ خود پییں گے یا چھوٹوں کو پلائیں گے۔ معلوم ہوا ساتویں کی صبح سے تو سب پیاسے تھے مگر حسینؑ کی پیاس کب شروع ہوئی۔ زینبؑ کی پیاس کب شروع ہوئی، عباسؑ کی پیاس کب شروع ہوئی۔ یہ معلوم نہیں ہے۔ بس اسی طرح سے مجھے دو فقرے اور کہہ لینے دیجئے اور وہیں پہ مجلس تمام کر دوں۔ پیاس ہائے پیاس۔ وہ پیاس کہ جب اس کی یاد آتی ہے تو کربلا والے یاد آتے ہیں اور جب کربلا والے یاد آتے ہیں تو پیاسے چہرے یاد آتے ہیں۔ اللہ ان بچوں پیاسوں کی پیاس کتنی تاثیر تھی۔ کہ آج جس گلی سے گذرو بچے سبیل کا پانی لئے ہوئے تیار ہیں۔ پانی پی لو۔ اللہ جانے یہ اصغرؑ کی پیاس کا اثر ہے، خدا جانے یہ سکینہؑ کے پیاس کی تاثیر ہے۔ پتہ نہیں ان بہتر شہداؑ میں۔ ان پیاسے اسیروں میں کون اتنا پیاسا تھا۔ جس کی پیاس کا اثر یہ ہے کہ آج چاہے عورتیں بھول جائیں۔ مرد بھول جائیں، مگر چھوٹے چھوٹے بچے سبیل رکھنا نہیں بھولتے۔ اے میرے بچو! تم کیوں جگہ جگہ سبیل کا پانی پلا رہے ہو۔ شاید جواب دیں گے ہم اپنے شاہزادے اصغرؑ کا ماتم کرتے ہیں۔ ہم اپنی شاہزادی سکینہؑ کا ماتم کرتے ہیں۔

میں ایک چھوٹی سی روایت سناؤں اور اسی سکینہؑ کی مصیبت سناؤں حسینؑ
کے مصائب دو دن سے سنا رہا ہوں۔ آج بھی اسی شہزادی کے مصائب
پر مجلس تمام کروں۔ میں نے ابھی آپ کے سامنے کہا کب سے پیاس شروع
ہوئی نہیں معلوم۔ اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم کہ کون کب تک پیاسا
رہا۔ حسینؑ کا سر نوکِ نیزہ پر بلند ہو گیا۔ شہیدوں کو کوثر کے جام مل
گئے۔ مگر اسیروں کی پیاس باقی رہی۔ ان کو کبھی پانی ملا بھی ہے۔ مگر
جب تک یزید کی قید میں رہے تب تک ان کی پیاس باقی رہی گئی۔
حسینؑ کا کٹا ہوا سر کربلا سے کوفے آچکا ہے۔ اور کوفہ سے یہ لٹا ہوا
قافلہ یزید کے پاس دمشق بھیجا جا رہا ہے۔ نیزوں پر شہیدوں کے
سر ہیں۔ بے کجاوہ اونٹوں پر اسیر بیٹھے ہیں۔ پانچ سو یزید کا لشکر گھیرا
لے چل رہا ہے تاکہ حسینؑ کے چاہنے والے شہیدوں کے سروں یا
اسیروں کو چھین نہ لیں۔ جہاں پہ کوئی مطمئن جگہ ملتی ہے۔ یزید کے نائب
لئے سردار ملتے ہیں۔ وہاں پر سردار لشکر شمر اپنے قافلے کو روکتا
ہے۔ ایک منزل آتی ہے جس کا نام ہے حمص۔ قلعہ بنا ہے قلعہ کا سردار
یزید ملعون کا ماننے والا ہے۔ جب سنگ دل شمر کو معلوم ہوتا ہے کہ
لو قلعہ کا سردار جا رہا ہے تو لشکر کو آواز دیتا ہے۔ ٹھہر جاؤ میں تمہارے
نے پینے کا انتظام کرتا ہوں۔ شمر قاصد بھیجتا ہے۔ یزید کی فوج
ٹھہری ہے۔ کھانے پینے کا سامان لے کر آؤ۔ قلعے کا دروازہ کھلتا ہے۔
قلعے پر غلاموں کے کچھ مشکیزے ہیں۔ سروں پہ کچھ کشتیاں ہیں

جن میں کچھ کھانے پینے کا سامان ہے۔ یزید کے پیاسوں کو شمر کھانا پانی
تقسیم کرنا شروع کرتا ہے لشکر والے جب کھانے اور پانی سے سیراب
ہو چکے تھے تو زینبؑ جلتی ہوئی ریت پر جلتی ہوئی دھوپ میں اپنے
کمسن بچوں کو لئے بیٹھی تھیں ان پر سایہ بھی نہ تھا۔ گود میں سکینہ تھیں۔
جن کو پیاس میں نے کل سنائی تھی۔ پانچ برس کی سکینہؑ آج بھی پیاسی
ہے۔ شمر کو پانی پلاتے دیکھا تو غیرت دار سکینہ نے اپنی پھوپھی کا چہرہ دیکھا۔
پھوپھی اماں۔ نے میری اچھی پھوپھی۔ اگر تم اجازت دے دو۔ تو جا شمر سے
پانی مانگ لوں۔ زینبؑ کا دل نہیں چاہتا کہ حسینؑ کی بیٹی اپنے باپ کے قاتل سے
پانی مانگے۔ مگر زینبؑ سکینہؑ کو کس کے سہارے روکے۔ اب عباسؑ
واکبرؑ نہیں ہیں جو پانی لا دیں گے۔ تم زینبؑ چپ رہیں۔ سننے سے
پہلے میرے بھائیو اور میری بہنو! نظروں کے سامنے ایک پانچ
برس کا بچہ رکھ لینا۔ زینبؑ چپ رہیں۔ سکینہؑ مرضی سمجھ کر اٹھی چلی
ساتھ، ننھے ننھے ہاتھ پیر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی ہوئی سنگ دل
شمر کے پاس آئیں جو باپ کا قاتل تھا کہا دیکھو میرے ہونٹ پر
پپڑیاں ہیں۔ دیکھ میری زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔ حلق خشک
ہے۔ جگر جلا جاتا ہے۔ تیرے پاس پانی کم نہیں ایک گھونٹ پانی
پلا دے۔ شمر سے حسینؑ نے مانگا تھا پانی اس نے کہا تھا
حسینؑ ساری زمین پانی پانی ہو جائے تو ایک قطرہ پانی نہ دوں گا
وہی شمر سکینہؑ سے کہہ دیتا کہ پانی نہ دوں گا۔ تو بھی صبر کر لیتا لیکن ظالم

نے سکینہؑ سے یہ نہیں کہا کر پانی نہ دوں گا۔ سُنا اور چپ رہا۔ بچی سمجھی سب رانیوں کو پلائے گا تب پلائے گا۔ شمر پانی پلاتا رہا۔ پانچ برس کی چھوٹی بچی قدم رکھتی ہوئی پیچھے پیچھے گئی۔ ارے مجھے بھی دے دے پانی۔ دل والو، اولاد والو! سوچو بچی کہاں تک چلتی شتاب تھک گئی۔ ایک جگہ بیٹھ گئی: سوچا جب سب کو پلائے گا تب دے گا پانی۔ جب سب کو پلا چکا سکینہؑ پھر آ گئی۔ ارے ایک گھونٹ دیدے پانی۔ شمر نے ایک قدم بڑھا کے مشکیزہ کا دہانہ کھولنا شروع کیا۔ ننھی بچی سمجھی۔ مجھے پانی دینے کے لئے مشکیزہ کا منہ کھول رہا ہے۔ سکینہؑ جب آگے بڑھیں شمر نے رُخ بدل کر زمین پر گرا دیا پانی۔ پیاسی سکینہؑ نے ایک مرتبہ شمر کا چہرہ دیکھا۔ اور گر کے تڑپنے لگی جہاں پہ پانی گرا تھا۔ شمر نے طمانچے مارے بچی اور تڑپی۔ اور ایک مرتبہ اٹھ کے عراق کا رُخ کیا۔ اے میرے چچا۔ تیرے بعد سکینہؑ کو پانی پلانے والا کوئی نہیں مجبور پھوپھی زینبؑ دوڑی سکینہؑ کو کلیجے سے لگایا۔ اے میری بیٹی تیرا باپ نہیں، تیرا چچا نہیں، تیرے حال پر کوئی رحم کھانے والا نہیں میری بچی صبر کر لے۔ نہ مانگ پانی۔

باسمہ سبحانہ

مجلس ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم

اس آیۂ کریمہ کے بارے میں کل میں نے جس سلسلۂ کلام کو شروع کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہادی اعظم محبوب کبریا حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ہدایت کی جو ذمہ داری لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ جس دشوار راستے کو طے کرنے آئے تھے وہ بہت دشوار گذار تھا۔ اور حضور نے اسے جس کامیابی کے ساتھ طے کیا ہے وہ تاریخ کا ایک شاہکار ہے۔ اسی کے چند باب آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حضورؐ صرف عربوں کی ہدایت کے ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ ساری دنیا کو ہدایت یافتہ بنانے کی ذمہ داری تھی۔ یہ ذمہ داری کسی منزل پہ ختم ہونے والی نہیں تھی جب تک بنی آدم کی نسل قیامت تک ختم نہ ہو جائے۔ تب تک ہدایت کو باقی رکھنا تھا غرضکہ پیغمبرؐ ہدایت کی غیر محدود ذمہ داری لے کر گئے۔ تبلیغ کا کام کن انسانوں میں شروع کیا اگر ان انسانوں کا مفصل حال سناؤں تو دیر لگے گی لیکن دو لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ پیغمبرؐ جب عربوں میں کھڑے ہو کر تبلیغ کی مہم اور محاذ کا آغاز کر رہے تھے۔ اس وقت کا انسان خود

فراموش بھی تھا۔ اور خدا فراموش بھی۔ نہ اُسے اللہ ہی یاد تھا اور نہ اُسے
محسوس تھا کہ انسان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ بڑا دشوار ہوتا ہے کسی ایسے
انسان کو راہِ راست پر لانا اور کامل و عالم انسان بنانا۔ جو خدا کو
خدا۔ خود اپنی حقیقت بھی بھول گیا ہو۔ خود فراموش کیسا ہوتا ہے
اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال کا سہارا لیتا ہوں۔ ایک آدمی
جس کا توازن ذہنی کم تھا شرک، ہنگامہ کرکے اس نے کچھ دکانوں
کو نقصان پہونچایا۔ جن کو نقصان پہونچا اُن دکانداروں نے اس
کو مارنا شروع کیا۔ مگر اس نے بگڑنے کے اندر چوٹ محسوس
کرنے اور تکلیف کا اظہار کرنے کے بجائے ہنسنا شروع کیا۔ لوگ
جتنا اُسے مارتے تھے اتنا ہی اُس کا قہقہہ بلند ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ
لوگ تھک کر سوچنے لگے کہ اس کو مارنے سے کیا فائدہ۔ جتنا
مارو اتنا ہی ہنستا ہے۔ کسی نے کہا ذرا پوچھو تو یہ ہنستا کیوں ہے
لوگوں نے کہا بھائی مارنے پر لوگ روتے ہیں بگڑتے ہیں۔ ہنستے
نہیں۔ تم ہنستے کیوں ہو۔ کہنے لگے ہنس رہے ہیں آپ لوگوں کی عقل
پر۔ پوچھا وہ کیسے۔ کہنے لگے۔ اس بات پر ہنس رہا ہوں کہ آپ جس
کو سمجھ کے مار رہے ہیں۔ وہ میں نہیں ہوں۔ سوچنے کی بات ہے
کہ مار کھا رہے ہیں۔ مگر اپنے دماغ میں تصور رکھے ہیں کہ جس کو
سمجھ کر مار رہے ہیں۔ چونکہ وہ میں نہیں ہوں۔ لہٰذا مارنے
والے بیوقوف ہیں۔ یہ ہے خود فراموشی کی منزل جہاں آدمی اپنی

حقیقت بھی نہیں پہچانتا۔ حالانکہ اسے سمجھنا چاہیے تھا کہ کسی کے خیال
میں سمجھ کر مار رہے ہوں۔ مگر مار تو مجھ پر پڑ رہی ہے۔ اگر کوئی آدمی
اس منزل پر ہو کہ مار کھا رہا ہو۔ مگر خوش ہو کہ مار مجھ پر پڑ رہی ہے
لیکن لوگ مجھے سمجھ کر مار رہے ہیں۔ وہ میں نہیں۔ ذرا بتلائیے اگر
ایسا آدمی آپ کے حوالے کیا جائے کہ اسے پڑھا لکھا کر عالم دین
بنا دیجئے۔ انسان بنا دیجئے۔ آپ کہیں گے جو اپنی ذات کی حقیقت نہیں
پہچانتا اسے میں خدا کو کیسے پہچنواؤں؟ اسے دوسروں کے حقوق کیسے
پہچنواؤں۔ اسے انسانوں سے فرق کیسے پہچنواؤں۔ یاد رکھئے۔
حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ جب عرب میں تبلیغ کرنے کھڑے
ہوئے تو عرب کا انسان اسی منزل پر تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنا
خون بہا رہا تھا۔ مگر وہ سمجھتا کہ کسی اور کا خون بہا رہا ہے۔ عرب کا انسان
غصے میں اتنا ڈوبا، انتقام کے جذبے میں اتنا سرشار تھا کہ وہ اپنے
دشمن کا صرف گلا کاٹنے پر خوش نہ ہوتا بلکہ گلا کاٹ کے اس کے گلے
سے بہتے ہوئے خون کو منہ لگا کر پیتا تھا۔ اس پر بھی خوش نہ ہوتا بلکہ
دشمن کی میت کے ہاتھ پیر، ناک، کان کاٹ کے سینہ چاک کر کے
دل اور کلیجہ نکال کر بطور زیور کے پہنتا۔ ذرا سوچئے جو غصے میں
اتنا ڈوبا ہو۔ جنگل کے جانوروں سے جس کا غصہ بدتر ہو۔ مزید
برآں ان وحشیانہ افعال کے بعد وہ اپنے کو باعزت سمجھتا ہو بلکہ
سوسائٹی بھی اس کو باعزت مانتی ہو۔ تذکرے اس طرح ہوتے ہوں

کہ اس نے دس آدمیوں کا خون پیا ہے۔ اس نے بیس آدمیوں کے کلیجے کا ہار پہنا ہے۔ ایسے درندہ صفت انسانوں کے درمیان کسی کا پیغام انسانیت سنانا کتنا مشکل تھا جب کہ اس کے ہاتھ میں تلوار نہ ہو۔ اس کے پیچھے کوئی فوج نہ ہو۔ اپنے ساتھ کوئی خزانہ لایا ہو۔ بلکہ صرف اپنے کردار کی تلوار لایا ہو۔ صرف اپنی سیرت کا خزانہ لایا ہو۔ صرف اپنے اخلاق کی فوج لایا ہو۔ ان حالات میں صرف پیغام سنانا ہی مشکل تھا چہ جائیکہ بات منوانا۔ الفاظ مدح نہیں کر سکتے اس عظیم المرتبت انسان کی جس نے ان حالات میں عظیم کرداری انقلاب پیدا کیا۔
اس انقلاب کے سمجھنے سے پہلے ایک مسئلہ کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ پیغمبرؐ کے سامنے ایک کام بہت آسان تھا مگر پیغمبرؐ نے اسے منع کیا۔ دوسرا کام جو بہت مشکل تھا پیغمبرؐ نے اسے اختیار کیا۔ اس لئے کہ پہلا راستہ آسان ضرور تھا مگر وہ پیغمبرؐ کا مقصد نہیں تھا۔ دوسرا مشکل ضرور تھا مگر وہی پیغمبرؐ کا مقصد تھا۔ عربوں کو جمع کرنے کا آسان راستہ یہ تھا کہ پیغمبرؐ ان میں قومیت کا جذبہ ابھارتے ہندوستان کا بسنے والا آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جب ہم غلامی میں تھے۔ لیڈروں نے ہمیں پیغام آزادی سنایا کہ اگر تم آزاد ہو گئے تو حکومت تمہاری ہوگی جو پڑھے لکھے تھے وہ تو اس آواز پہ چلتے ہی لیکن دیہاتوں کے رہنے والے جاہلوں گنواروں نے بھی قربانیاں دیں کیونکہ پڑھے لکھے اور جاہل سب میں قومیت

کا جذبہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔ خصوصاً جب حکومت کی لالچ ہو
جب یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی حکومت ہوگی، راج اپنا ہوگا۔ سڑکیں اپنی
ہوں گی۔ زمین اپنی ہوگی، ہوائی جہاز اپنے ہوں گے۔ ملک اپنا ہوگا
یہ وہ تصورات ہوتے ہیں کہ جن سے جاہلوں اور تعلیم یافتہ سب
کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ذریعہ جماعت تیار ہو جاتی ہے
ہندوستان کا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا پیغمبرؐ کے لئے بھی
آسان تھا کہ وہ بھی عربوں سے کہتے تم کیا ٹکڑوں میں بٹے
ہوئے ہو۔ تمہارے ایک طرف ایران حکومت کر رہا ہے۔
دوسری طرف روم میں حکومت ہو رہی ہے۔ آؤ متحد ہو، اپنی عرب
حکومت قائم کرو۔ قومیت کے نام پہ جاہل عربوں کو جمع کر لینا بہت
آسان تھا۔ اور اتنا آسان تھا کہ ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان اور
جتنے سردار جو پیغمبرؐ کے دشمن تھے۔ اگر پیغمبرؐ وطن اور قوم یا حکومت
کے نام پر ان کو جمع کرتے تو بجائے اس کے کہ ابولہب پیغمبرؐ سے
جھگڑتا، آپ کو مدد دینے پر تیار ہوتا۔ ابوجہل لڑنے کے بجائے مددگار
ہوتا۔ ابوسفیان تلوار کھینچنے کے بجائے آپ کا فدائی ہوتا۔ اگر میری
بات کا یقین نہ آئے تو یاد دلاؤں کہ پیغمبرؐ نے ابھی تھوڑے دن تبلیغ
کی ہے کچھ کامیابی شروع ہوئی کہ آپ کے پاس دشمنوں کا ایک وفد
جناب ابوطالب کے ذریعہ آتا ہے اور کہتا ہے ابوطالب جاؤ اور جا کے
اپنے بھتیجے سے یہ کہو کہ اگر وہ اپنے مذہب کی تبلیغ بند کر دیں تو ہم اپنی

اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں۔ جتنی دولت مانگیں وہ دینے پر تیار ہیں۔ جس
لڑکی کو پسند کریں وہ لڑکی ان کے ساتھ بیاہ دیں۔ پتہ چلا کہ اگر
پیغمبر دین چھوڑنے پر راضی ہوتے تو وہ کسی حکومت دینے پر تیار
تھے دولت دینے پر تیار تھے۔ لہٰذا اگر پیغمبر دین کی تبلیغ کے بجائے
شروع ہی سے حکومت کا نام لیتے تو قبیلے کے سردار آپ کو اپنا
سردار مان لیتے۔ آپکی حکومت شروع ہی سے قائم ہو جاتی۔ غرض کہ
جاہل عربوں کو وطنیت اور قومیت کے نام پر متحد کرنا بڑا آسان
کام تھا اور یہ کام ہمیشہ ہر عہد میں کامیاب رہا ہے۔ مگر پیغمبر
نے اس آسان کام کو چھوڑا۔ اور مشکل کام شروع کیا کہ میں حکومت
بنانے نہیں آیا۔ میں قومیت کا جذبہ ابھارنے نہیں آیا۔ میں وطن
کے نام پر کوئی پیغام نہیں لایا۔ میں تو انسان کے نام پیغام
لایا ہوں۔ چاہے وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کسی دوسری جگہ کا۔ عربی
ہو یا عجمی۔ قریشی ہو یا غیر قریشی عربی ہو یا عجمی میں دنیا کے ہر انسان
کے لیے پیغام لے کر آیا ہوں۔ نبی کھڑے ہیں عربوں کے درمیان
اور بات ساری دنیا کی کر رہے ہیں۔ جو سامنے کھڑے ہیں ان کو
کوئی لالچ نہیں دیتے۔ بلکہ آواز دیتے ہیں کہ میں سارے انسانوں
کی فلاح و بہبود کے لیے آیا ہوں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں سارے انسانوں
کو برابر سمجھتا ہوں۔ عرب و عجم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ میں مکہ کے رہنے
والے اور مکہ سے باہر رہنے والوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ پیغمبر جیسے

اپنی تبلیغ میں ایک ایک قدم آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ دنیا انکی دشمن ہوتی جا رہی ہے۔ جو اپنے کو سمجھتے تھے۔ کہ ہم عرب ہیں ساری دنیا سے اونچے ہیں۔ انھوں نے سوچا پیغمبر کہتے ہیں، سب انسان برابر۔ لہٰذا یہ ہماری عزت لینا چاہتے ہیں اس لئے وہ دشمن۔ نبیؐ نے کہا، قریشی اور غیر قریشی سب برابر۔ قریش نے کہا۔ دنیا میں ہم سب سے زیادہ باعزت ہیں۔ ان کا دین قبول کرنے کے معنی ہیں کہ ہم اپنی عزت کھو دیں۔ پیغمبر جیسے جیسے آگے بڑھ رہے ہیں ویسے ویسے بجائے دوست کے دشمن دنیا بڑھتی ہوتی جا رہی ہے۔ وطن اور قومیت کے نام پر جمع کرنا آسان تھا۔ انسانیت اور آدمیت کے نام پر جمع کرنا مشکل کام تھا۔ مگر میرے پیغمبر نے جو مشکل راستہ اپنایا۔ آسان راستہ نہیں اپنایا۔ اس لئے کہ دنیا میں وہ وطن و حکومت کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ انسانیت کی تعمیر کے لئے آئے تھے۔

صلوٰۃ۔ اور یہیں پہ دو لفظ اور کہہ لوں۔ وطن کے نام پر، قومیت کے نام پر، حکومت کے نام پر جو جماعتیں قائم ہوتی ہیں ان کے لئے دونوں راستے جائز ہوتے ہیں۔ وہ سیدھے راستے پہ بھی چل سکتے ہیں اور وقت پڑ جائے تو غلط راستے کو بھی اپنا سکتے ہیں۔ ان کے لئے پابندی نہیں ہوتی کہ وہ برائی مٹائیں مگر برائی اختیار نہ کریں۔ لیکن پیغمبرؐ جس راستے پہ چلے تھے وہ بال سے باریک ایک راستہ اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز تھا جس کا

کل آپ کے سامنے نقشہ رکھا تھا۔ پیغمبرؐ کی ذمہ داری تھی کہ وہ دنیا میں ہر
انسان کی برائی مٹا دیں۔ برائی سے نفرت کریں مگر برے سے نفرت نہ
کریں۔ دیکھیے۔ سینے میں کیسے دو متضاد جذبے رکھنا پڑتے ہیں ۔
ایک طرف برائی نظر آتی ہے تو دل پھٹتا ہے نفرت کے جذبے سے اور
جب برا نظر آتا ہے تو ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ کہنا بہت آسان
ہے کر کے دکھانا بہت مشکل ہے۔ میں نے کل کچھ نقشے رکھے
تھے۔ آج بھی کچھ نقشے رکھوں گا۔ اور انہیں کے سہارے واقعہ کربلا
تک پہنچنے کا راستہ صاف کرنا چاہتا ہوں۔ حضور سرور کائنات کا شغل
ہے سے ہمدردی کر کے برائی مٹانا ہے۔ البتہ اگر کوئی برا برائی
پھیلانے پر آمادہ ہو جائے۔ تو پھر نبیؐ اُسے الگ کرنے پر مجبور ہیں۔ا
گر وہ قوت استعمال کر کے برائی پھیلانا چاہتا ہے تو پیغمبرؐ تلوار
نی دینے کے لئے اٹھاتے ہیں تاکہ برائی پھیلانے والا اپنے مقصد
میں ناکام ہو جائے۔ میں نے کل آپ کے سامنے کہا تھا علاج
کرنے والا بیماری سے نفرت کرتا ہے۔ بیمار سے نفرت نہیں
کرتا۔ لیکن جب کوئی بیمار ایسا ہو جاتا ہے جو اپنی بیماری دوسرے
کو لگانے لگے تو پھر اُسے اکیلے وارڈ میں رکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ
گر اُسے آزادی دیں گے تو دوسروں کو بیماری لگا دے گا۔ بس
اسی طرح سے اسلام نے نجس پاک کے احکام دیئے ہیں۔
فلاں فلاں کے ساتھ نہ کھانا۔ ان سے شادی بیاہ نہ کرنا وغیرہ

کی بنیاد نفرت نہیں ہے۔ بلکہ پرہیز ہے۔ جیسے متعدی بیمار الگ رکھے
میں رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ دوسروں تک یہ بیماری نہ پھیلے۔ اسی طرح
سے نجاست طہارت کے احکام ہیں۔ تاکہ بیمار سوسائٹی اپنی بیما
کے جراثیم نہ پھیلا سکے۔ اسی طرح اگر ٹی بی کا کوئی مریض مصر ہو جائے کہ
دوسروں تک اپنی بیماری پھیلائے گا تو پھر اسے جیل میں ڈال دیا جائے
بس اسی طرح پیغمبر کو کسی سے جنگ کرنا پڑی ہے۔ کوئی برائی پھیلا
پھیلانے پر بضد ہوتا ہے۔ اور علاوہ تلوار کے اس کی برائی روکنے کا
کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا۔ تب پیغمبرؐ تلوار استعمال کرتے ہیں۔ میں
باتیں آپ کے سامنے ایک واقعہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں جنگ
خندق میں حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰؐ نے عمرو بن عبدود کے
پر سرور کائنات جناب علی ابن ابی طالبؑ کو روانہ کیا ہے علیؑ
جا رہے ہیں۔

جب کوئی بیماری کسی دوسرے انسان تک پھیلنے میں کام
کرتا ہے۔ تب درمیان میں طاقت آتی ہے۔ تاکہ مریض الگ رکھا
جائے۔ اور تندرست کو بچایا جائے۔ لیکن آج علیؑ کیسے جا رہے ہیں
ہندہ بھی خیام میں پڑی ہے عمرو ابن عبدود گھوڑے پر جم
پیدل جا رہے ہیں۔ سامنے جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے
تم پلٹ جاؤ۔ میں تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ ا
مجھ سے دوستی تھی۔ علیؑ جواب دیتے ہیں

کفر و اسلام میں رشتہ نہیں ہوا کرتا۔ میں تجھ سے لڑوں گا۔ اگر تو میری باتیں نہ مانے گا۔ کہا باتیں کیا کرنا چاہتے ہو۔ کہا میں نے سنا ہے کہ تیرا اعلان ہے کہ جنگ کے میدان میں دشمن اگر تین باتیں پیش کرتا ہے تو تین باتوں میں سے ایک بات ضرور مان لیتا ہے۔ کہا ہاں یہ اعلان ہے میرا۔ کہا تو پھر میں تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ وہ تین باتیں وہی ہیں جسے آپ نے بارہا سنا ہے۔ مجھ سے بھی سنا ہے مگر آج میں اس کو ایک نظریہ میں پیش کرتا ہوں۔ اسلام کا مشن برائی مٹانا مگر برے سے ہمدردی کرنا ہے۔ اور جب کوئی برا یعنی برائی پھیلانے پہ مصر ہو جائے۔ تو آخر میں تلوار استعمال کرتا ہے علیؑ نے کہا۔ پہلی بات یہ پیش کرتا ہوں کہ تو مسلمان ہو جا۔ یعنی تجھ میں کفر کی برائی ہے۔ اگر کفر کو چھوڑ کر الگ ہو جائے۔ تو پھر چونکہ ہم تجھ سے نفرت نہیں کرتے۔ تو ہم اپنا تجھے گلے لگا لیں گے۔ نہ پر تیار ہوا۔ علیؑ کا جو پہلا اعلان تھا اس بات کا کہ اسلام برائی کا مخالف ہے۔ برے کا مخالف نہیں ہے۔ اس نے کہا نہیں مسلمان تو نہیں ہوں گا علیؑ نے کہا۔ تو اگر مسلمان نہیں ہوتا تو میدان جنگ سے پلٹ جا۔ یعنی تو برائی نہیں چھوڑتا تب بھی ہم جنگ پہ تیار نہیں بشرطیکہ تو میدان سے پلٹ جا۔ اور اپنے مہار مذہب کے جراثیم اپنے تک رکھ اگر تو بیماری پھیلانا نہیں چاہتا تو ہم تجھ سے لڑنا نہیں چاہتے اس نے کہا پلٹوں گا بھی نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ برائی پہ باقی رہوں گا۔

اور تلوار کے ذریعے سے دوسرے کو برائی ماننے پر مجبور کروں گا۔ اب
علیؑ نے ذوالفقار نکالی۔ ہم بڑے سے نہیں لڑتے، ہم برائی سے
لڑتے ہیں۔ آپ کو یاد دلاؤں کہ دنیا کی ہر جنگ نے ایک اصول طے
کیا ہے کہ لڑائی میں برائی جائز ہے مگر اسلام اپنی لڑائی میں برائی کو
جائز نہیں مانتا۔ کیونکہ جو برائی مٹانے آیا ہے وہ برائی کو جائز
نہیں قرار دے سکتا۔ چنانچہ اسی خندق کی جنگ میں عمرو ابن عبدود
علیؑ کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ نبیؐ اس کا سر تسلیم کرتے ہیں۔ پیغمبرؐ
کے قدموں میں لا کے ڈال دیتے ہیں۔ برائی ختم ہو گئی۔ جو برائی پھیل رہی
تھی وہ روک دی گئی۔ مگر علیؑ نے زرہ نہیں اُتاری۔ وہ زرہ جو
سارے عرب میں مشہور تھی نہیں اتاری۔ اس کی وہ تلوار جو عرب
میں مشہور تھی نہیں لی۔ بس وہ مطلب تھا ہم کو برائی کو روکنا تھی۔
برائی جب پھیل رہی تھی جب وہ تلوار لے کر مسلمانوں کو دھمکا رہا تھا
کہ کفر کو مانو۔ ہم نے اس کی گردن کاٹ دی۔ اب برائی پھیل نہیں
رہی ہے۔ لہٰذا ہماری لڑائی بھی ختم ہو گئی۔ برائی سے لڑائی تھی
مگر لڑائی میں برائی جائز نہیں تھی۔ لہٰذا میرے لئے جائز نہ تھا
کہ میں اس کی زرہ اتارلوں یا اس کی تلوار لے لوں یا اس کے جسم سے
کپڑے اتار لوں۔ علیؑ کی اس روش کا اثر ہوا اور ایسا اثر ہوا کہ
جنگ خندق کو گزرے صدیاں ہو چکی ہیں مگر اسلام اپنے فخر و غرور
میں قیامت تک علیؑ کے کارنامے پیش کرتا رہے گا جب جنگ

خندق ختم ہوئی۔ اور عمرو ابن عبدود کی بہن اپنے بھائی کے جنازے پر
رونے کے لیے آئی۔ تو بہن نے دیکھا بھائی کا سر تو کٹا ہے مگر جسم
پر زرہ ہے۔ تلوار باقی ہے۔ اس نے برجستہ کہا۔ اے میرے
بھائی میں گھر سے چلی تھی یہ طے کر کے کہ جب تک میری آنکھوں میں
آنسو کا ایک قطرہ باقی رہے گا تجھے روتی رہوں گی۔ مگر اے میرے
بھائی اب تیرا ماتم نہیں کروں گی۔ اس لئے کہ جس نے تجھے قتل کیا ہے
وہ بہترین اور شریف انسان ہے۔ اس نے نہ تیری زرہ اتاری، نہ
تیرے جسم پر سے لباس اتارا۔ نہ تیری قیمتی تلوار لی۔ عمرو کی بہن
عمرو کے قاتل کی مدح کر رہی ہے۔ یہ مدح نہ پیدا ہوتی، اگر لڑائی
میں برائی کو جائز قرار دیا گیا ہوتا۔ جس کی جنگ کی تعریف دشمن کرتا ہے۔ اس
کی صلح کی تعریف دنیا کرے گی۔ اندازہ لگایئے جس کی جنگ کی تعریف
دشمن کر رہا ہے۔ اس کی پُر امن زندگی کیسی ہوگی۔ صلواۃ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ
مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالبؑ اور سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰؐ۔
دونوں اپنے اپنے زمانے میں جہاد سے پہلے نصیحت کرتے تھے۔ ہم صرف
برائی پھیلتی برائی روکنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ لہذا لڑائی میں بھی برائی کو
جائز نہیں سمجھتے۔ اس لئے جب دشمن بھاگنے لگے تو پیچھا نہ کرنا جو زخمی
ہو کے گر جائیں تو انہیں ستانا نہیں۔ بچے پاؤ تو ان کو طمانچے نہ مارنا۔ دشمن
کی زمین پر جاؤ تو درختوں کو نہ کاٹنا۔ برائی مٹانے کے لیے برائی کرنا جائز
نہیں ہو سکتا۔ یہ ہدایتیں کیوں لکھیں۔ یہ ہدایتیں اس لئے لکھیں کہ ہم سے

کو سیدھے راستے پر آنے کا موقع دیا جائے۔ نبیؐ اور اصل نبیؐ کی پوری
زندگی آپ کو اسی اصول پر ملے گی۔ مولائے کائنات صفین کے میدان
میں یزید کے باپ امیر شام سے جنگ کر رہے ہیں۔ امیر شام
نے صفین کے میدان میں پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا ہے اور علیؑ کا فوج
پر پانی بند کر دیا گیا۔ علیؑ کی فوج کے سپاہی آنے لگے۔ مولا
نہیں لڑ سکتے۔ اس لئے کہ دشمن نے پانی پر قبضہ کر لیا ہے ہم پیاسے
نہیں لڑ سکتے۔ صفین کا سپاہی پیاسا نہیں لڑ سکتا۔ یہ کمال تھا
کربلا کے سپاہی کا ہے کہ وہ پیاسا لڑتا ہے۔ حضرت نے امام
کو بلایا، امام حسینؑ کو بلایا، محمد حنفیہ کو بلایا، مالک اشتر کو بلایا اور کہا
جاؤ۔ اور جا کے پانی پر قبضہ کر لو۔ پانی پر قبضہ کر لیا علیؑ کے فوجیوں نے۔ کا
کی فوج اپنے مقابل کی فوج کے طرز عمل کی بنا پر لڑائی میں بھائی کو جائز کرنا
چاہتی تھی۔ مگر علیؑ کو جیسے خبر ملی آپ نے پیغام بھیجا ہم لڑائی کو مجبوراً
سمجھتے ہیں۔ مگر لڑائی میں حربے کو جائز نہیں سمجھتے۔ وہ دشمن تھا جس نے پانی
بند کر دیا۔ مگر میں علی ہوں پانی نہ بند کروں گا۔ میں ایک جملہ کہتا ہوں اے
مولا علیؑ آج آپ نے صفین میں پانی نہ بند کر کے۔ ہم حسینیوں پر بڑا احسان
کر دیا۔ اس لئے کہ صفین میں اگر شام کے لشکر پر علیؑ نے پانی بند کر دیا ہوتا
تو یزید کے حامی حسینؑ کو پیاسا رکھنے کے جواز کا بہانہ ڈھونڈ لیتے کہ حسینؑ
کے باپ نے پانی بند کیا تھا۔ یزید اپنے باپ کا بدلہ لے رہا ہے۔ حسینؑ
پیاسے مر کر دنیا سے گئے لیکن علیؑ نے پانی نہ بند کر کے موقع نہ دیا کہ

اپنی برائی کے لیے جو لذت حاصل کرتے ہیں کہ بہت سے ہر پاس نفس سے کم نہیں ہیں کہ
برائی کو بھی مگر مٹائی جاتی ہے لیکن صرف دو ایک مثالیں سناؤں گا۔ جہاں
دنیا کہتی ہے لڑائی میں برائی جائز، وہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیوپار میں
بھی برائی جائز ہے۔ جب بیوپار کی باتیں ہونے لگتی ہیں تو سب لوگ کہتے
ہیں یہاں سب چلتا ہے۔ سچ بھی چلتا ہے۔ جھوٹ بھی چلتا ہے۔ اصلی مال بھی
چلتا ہے۔ ملاوٹ والا مال بھی چلتا ہے۔ سچا کھاتہ بھی چلتا ہے، جھوٹا کھاتا
بھی چلتا ہے۔ تو کیا مطلب۔ دنیا کہہ رہی ہے کہ بیوپار میں برائی جائز
مگر نبی نے کیا بیوپار ناجائز جو بغیر برائی کے نہ ہوسکے۔ اللہ اگر تم یہ
سوچتے ہو کہ بیوپار بغیر برائی کے نہیں ہو سکتا۔ تو میری نبوت پر تم ایمان
بعد میں لانا۔ نبوت کے اعلان سے پہلے مجھے دیکھو۔ میں خدیجہ کا مال لے کر
شام جا رہا ہوں۔ اگر میں نے پورے سفر میں ایک بھی برائی کی ہوتی تو نبی ہونے
کے بعد کوئی یہودی عیسائی ٹوک کے کہہ دیتا۔ کل تم نے بیوپار میں برائی
کی تھی۔ آج تم نبی بن کے ہم کو کیسے روک رہے ہو۔ نبی نے تجارت
کر کے بتایا۔ دنیا کہتی ہے کہ تجارت میں برائی جائز۔ میں عمل کر کے دکھاتا
ہوں کہ بیوپار میں بھی برائی جائز نہیں۔ تیسرا ایک مقام اور ہے جہاں
دنیا کہتی ہے۔ برائی جائز عزیزداری کے معاملات جب سامنے آتے
ہیں تو دنیا کہہ دیتی ہے۔ بات تو ٹھیک ہے مگر کیا کریں یہ اپنے عزیز ہیں۔
لہٰذا برائی کو جائز قرار دیا۔ تو ہدایت کے سرچشمے والے نبی اللہ آل نبی نے کہا۔
نہیں عزیزداری میں بھی برائی جائز نہیں۔ مثلاً میں اسٹیشن کے معاملے

پر کھڑا ہوں جہاں سے سب نکلتے نکلنے والوں کو گرفتار کر رہا ہوں۔ میرا عزیز
ہے میں نے گردن موڑ لی۔ لوگوں نے کہا یہ کیا کیا؟ کیا کریں اپنے عزیز تھے یعنی ہو
تو کی ہم نے مگر اس لیے کہ یہ عزیز تھے۔ دنیا عزیز داری کے نام پر بحالی
قرار دیتی ہے۔ علیؑ کہتے ہیں۔ عزیز داری کے نام پر بھی برائی جائز نہیں جسے
کو حکومت کا موقع ملا ہے۔ بیت المال پر قبضہ ملا۔ آپ کے سگے بھائی عقیل
کہتے ہیں۔ علیؑ جتنا ملتا ہے اس میں گزارہ نہیں ہوتی۔ دنیا آواز دے گی یہ
کا معاملہ ہے برائی جائز کر دو علیؑ۔ مگر علیؑ کہیں گے میں عزیز داری میں برائی
جائز کر دوں، تو دنیا ہدایت کیسے پائے گی۔ لہٰذا جب جناب عقیل نے بار
بار کہا۔ علیؑ گزارہ نہیں ہوتی۔ حصہ بڑھا دو۔ تو ایک روز جناب عقیل کو
کہا ذرا لوہا گرم کر کے لاؤ۔ لوہا گرم کر کے آیا۔ عقیل کا ہاتھ پکڑ کر جلتا ہوا
بھائی کے ہاتھ پر لگانا چاہا۔ عقیل نے کہا۔ علیؑ بھائی ہو کر مجھے جلانے لگے
ہو۔ کہا اچھا تم نے اس جلتے ہوئے لوہے کو دیکھ کر تو فریاد کی کہ علیؑ بھائی
ہو کے مجھے جلائے دیتے ہو۔ مگر بیت المال سے دوسروں کے مقابلے میں
تم کو زیادہ حصہ دیدوں۔ تو کل مجھے بھی تو دوزخ کی آگ کا سامنا کرنا
پڑے گا۔ تو تم زیادہ حصہ مانگ کے کیا مجھے جلانا نہیں چاہتے۔ دنیا کہتی
ہے علیؑ ایسے ناکامیاب بادشاہ تھے کہ بھائی ساتھ چھوڑ کر چلا گیا۔ ارا
یہ واقعہ ہے۔ عقیل کچھ دن علیؑ کے ساتھ رہے۔ مگر جب بیت المال
میں زیادہ حصہ نہیں ملا تو علیؑ کو چھوڑا۔ معاویہ کے پاس شام میں
پہنچ گئے۔ دنیا کہتی ہے علیؑ ناکام تھے۔ بھائی کو ساتھ نہ رکھ سکے۔ مگر میرا

دل خوش ہے۔ علیؑ نے فیصلہ کر دیا۔ ہم بھائی کو چھوڑ سکتے ہیں۔ مگر عزیز داری میں بُرائی جائز قرار نہیں دے سکتے۔ علیؑ کا کام یہی۔ حکمران پر قرابت داری کا الزام تو نہیں یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا اور دوسری طرف وہ جو مادیوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ برائی کو ناپسند نہیں کرتے۔ وہ نیک اور نیکی کے مخالف ہوتے ہیں۔ ان کا راستہ بہت آزاد ہوتا ہے۔ وہ نیکی بھی کر سکتے ہیں اور برائی بھی۔ وہ مقصد حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا۔ زحمتیں نبیؐ کے لئے تھیں۔ نبیؐ کے دشمنوں کے لئے زحمتیں نہیں تھیں۔ زحمتیں علیؑ کے لئے تھیں۔ علیؑ جیسے مقابل افراد کے لئے زحمتیں نہیں تھیں۔ حسنؑ کے لئے زحمتیں تھیں۔ دنیا کے لئے زحمتیں نہیں تھیں۔ حسینؑ کے لئے زحمتیں تھیں یزید کے لئے زحمتیں نہیں تھیں۔ اس لئے کہ حسینؑ تو اس باریک راستے پر چل رہے تھے جو بال سے زیادہ باریک تھا۔ کہ دشمن سے ہمدردی کر لی گئی البتہ اس کی برائی سے نفرت کریں گے برائی سے نفرت۔ برے سے ہمدردی والے راستہ پر چلنا بڑا نازک کام ہے مجبوریاں مادیوں کے لئے نہیں تھیں معصوموں کیلئے تھیں۔ پیروں کیلئے [illegible] جو دنیا کی دوستی [illegible] جیسے کام چلے ویسے بولو، جھوٹ سے کام چلے تو جھوٹ بولو۔ اسلام سے لڑ کے کام چلے تو اسلام سے لڑو۔ منافق بن کے کام چلے تو منافق بن جاؤ۔ جو بھی کرنا پڑے مقصد کسی طرح حاصل کر لو۔ دوسروں کے بازو آزما سکتے ہیں۔ اور نیکی کے راستے پر چلنے اور چلانے والوں کے بازو بندھے ہوئے تھے۔

حسینؑ سے یزید کی حکومت بیعت کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ بیعت کے مطالبے کا مطلب ہے۔ حسینؑ نیکی کی تبلیغ چھوڑ دیں۔ برائی مٹانے کا محاذ بند کر دیں۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے جیسے بُرے کو نیک مانو اور اگر تم اپنا اصول نہیں چھوڑنا چاہتے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

حسینؑ نے فیصلہ کیا۔ میں مصیبتیں برداشت کروں گا۔ لیکن برائی مٹاتا جاؤں گا۔ بُروں سے ہمدردی کرتا جاؤں گا۔ نتیجہ ہو گا کہ ایک دن میں کامیاب ٹھہروں گا۔ اور یزید ناکامیاب ٹھہرے گا۔ یزید کا مطالبہ تھا کہ اگر حسینؑ اپنا مشن بند کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ تو ان کو زندہ رہنے کی اجازت نہیں۔ یزید کو اپنے مقصد کے حصول میں طریقہ کار کی آزادی تھی وہ مدینے میں بھی قتل کرا سکتا تھا۔ وہ مکے میں طواف کعبہ کے وقت بھی حسینؑ کا خون بہا سکتا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں نیکی کا پابند نہیں تھا نیک و بد دونوں سے کام لے سکتا تھا۔ وہ پیاسوں پر پانی بھی بند کر سکتا ہے۔ وہ میت پر گھوڑے بھی دوڑا سکتا ہے۔ وہ مجبوروں پر کوڑے بھی برسا سکتا ہے۔ حسینؑ کو اپنے اصول، اور طریقہ کار کی پابندی کی مجبوری تھی لیکن دنیا دیکھے کہ جیتا کون ہارا کون۔ یہ کشمکش اس لئے پیش کرتا ہوں۔ کہیں سننے والے سنتے سنتے یہ نہ سوچنے لگیں کہ نیکی کے راستے پر چلنا جب اتنا مشکل ہے تو کون چلے۔ برائی کے راستے پر چلنا جب اتنا آسان ہے تو اس پر کیوں نہ چلا جائے۔ لیکن دنیا دیکھے برائی کا سکہ [illegible] چلتا [illegible]

چاہنے والے مجھ ذکر جانتے ہیں جو دو ہی کشتی پھر نکال لیا کرتے ہیں۔ یہ کہنا تو آسان ہے کہ حسینؑ جیتے۔ مگر کہنے والے یہ بھی قید لگاتے ہیں کہ کل یزید جیتا تھا آج حسینؑ جیتے ہیں۔ مگر میرے بھائی مجھ سے سنئے۔ آپ جسے حسینؑ اور یزید کی لڑائی کا دن سمجھتے ہیں وہ حسینؑ اور یزید کے جنگ کا دن نہیں تھا۔ وہ حسینؑ کی فتح کا دن تھا۔ یزید کی شکست کا دن تھا۔ عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں کہ عاشورہ کے دن یزید اور حسینؑ کی جنگ ہوئی جس میں عاشور کی شام کو جب حسینؑ کا سر کٹ گیا۔ تو حسینؑ تھوڑی دیر کے لئے ہار رہے۔ اور جب یزید نے سر کاٹ لیا تو تھوڑی دیر کے لئے جیتا۔ البتہ جب حسینؑ نے دلوں پر قبضہ پایا سید سجاد نے ضمیر زندہ کر دیئے تب حسینؑ جیتے اور یزید ہارا۔ مگر میرے بھائی ایسا نہیں ہے۔ صبح عاشور نام ہے اس صبح کا۔ جب حسینؑ کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ اور یزید کی شکست مکمل ہو چکی تھی۔ میرے الفاظ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں سمجھے جائیں گے۔ تو میں اپنی دلیل میں ایک پرانا واقعہ یاد دلاؤں گا۔ جناب آدمؑ کے دو بیٹوں کا واقعہ۔ اس سے ذرا مدد لینا چاہتا ہوں۔ آپ بتائیں۔ جناب ہابیل نے بھی قربانی اللہ کی بارگاہ میں پیش کی اور قابیل نے بھی۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ ہابیل کی قربانی قبول کر لی اللہ نے۔ قابیل کی قربانی نہیں قبول ہوئی۔ ہابیل جیت گئے اور قابیل ہار گئے۔ اس میں کوئی شک تو نہیں۔ اس کے بعد قابیل نے کہا۔ ہابیل اگر تم قربانی کے مقابلے میں جیت گئے ہو۔ تو میں تمہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ قابیل

نے بڑھ کر تلوار چلائی، کاٹ دیا ہابیل کا گلا۔ گلا تو ہابیل کا کٹ گیا مگر دنیا میں ایک ہوئی آدمی کیسے ہیں کا کر گلے کے کٹنے سے قربانی کے مقابلے میں ہابیل نے جو کامیابی حاصل کی تھی۔ وہ شکست سے بدل گئی۔ اور جو ناکامیابی قابیل کو ہوئی تھی وہ فتح سے بدل گئی۔ نہیں بلکہ یہ کہے گی، کامیابی اور ناکامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ دونوں میں مقابلہ کس بات پر ہوا تھا مقابلہ میں قربانی کس کی قبول ہوئی تھی۔ جب قربانی قابیل کی نہیں قبول ہوئی تو وہ ہارا۔ اور ہابیل کی قربانی قبول ہوئی تو وہ جیتے۔ اب اگر قابیل قتل کر رہا ہے۔ تو فاتح کو شکست خوردہ کو نشان مٹا رہا ہے۔ اسی طرح دیکھئے حسینؑ اور یزید میں کشمکش کہاں سے شروع ہوئی۔ کربلا کے میدان میں نہیں شروع ہوئی بلکہ اس دن شروع ہوئی جب مدینے میں یزید کے گورنر ولید نے حسینؑ کے سامنے یہ کہا کہ باپ کے مرنے کے بعد یزید تخت نشین ہوا ہے اور اس نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے۔ حسینؑ نے کہا میں بیعت نہیں کروں گا۔ معلوم ہوا۔ جیسے ہابیل اور قابیل کے درمیان جھگڑا اس بات پر تھا کہ دیکھیں قربانی کس کی قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حسینؑ اور یزید کے درمیان معرکہ اس بات پر تھا کہ وہ کہتا تھا میں بیعت لوں گا۔ حسینؑ کہتے تھے میں بیعت نہ کروں گا۔ جس طرح قابیل ہارا قربانی کے مقابلے میں۔ کہ قربانی قبول نہ ہو سکی۔ ہابیل جیتے قربانی کے مقابلے میں۔ اس لئے کہ قربانی قبول ہو گئی۔ ایسے ہی حسینؑ جیتے۔ کہ ان سے بیعت نہ لی جا سکی۔ یزید ہارا کھل کر بیعت نہ لے سکا۔ اس لئے بڑی تدبیر کیں

مدینے میں۔ حسینؑ نے مدینہ چھوڑ دیا۔ مکے میں کوشش کی۔ حسینؑ نے مکہ چھوڑ دیا۔ راستہ روکا تاکہ حسینؑ بیعت کر لیں۔ حسینؑ نے راستہ چھوڑ دیا۔ کربلا میں قافلہ روکا۔ حسینؑ نے کہا میں ٹھہر جاؤں گا مگر بیعت نہ کروں گا۔ فرات کے کنارے سے خیمے ہٹائے گئے۔ حسینؑ نے کہا جلتی ریت پر خیمے لگا لوں گا مگر بیعت نہ کروں گا۔ ساتویں سے پیاس کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ حسینؑ نے کہا بچوں کی پیاس کی آواز پر دل سنبھال لوں گا مگر بیعت نہ کروں گا۔ نویں محرم کی شام کو لشکر نے حملہ کرنے کا ارادہ کر کے کہا بیعت کرو۔ ورنہ جنگ ہوگی۔ حسینؑ نے رات بھر کے لیے جنگ ملتوی کرائی کہ میں عبادت کر لوں۔ مگر بیعت نہ کروں گا۔ صبح پسر سعد نے پہلا تیر پھینکا۔ حسینؑ اب بھی موقع ہے۔ بیعت کر لو۔ انھوں نے کہا مسلم ابن عوسجہ کو تیروں سے چھلنی ہونے کے لیے پیش کروں گا مگر بیعت نہ کروں گا۔ تو معلوم ہوا چھ مہینے سے یزید مدینے میں، مکہ میں، کوفے کے راستے میں حُر کے لشکر کے ذریعے، ابن زیاد کی چھاؤنی کے ذریعے، پسر سعد کے ذریعے، پانی کے ذریعے، جلتی دھوپ کے ذریعے جلتی ریت کے ذریعے، عاشور کی صبح کے ذریعے کوشش کرتا رہا کہ بیعت لے لے حسینؑ سے مگر حسینؑ نے کہا سب کچھ ممکن ہے۔ لیکن بیعت نہیں ممکن۔ جب صبح عاشور ہوئی تھی تو حسینؑ مسکرا رہے تھے۔ یزید دیکھ تیری طاقتیں ختم ہو گئیں۔ مگر تو بیعت نہ لے سکا۔ یزید کا سر جھکا ہوا تھا۔ حسینؑ کہہ رہے تھے میں نے طاقتیں آزما لیں۔ لیکن میں تم سے بیعت

نہ لے سکا۔ تو صبح عاشور فتح حسینؑ کی صبح ہے شکست یزید کی صبح ہے۔
البتہ جیسے قربانی کے مقابلے میں ہارنے کے بعد قابیل نے تلوار کھینچ کر
جیتنے والے ہابیل کی گردن کاٹ دی۔ اسی طرح ہارا ہوا یزید۔ اب تلوار سے
فاتح کا گلا کاٹنا چاہتا ہے اس نے سونچا کیا تھا۔ جیسے قابیل نے سونچا
تھا جب ہابیل نہیں رہیں گے فاتح نہ رہے گا تو فتح نہ رہے گی۔ اسی
طرح یزید نے سونچا تھا جب حسینؑ نہ رہیں گے تو بیعت نہ کرنے کی
حسینؑ کی فتح نہ رہے گی۔ مگر یزید کو خبر نہ تھی۔ حسینؑ نہ رہیں گے مگر
زینبؑ تو رہیں گی۔ اس نے لٹے ہوئے قافلے کو درباروں میں، بازاروں
میں اسی لئے پھرایا تھا کہ دنیا یہ جانے میں نے فتح حاصل کر لی۔ مگر جدھر
جدھر سے قافلہ گزر رہا تھا، اعلان کرتا جا رہا تھا ہم ہتھکڑیاں پہن
سکتے ہیں۔ ہماری مائیں بہنیں فاطمہؑ کی اولاد ہو کر برہنہ سر جا سکتی ہیں۔
مگر بیعت باطل نہیں کی جا سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فتح جو حسینؑ نے کربلا
کے میدان میں، حاصل کی تھی۔ اگر یزید حسینؑ کے بعد حسینؑ کے اہلبیتؑ کو
قیدی نہ بناتا تو حسینؑ کی فتح کربلا ہی کے میدان میں اہر ہی لیٹی رک جاتی۔
مگر جب اس نے اہلبیت حسینؑ کو اسیر بنایا۔ تو اب جدھر جدھر سے
گزرے اہلبیت فتح حسینؑ کی موجیں ساتھ ساتھ چلیں۔ یزید دمشق میں
بیٹھا تھا۔ حسینؑ کربلا میں تھے۔ لیکن سید سجادؑ قیدی بنا کر لائے گئے۔
تو فتح حسینی یزید کے پایۂ تخت سے جا کر ٹکرائی۔ یزید اور اس کے ساتھیوں
کو امید تھی کہ سید سجادؑ مصیبتیں جھیل کر آئے ہیں، تازیانے کھائے ہیں۔

طوق نے گردن میں گہرا زخم ڈال دیا ہے۔ راستے میں ایک ایک بچے کو مرتے دیکھ کر آئے ہیں۔ کربلا سے لے کر یہاں تک یزید کی طاقت دیکھ کر آئے ہیں۔ لہٰذا ڈرے ہوئے سید سجادؑ کو، خوفزدہ سید سجادؑ کو۔ قیدی و مجبور سید سجادؑ کو، لاوارثوں کے وارث سید سجادؑ کو منبر پہ بھیجو۔ تاکہ سید سجادؑ بول نہ سکیں اور جب نہ بول سکیں گے تو سید سجاد کے نہ بولنے کے سہارے یزید والے کہہ سکیں گے۔ یزید جیتا۔ اس کے سامنے حسینؑ کا وارث خاموش کھڑا ہے مگر وہ فتح جو کل کربلا کے میدان میں پیاسوں نے حاصل کی تھی۔ اُس کی لہروں نے یزید کو اس کے پایۂ تخت میں ڈبو دیا۔ جب تخت بھی زیرِ قدم تھا۔ تاج بھی سر پہ تھا۔ فوج بھی سامنے تھی۔ بیت المال دربار و خزانہ سب کچھ تھا۔ غرضکہ قیدی منبر پہ گیا۔ وہ قیدی منبر پہ گیا جو گردن بھی اٹھا نہیں سکتا۔ کیسے اٹھائے گردن۔ اس لئے کہ گردن میں زخم ہے اور زخم میں وزنی طوق۔ دنیا سمجھی کہ اتنا ہی کیا کم ہے کہ سید سجادؑ گردن جھکائے بیٹھے ہیں منبر پہ۔ مگر ایک مرتبہ بیمار نے، قیدی نے، زخمی نے، راستے کے مصیبت زدہ نے منبر پہ انگڑائی لی۔ انگڑائی جو لی تو نظریں دیکھنے لگیں۔ یہ سید سجادؑ نہیں ہیں جو انگڑائی لے رہے ہیں یہ علیؑ کی تصویر ہے۔ جو منبر پہ ابھر رہی ہے۔ زخم کی تکلیف پہ قابو پایا طوق سنبھالا گردن اُٹھائی۔ زخم میں پڑے ہوئے طوق کو سنبھال کر گردن اُٹھانا۔ کہیں دشوار تھا در خیبر کے اٹھانے سے۔ خیبر کا در ہاتھ پہ اٹھا لینا آسان تھا مگر زخمی گلے میں پڑے طوق کو سنبھالنا دشوار

تھا۔ یہ علیؑ کے لہو کتنا تیز تھی سیّد سجادؑ کی تقریر نے یزید اور یزیدیت کی دھجیاں اڑا دیں۔ حسینؑ کی رحمت نے انسانوں کو سہارا دیا کہ نیکی پر چلنے میں بے حوصلہ نہ ہونا بہرحال منبر پر جا کر سیّد سجادؑ نے یزید کے درباریوں سے پوچھا۔ تم میں سے بہت سے وہ ہوں گے جو مجھے جانتے ہیں اور بہت سے وہ ہوں گے جو مجھے نہیں جانتے۔ جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے میں ان کو پہچنوائے دیتا ہوں۔ تم قرآن کو پہچانتے ہو وہ میرے گھر میں اترا ہے تم محمد مصطفےٰ صلعم کا کلمہ پڑھتے ہو۔ وہ میرے جد تھے۔ تم نے خدیجہ کا نام سنا ہے۔ وہ میری دادی تھیں۔ تم نے فاطمہ زہراؑ کا نام سنا ہے۔ وہ میرے باپ کی ماں تھیں۔ ایک ایک فضیلت گنا ئی۔ وہ یہاں مسلمانوں کے سامنے نبیؐ اور علیؑ کے دوستوں کے سامنے آل نبیؐ کے چاہنے والوں کے سامنے، منبر پر بیٹھ کر میرا فضائل آل سنانا آسان ہے۔ لیکن یزید، جابر و ظالم یزید، طاقت کے نشے میں چور یزید، ظلم کی طاقتوں سے بھرپور یزید کے سامنے کسی کا ہتھکڑیاں اور طوق پہن کر اپنے فضائل سنانا آسان نہیں تھا۔ مجھے کہنا پڑتا ہے۔ تلوار لے کر تین دن کی پیاس میں فرات کا گھاٹ چھین لینا عباسؑ کی شجاعت ہے۔ اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن کر یزید کے سامنے آل محمدؐ کے فضائل بیان کر دینا۔ امام سیّد سجادؑ کا کمال ہے۔ جو عباسؑ جیسے بہادر کا بھی امام تھا۔ مجمع سے آہستہ آہستہ رونے کی آواز بلند ہونے لگیں۔ معلوم ہوتا ہے کچھ لوگ پہچان گئے پھر فرمایا لوگو

میں حسینؑ کا بیٹا ہوں یا ہیں ... تو حق پہچانتے ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے بلکہ
کا بیٹا ہوں جو تین دن پیاسا رکھا گیا۔ یزید نے پیاسا رکھا حسینؑ کو۔
لیکن کل یزید کے دربار میں آئے تو کہا کہ تو نے میرے باپ کو تین دن
پیاسا رکھا۔ معمولی جرأت کی بات نہیں ہے۔ کہا اب بھی تم نے نہیں
پہچانا تو پہچانو میں اس کا بیٹا ہوں جو تین دن کی پیاس میں ذبح کیا گیا
میں اس کا بیٹا ہوں جو پس گردن سے ستر مرتبہ خنجر کے چلنے پر ذبح کیا گیا
اور اس کے بعد ظاہر ہے کی جان نثاری کر دی۔ سید سجادؑ نے یہ کہا کہ جب
بھی تم نے نہیں پہچانا۔ تو دیکھو وہ جو طشت طلا میں کٹا ہوا سر رکھا
ہے۔ یزید کے سامنے۔ میں اس کا بیٹا ہوں۔ اب عالم یہ تھا کہ یزید کے
درباری دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر رو رہے تھے۔ حسینؑ پر یزید کے
درباری نہیں رو رہے تھے۔ یہ فتح حسینؑ کی لہریں تھیں جو کربلا سے
یہاں تک پہنچی تھیں۔ اور یزید اور یزیدیت کو ڈبو رہی تھیں۔ آخر میں
سید سجادؑ کا ایک فقرہ اور نقل کروں اور اس کے بعد چند فقرے
مصائب کے پڑھ کے مجلس تمام کروں۔ جب یزید کا درباری مجمع
بے حد رونے لگتا ہے تو امام رک جاتے ہیں۔ اور جب رونے
کی آوازیں کم ہوتی ہیں۔ تو سید سجادؑ پھر تقریر کرتے ہیں گھبرا
گیا یزید۔ اور اس نے گھبرا کے ساتھیوں اور وزیروں سے مشورہ لیا
کہ سید سجادؑ کی تقریر کیسے روکی جائے۔ کہا بس ایک ہی راستہ
ہے کہ مؤذن سے کہہ دے کہ اذان شروع کر دے۔ یہ اللہ کے نام

پر جان دیتے ہیں۔ جب اس کا نام پکارا جاتا ہے۔ تو یہ اپنی آواز کو اس کے نام پر بلند نہیں کرتے۔ آج یزید نہیں رہا آج سید سجاد بھی نہیں ہے۔ مگر محفل دین اور دیانت و امانت کی دنیا کے لئے واقعہ روگی کر یزید یزید تھا مگر اُسے سید سجادؑ کے کردار پر یقین تھا۔ کہ وہ نازک موقع پر بھی اپنی آواز کو بھی خدا کے نام پر بلند نہیں کریں گے مؤذن نے اذان دی، سید سجادؑ نے تقریر روکی۔ مؤذن نے کہا "اللہ اکبر" سید سجادؑ نے زبان سے الفاظ دہرا کے اس نے کہا۔ "اشہد ان لا الہ الا اللہ" سید سجاد نے بھی حکم جاری کیا "اشہد ان محمداً رسول اللہ" سید سجادؑ نے عمامہ کو زمین پر ڈال دیا۔ اور سطرح بھی۔ اور ایک مرتبہ مڑ کے کہا کیوں یزید یہ تیرے دادا کا نام لیا جا رہا ہے، یا میرے دادا کا۔ یہ سید سجادؑ کا فقرہ نہیں تھا یہ اعلان تھا کہ دیکھو برائی کا مشن ناکام ہو رہا ہے۔ اور نیکی کا مشن کامیاب ہو رہا ہے۔ برائی کے مشن والوں کا نام کوئی نہیں لے رہا ہے۔ لیکن اس بڑے دربار میں بھی جو نیکی کا مشن لے کر آیا تھا اس کا نام آج بھی لیا جا رہا ہے۔ سید سجادؑ نے تقریر ختم کر دی۔ قید خانے چلے گئے۔ اب مجھے چند منٹ مصائب پڑھنا ہیں۔ اب تک میں اپنی پسند سے مصائب پڑھتا رہا ہوں۔ کل سے وہ تاریخیں شروع ہو جائیں گی جن کے مصائب معین ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ جب کربلا کی مظلومہ کی مصیبتوں کو مسلسل کئی دن سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اسکا کربلا کی مظلومہ کی مصیبتوں کا تذکرہ پھر کروں۔ گذشتہ تین

دوستوں سے آپ کے سامنے جب مصائب پڑھتا ہوں۔ تو صرف حسینؑ کی ننھی بچی سکینہؑ کے مصائب پڑھتا ہوں۔ اور یہ مسلسل اس لئے بھی پڑھتا ہوں جن کو غم حسینؑ پر یقین نہیں ہے وہ آکر دیکھیں کہ پہلے دن میں نے سکینہؑ کا ماتم کیا مجمع کیسا رویا۔ دوسرے دن میں نے اسی بی بی کا بیان کیا مجمع کیسا رویا۔ تیسرے دن میں نے اُسی مظلومہ کا بیان کیا۔ مجمع کیسا رویا۔ اور دیکھو آج پھر اسی کا ذکر کرتا ہوں۔ پھر دیکھو مجمع کیسے روتا ہے تو سوچو مظلومیت میں کتنی تاثیر ہوتی ہے۔ بےکسی میں کتنی کشش ہوتی ہے۔ بس آج ختم کر دینا چاہتا ہوں سکینہؑ کے مصائب کے تذکرہ کو۔ آپ سے سچ کہتا ہوں۔ جتنی بھی عمر پائی ہے اب تک اس میں جو کچھ پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ اور اس وقت تک جتنی بھی کتابیں میں نے پڑھی ہیں جس میں کربلا کے مصائب ہیں۔ تو مجھے سب پڑھ کے کہنا پڑتا ہے اور ہمیشہ کہتا ہوں اور ہمیشہ کہتا رہوں گا۔ کہ اگر بعض واقعات مل جاتے تو اندازہ نہ ہوتا کہ مصائب کی حد کیا تھی۔ کچھ واقعات ایسے ملے ہیں جنھوں نے تفصیل تو نہیں بتائی کہ مصائب کی حد کیا تھی مگر ایک ہلکا اندازہ ہو جاتا ہے کہ آلِ محمدؐ شہادت کے بعد اسیر بنا کے کتنا ستائے گئے۔ اس اندازے کے لئے ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ حسینؑ جب اپنی بہن سے رخصت ہوئے تو انھوں نے بوقتِ رخصت وصیت میں کہا تھا۔ زینبؑ جب تک میں زندہ رہا اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ میرے قافلہ میں جو بھی بچہ تھا وہ میری ذمہ داری پر تھا اب

میں نہ بڑھوں گا تو میرے کارواں تم ہو میرے قافلے کے ہر بچے کا تم ہو۔ قافلہ کربلا سے شام کے لئے روانہ ہو چکا ہے کہ ایک جگہ چلتا قافلہ ٹھہرتا ہے۔ اس لئے کہ جس نیزے پر حسینؑ کا سر تھا نیزہ آگے نہیں بڑھتا۔ یزیدی لشکر کا سردار شمر ملعون ہے۔ لوگ جا کر اسے اطلاع دیتے ہیں۔ قافلہ ٹھہر گیا ہے کیوں کہا جس نیزہ پر حسین کا سر ہے وہ زمین میں گڑ گیا ہے۔ آگے نہیں بڑھتا۔ کہا کوشش کی۔ کہا بہت کوشش کی قوت آزمائی کی مگر نیزہ نہیں بڑھتا۔ کہا! جا جیتا جو ہو، تب بڑھے گا۔ دنیا یہی سمجھے گی کہ شمر اس نیزے پاس گیا جس پہ حسینؑ کا سر تھا۔ مگر سنگ دل ظالم نیزے کے پاس نہیں جس پر باپ کا سر تھا۔ اُس اونٹ کے قریب گیا جس پر ہتھکڑیاں پہنے سید سجادؑ بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ تازیانہ ہوا میں لہرانے لگا۔ سید سجاد تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ کیوں رکے ہیں۔ اپنے باپ سے کہو کہ آگے بڑھیں۔ اور اگر نہیں بڑھیں گے۔ تو ابھی تم کو زندہ در گور میں گڑوا دوں گا۔ ایک مرتبہ زنجیروں کے کھنچنے کی آواز آئی۔ ہتھکڑیاں بیڑیاں سنبھال کے باپ کی طرف رُخ کر کے بیٹے نے آواز دی۔ بابا! میرے بابا۔ آپ کیوں رُک گئے؟ حسینؑ کے کٹے سر سے آواز آئی۔ بیٹا سید سجادؑ کیسے نہ رُک جاؤں۔ جس بیٹی کو سینے پہ سلاتا تھا وہ اونٹ سے گر گئی ہے اور میری لال سکینہ گم ہو جائے جب تک سکینہؑ نہ آ جائے گی میں آگے نہ بڑھوں گا۔

جناب زینبؑ کو معلوم ہوئی۔ وہ اونٹ سے اُتر گئیں۔ اور جس راستے سے قافلہ آیا تھا اُدھر چلیں۔ تھوڑی دور چلتی ہیں۔ کبھی داہنی طرف دیکھتی ہیں کبھی بائیں طرف۔ کبھی آواز دیتی ہیں۔ سکینہؑ جنگل میں تیری پھوپھی ڈھونڈ رہی ہے۔ کہے بیٹی اگر کہیں ہو تو مجھ کو آواز دے دو۔ آواز نہیں آئی۔ زینبؑ آگے بڑھتی رہیں۔ بے چینی کے ساتھ۔ اس خیال کے ساتھ سکینہؑ نہ ملی تو بھیا کو کیا جواب دوں گی۔ کہ ایک مرتبہ شاہزادی میری دیکھتی ہیں۔ راستے پر کوئی بیٹھا ہے۔ غور سے دیکھا۔ تو دیکھا کوئی معظمہ بیٹھی ہیں۔ سر پر چادر ڈالے ہوئے۔ سوچا ان بی بی سے پوچھیں۔ تم نے کسی بچی کو روتے تو نہیں دیکھا۔ بخدا جب یہ روایت پڑھتا ہوں تو احساس ہوتا ہے۔ کیا گذری تھی اطفال حسینی پر۔ اندازہ لگانے کے لئے صرف یہ واقعہ سنا رہا ہوں۔ ایک مرتبہ زینبؑ نے آگے بڑھ کے پوچھیں کسی بچی کو ہائے بابا کہہ کے روتے تو نہیں دیکھا۔ مگر دیکھا جس بچی کی جس کو ڈھونڈنے آئی ہوں وہی بچی گود میں ہے۔ سکینہ رو رہی ہیں۔ اور بی بی آنسو پونچھ رہی ہیں۔ سکینہؑ تڑپ رہی ہے اور بی بی بہلا رہی ہیں۔ دوستو! میں سمجھا زینبؑ دوڑیں گی۔ دوڑ کر پیاری بھتیجی کو کلیجے سے لگا لیں گی۔ مگر زینبؑ نے بھتیجی کو بی بی کی گود سے نہیں لیا بلکہ رو کے کہا۔ بی بی بتاؤ تم ہو کون۔ جسے حسینؑ کی بچی پہ رحم آ گیا۔ اسے طمانچے سب نے مارے۔ اسے تازیانے سب نے مارے۔ کسی کو رحم نہیں آیا۔ اے بی بی بتاؤ تم کون ہو جسے اس بچی پہ رحم آ گیا۔ بس یہ سوال کرنا تھا۔

ان بی بی نے بچی کو زمین پر بٹھلایا چہرے پر سے نقاب الٹ دی۔ زینبؑ نے
پہچانا تو نے۔ ارے میں تری ماں فاطمہ زہراؑ ہوں۔ مجھے حسینؑ کی بچی پر
نہ آئے گا تو کسے آئے گا۔ زینبؑ لپٹ گئیں۔ اماں۔ ہم لٹ گئے
بھیا مار ڈالا گیا۔ تماشہ چلا۔ میں مجلس تمام کر دیتا مگر میری زبان سے
ایک فقرہ نکلا ہے کہ آج کی تاریخ چاہتا ہوں کہ سکینہؑ کے مصائب
تمام کر دوں۔ اس لئے مظلوم کربلا کا ماتم کرنے والو۔ ذرا دیر میرے
ساتھ اور چلو۔ قافلہ یزید کے دربار میں پہنچا۔ وہاں سکینہ اس طرح
کھڑی ہیں کہ چہرے پر ہاتھ ہے اور گلے پر ہاتھ ہے یزید
سبب پوچھا۔ کہا گلے پر ہاتھ تو اس لئے ہے کہ رسی کے پھندے
نے زخم ڈال دیا ہے۔ چہرے پر ہاتھ اس لئے ہے کہ ماں بہنوں
نے بالوں سے چہرہ چھپایا۔ میرے بال چھوٹے ہیں۔ یزید نے کہا
میں نے سنا ہے۔ تمہارا باپ حسینؑ بہت چاہتا تھا۔ کہا ہاں۔ کہا
حسینؑ کا کٹا سر دیتا ہے۔ سکینہؑ میں تب جانوں کہ تمہارا باپ چاہتا تھا
جب تم آواز دو اور حسینؑ تمہاری گود میں آجائیں۔ دشمن نے باپ کی محبت
کا طعنہ دیا۔ پانچ برس کی سکینہؑ نے کرتے کا جلا دامن پھیلایا۔ بابا میری
عزت رکھو گے دربار دنیا بابا میں نہ بڑھوں گی تم آؤ۔ حسینؑ کا سر بلند ہو
سکینہؑ کی گود میں آیا۔ بیٹی نے باپ کا ماتم کیا۔ اجرکم علی اللہ۔ بس آخری فقرہ
سنئے۔ قید کی قید خانے میں بھیج دیئے گئے۔ اس لئے بھی میں نے معاف
بڑھائے کردہ راتیں کم رہ گئی ہیں۔ جن میں تمہیں ماتم کرنا ہے قید خانے پہ

اہلبیتؑ گئے۔ سب قیدی جو دمشق پہنچے۔ مگر جب رہائی ہوئی تو سب قیدی نہ تھے۔ سب چاہے رہے ہوں مگر سکینہؑ نہ تھیں۔ کیوں اس لئے کہ ایک روز قید خانے میں زمین پر سکینہؑ یوں سو رہی تھیں کہ زمین کی مٹی بالوں میں بھری تھی۔ کہ ایک بارگی سکینہؑ روتی ہوئی اٹھیں۔ بابا۔ بابا۔ عورتوں نے رباب سے کہا گود میں لے لو بچی کو۔ اس نے خواب میں باپ کو دیکھا۔ ماں نے جب گود میں لیا تو سکینہؑ کہنے لگیں اماں ابھی ابھی بابا مجھے سینے سے لگائے تھے۔ کہاں چلے گئے میرے بابا۔ عورتیں بھی رونے لگیں جب رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ یزید کے محل تک آواز گئی تو اس نے پوچھا یہ کیسا ماتم ہے کہا سکینہؑ نے خواب میں آج حسینؑ کو دیکھا ہے ماتم کر رہی ہیں۔ اس نے کہا اچھا بچی کیلئے باپ کا سر لیجاؤ۔ ایک غلام ایک خوان میں سر رکھا کے سرپوش سے بند کر کے چلا قید خانے کا دروازہ کھلا خوان اندر آیا۔ سرپوش ہٹا تو بچی نے باپ کا کٹا سر دیکھا۔ کہا بابا تمہیں کس نے مار ڈالا۔ بابا تم تو ابھی مجھے گود میں لیتے تھے۔ یہ کہہ کے سکینہؑ نے گود میں باپ کا سر رکھا اور رونا شروع کیا۔ تھوڑی دیر آواز آتی رہی۔ اور اس کے بعد سکینہؑ نے رونا بند کر دیا۔ عورتوں نے کہا رباب بچی تھک گئی ہے۔ اسے باپ کے سر سے لو سکینہؑ کی گود سے۔ اور اٹھا لو گود میں۔ اچھے رباب نے ہاتھ بڑھایا تو سکینہؑ کی روح پرواز کر چکی تھی۔ قیدیوں کے مجمع میں ایک ننھی سی قبر بن گئی۔ جب قید خانے سے رہا ہوئے اور کربلا کو قافلہ چلا۔ رباب عورتوں کو لے کر قید خانے میں آئیں۔ ننھی قبر کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ اسے میں کیسے جاؤں۔ اصغرؑ کو کربلا میں کھو آئی۔ سکینہؑ کو قید خانے میں کھوئے چلی۔

باسمہ سبحانہ

مجلس ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْہُمْ

ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے ان جاہل ان پڑھ عربوں میں ایک کو رسول بنا کر بھیجا۔ جو ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ انسانوں کے نفسوں کو پاک کرتا ہے۔ اس آیت میں حضور سرکار کائنات جناب محمد مصطفےٰ کی رسالت اور بعثت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں۔ میں اپنی پچھلی تقریروں میں بہت کچھ آپ کے سامنے کہہ چکا ہوں۔ آج اس حصہ کو پیش کرنا نہیں ہے کہ پیغمبر نے کتنی عظیم ذمہ داری کو اپنے اور اپنی ذمہ داریوں کو کتنی کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جو پچھلی تقریروں میں کہہ چکا۔ آج مجھے یہ کہنا ہے کہ جیسے جیسے اسلام بڑھ رہی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور یہ پیشنگوئی پوری ہو رہی تھی کہ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ"۔ اے میرے پیغمبر جب اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت آجائے گی۔ تو تم دیکھو گے کہ اللہ کے دین میں، لوگ فوج در فوج داخل ہوں گے۔ پیغمبر جب تم فوج در فوج مسلمانوں کو بڑھتے دیکھنا تو پھر ہماری تسبیح کرنا۔ ہم سے استغفار

کرنا۔ اور خدا کو بڑا ثواب ہے۔ پیغمبرؐ کے سامنے یہ پیشگوئی پوری ہو رہی تھی کہ سارا عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ اور عرب کے پڑوسی ملکوں میں بھی اسلام پھیل رہا تھا۔ مگر جس طرح ایک مکان کا بنانے والا۔ مکان بنتے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ فکر بھی دامن گیر ہوتی ہے کہ جس نیت سے میں نے مکان بنایا ہے اس کی تعمیر میں کوئی کمزوری نہ رہ جائے۔ ایسا نہ ہو جب اس کی منزلیں اوپر جائیں۔ جب اس کے پائے بلند ہوں تو یہ گرنا شروع ہو جائے۔ اسی طرح پیغمبرؐ کو بھی فکر تھی کہ اسلام جتنا بلند اور اونچا ہو رہا ہے۔ اسی اعتبار سے اس کی بنیاد بھی اتنی مضبوط اور مستحکم کر دی جائے کہ یہ گرنے نہ پائے۔ میرے بھائیو! میرے بزرگو! اور میرے بچو! ہم اس بات کو جانتے ہو کہ مکان کبھی یوں بھی گرتا ہے۔ کہ کوئی دشمن اسے کھود کر گرا دیتا ہے۔ بم مار کر گرا دیتا ہے۔ اور کبھی مکان یوں بھی گرتا ہے کہ جن اینٹوں کے سہارے وہ بنایا گیا ہے۔ کچھ زمانوں کے بعد وہ اینٹیں بگڑ کر۔ اپنا مزاج بدل کر۔ اپنی جگہ چھوڑنے لگتی ہیں۔ اور جب اینٹیں جگہ چھوڑنے لگتی ہیں تو دیواریں پھٹنے لگتی ہیں محرابیں جھکنے لگتی ہیں۔ اور عمارت گرنے لگتی ہے۔ پیغمبرؐ کے سامنے پچھلی تاریخ بھی جناب موسیٰؑ دنیا میں آئے۔ انھوں نے فرعون سے مقابلہ کر کے بنی اسرائیل کو نجات دلائی۔ مذہب پھیلایا۔ دین موسوی کو منزل معراج تک پہنچایا۔ مگر جناب سرور کائنات نے دیکھا کہ جناب موسیٰؑ کے بعد پھر جناب موسیٰؑ کا دین بگڑا اور بدلا۔ فرعون کے ہاتھوں نہیں بگڑا اور نہ بدلا بلکہ جو بچے

اسرائیل جن کو نجات دلائی تھی۔ کبھی وہ سامری کے پیچھے چل کے گوسالہ پرست ہو گئے۔ کبھی ہارون کا راستہ چھوڑ کے گمراہ ہو گئے۔ کبھی جناب موسیٰ کے وصی جناب یوشع سے لڑے اور ٹکرائے۔ تو جناب سرورِ کائنات کے سامنے پچھلی تاریخ تھی۔ کہ دین جناب موسیٰ تباہ ہوا۔ تو بیرونی دشمنوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ جناب موسیٰ کے کلمہ پڑھنے والے امتیوں کے ہاتھوں اس طرح تباہ ہوا کہ آج یہودیت کو کوئی ربط نہیں ہے موسیٰ کے دین سے۔ میرا پیغمبر دیکھ رہا تھا۔ کہ جناب عیسیٰ آئے زحمتیں جھیلیں۔ سولی کا خطرہ مول لیا۔ دنیا میں دین پہنچایا۔ مگر عیسیٰ کے فلک پر جانے کے بعد عیسائیوں نے عیسیٰ کا دین بدل ڈالا۔ اور اس طرح بدلا کہ اللہ کے بندے نے جس دین کو پیش کیا تھا۔ خدا کے سامنے سجدہ کرنے کے لئے۔ اسی اللہ کے بندے عیسیٰ کو خدائی کا جز بنا کے خدا کا بیٹا بنا دیا۔ آج فلک سے جناب عیسیٰ دیکھ رہے ہیں کہ عیسائی ان کا نام لے رہے ہیں مگر دین وہ نہیں ہے۔ جو جناب عیسیٰ کا دین تھا۔ دنیا یہ کہتی ہے کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ اور سمجھدار وہ ہوتے ہیں جو پچھلی تاریخوں سے تجربہ حاصل کر کے اگلے منصوبے بناتے ہیں۔ اگر سمجھدار انسان پچھلے تجربے کے بعد اپنے کو اگلے نقصان سے بچاتا ہے۔ تو میرے مسلمان بھائی مجھے بتاؤ کیا تمہارے پیغمبر۔ جو کائنات میں سب سے بڑے عالم اور حکیم تھے ان کے پیش نظر ساری تاریخ تھی۔ جس نے تاریخ سنی نہیں تھی بلکہ دیکھی تھی۔ اس لئے کہ پیغمبر کہتے ہیں: "میں تب نبی تھا جب آدم

پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس کے معنی یہ کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا رہا اسے پیغمبرؐ دیکھتے رہے ہیں۔ تو تاریخ کے پچھلے واقعات سن کر ہم سبق لیتے ہیں تو جس نے تاریخ اپنے سامنے بنتی اور بگڑتی دیکھی تھی۔ اس محمد مصطفےٰ کو جہاں اسلام کے بڑھنے اور پھیلانے کی فکر تھی وہاں اسلام کے مستقبل کو بچانے کی بھی فکر تھی۔ اور پیغمبرؐ کے لئے یہ پریشانی کچھ زیادہ تھی۔ اس پریشانی سے جو پریشانی جناب عیسیٰؑ یا موسیٰؑ کو ہو سکتی تھی۔ جناب موسیٰؑ جانتے تھے میرے بعد میری اُمت میرا دین بدلے گی۔ مگر یہ بھی جانتے تھے کہ نبوت مجھ پہ ختم نہیں ہو رہی ہے۔ لہٰذا میرے بعد دوسرا نبی آئے گا۔ جو بگڑے دین کو سنبھالے گا۔ جناب عیسیٰؑ جانتے تھے۔ میرے بعد عیسائی میرے دین کو بدل ڈالیں گے۔ مگر انھیں یقین تھا کہ پیغمبرؐ اسلام آنے والے ہیں۔ اور میرے بگڑے ہوئے دین کو محمد مصطفےٰ آ کر سنبھالیں گے۔ تو پچھلا ہر نبی دین کے مستقبل کو جب سوچتا تھا تو یہ سوچ کر پرسکون ہو جاتا تھا کہ میرے بعد نبی آئے گا جو میرے ادھورے کام کو پورا کرے گا۔ مگر پیغمبرؐ پہ نبوت ختم ہو رہی تھی۔ تو پیغمبرؐ کو اسلام کے مستقبل کی فکر تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آنے والا ہے۔ پیغمبرؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ عیسیٰؑ کا دین تھا ایک زمانے کے لیے۔ موسیٰؑ کا دین تھا ایک مدت کے لئے۔ میں جو دین پیش کر رہا ہوں وہ ہے قیامت تک کے لیے۔ تو میرے مسلمانوں سوچو وہ نبیؐ جو ہادیٔ اعظم ہو کر آیا ہے۔ جو ختم المرسلین

بن کر آیا ہے۔ وہ اپنے مذہب کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تاریخ بتا رہی ہے کہ جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰؑ کے دین والوں نے دین کو تھوڑے ہی دنوں میں بدل ڈالا تھا۔ تو سوچئے دین اسلام جیسے جیسے ترقی کرتا جا رہا ہے۔ ویسے ویسے سرورِ کائنات کو یہ فکر بھی بڑھتی جا رہی ہے کہ دین کے مستقبل کو میں روشن اور تابناک بنانے کا منصوبہ بھی مرتب کر دوں۔ بندوبست بھی کر دوں۔ یہ فکر صرف پیغمبر ہی کو ہونا چاہئے تھی۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے فکر کو فکر نہیں رکھا بلکہ دنیا کے سامنے عملاً تجربہ کرایا۔ کہ دیکھو کب دین بگڑے گا۔ اور بگڑنے کے بعد کب دین سدھرے گا۔ پیغمبرؐ نے کل غدیر کے میدان میں جو دین کا مستقبل علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھوں میں دیا۔ تو اس لئے نہیں دیا کہ وہ دامادِ پیغمبر تھے اس لئے نہیں دیا کہ وہ چچا زاد بھائی تھے۔ اس لئے نہیں دیا تھا کہ وہ عزیز اور بنی ہاشم تھے۔ بلکہ پیغمبرؐ نے علیؑ کے حوالے کرنے سے پہلے اپنی زندگی میں۔ امت کی کھلی آنکھوں کے سامنے تجربہ کرایا تھا۔ علیؑ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں دین کی قیادت ہوگی تو دین تباہ ہوگا۔ اور جب دین تباہ ہونے لگے اور قیادت علیؑ کو دے دی جائے تو دین سنبھل جائے گا۔

میں انہیں تجربوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آج ان تجربوں میں سے ایک تجربہ پیش کرنا ہے۔ مگر اس کے سنانے سے پہلے ایک بنیادی بات بھی آپ سن لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کوئی جماعت یا حکومت حتیٰ کہ کوئی گھر دو باتوں سے خالی نہیں۔ ایک گھریلو معاملات ہوتے ہیں اور

دوسرے گھر کے باہری تعلقات ہوتے ہیں۔ کسی گھر کو یوں دیکھا جاتا ہے کہ گھر کے رہنے والے آپس میں کس محبت سے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس گھر سے دوسرے گھروں سے تعلقات کیسے ہیں۔ معلوم ہوا گھریلو زندگی میں بھی ایک داخلہ پالیسی ہوتی ہے اور ایک پالیسی خارجہ اسی طرح جب کوئی جماعت بنتی ہے اس کی بھی ایک داخلہ پالیسی ہوتی ہے جہاں تنظیم اور فنڈ دیکھا جاتا ہے۔ اور ایک خارجہ پالیسی ہوتی ہے کہ کس جماعت کے ساتھ تعلقات رکھے اور کس کے ساتھ نہ رکھے۔ آج کوئی بھی حکومت قائم ہوتی ہے تو جہاں خارجہ پالیسی کے لیے ایک محکمہ اور وزیر ہوتا ہے وہیں ہوم منسٹری بھی ہوتی ہے۔ یعنی گھر سے لے کر ملک تک اور بین الاقوامی دنیا تک دو چیزیں ہوتی ہیں۔ داخلہ پالیسی اور خارجہ پالیسی۔ پیغمبر کو دو تجربے کرانا تھے۔ اسلام پالیسی میں کامیاب کب ہوتا ہے اور ناکام کب ہوتا ہے۔ پیغمبر کو یہ بھی بتانا تھا کہ اسلام کی خارجہ پالیسی باوقار کب ہوتی ہے۔ اور بے وقار کب ہوتی ہے۔ اس لیے میں کم سے کم دو تجربے سامنے رکھوں گا۔ ایک داخلہ پالیسی کے لیے اور ایک خارجہ پالیسی کے لئے۔ ایک کا تذکرہ آج کرتا ہوں ایک کا تذکرہ کل پیش کروں گا۔ میں جس واقعہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نام ہے جنگ خیبر۔ میرا مجمع میری تقریر کے مزاج سے واقف ہے کہ میں کبھی جنگ نہیں پیش کرتا کہ مجھے لڑائی کا منظر دکھانا ہوتا ہے۔ میں ہمیشہ موضوع سے مطابق حقیقت کو پیش

کرتا ہوں۔ اس لئے جنگ خیبر کے تذکرہ کے بعد آپ یہ امید نہ رکھیں کہ
میں لڑائی کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ بلکہ میں صرف جنگ خیبر
کو اس رخ سے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ پیغمبرؐ خیبر کے میدان میں تجربہ کرا
رہے ہیں کہ داخلہ پالیسی کامیاب کب ہوتی ہے اور ناکامیاب کب ہوتی
ہے۔ قبل اس کے کہ میں جنگ خیبر کا تذکرہ کروں۔ اس کے واقعات کا
تجزیہ کروں۔ اور جائزہ کی کوشش کروں۔ اس سے پہلے میں اپنے ہر دوست
سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ یہ بتائیں آپ کو اپنے گھر کی عزت
سے جتنی محبت ہو سکتی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کو اسلام کی عزت سے اتنی
محبت ہے یا نہیں۔ ہر مسلمان جواب دے گا کہ تمہیں اپنے گھر کی عزت
کا جتنا خیال ہے۔ پیغمبرؐ کو اسلام کی عزت کا اس سے ہزار گنا زیادہ
خیال ہے۔ اچھا تو ایک مثال سنئے ذرا تھوڑی دیر کے لئے ذہن بٹے
بھی ہو جائیں۔ تکان دور بھی ہو جائے اور میں بیان کے تانے کو ہنستا
کھیلتا لے چلوں۔ پہلے ایک مثال خود میری سمجھ لیجئے میرے گھر میں
ایک بچہ رہتا ہے "واقعہ نہ سمجھئے گا" میرا نہیں ہے۔ مگر میرے گھر
میں رہتا ہے تو میرا ہی کہلاتا ہے۔ مثال کا کوئی لفظ زیادہ نہیں ہے۔ اگر
آپ سوچتے چلیں تو بہت سی باتیں خود بخود سمجھتے چلے جائیں گے۔ میرے
گھر میں رہتا ہے۔ میرا کہلاتا ہے۔ اگرچہ میرا نہیں ہے تو اب اس کے کھانے
کی ذمہ داری بھی مجھ پر عائد ہوتی ہے اور اتفاق سے جو صاحبزادے رہتے
ہیں وہ مہذب اتنے ہیں کہ اگر آپ دروازے پر آ کر آواز دیں۔ تو وہ دوڑ

کے مجھ سے پہلے جو پہنچیں گے۔ یہ سب شاید سمجھیں گے تاکہ مجھ سے ملنے میں یہی خوف نہ ہو۔ بہرحال کہ مجھ سے پہلے نہ پہنچیں گے۔ آپ سمجھیں گے کوئی بڑا اچھا بچہ ہے مولوی صاحب سے پہلے آیا۔ مگر دروازہ کھول کے۔ آپ سمجھے کہ بچہ سلام کرے گا۔ وہ دیکھتے ہی ایک بڑی گالی ارشاد فرمائیں گے۔ یعنی آپ کا پہلا استقبال سلام کے بجائے گالی سے۔ آپ پوچھیں گے مولوی صاحب ہیں یا نہیں۔ وہ اور گالیاں دیں گے۔ آپ کہیں گے عجب بدتمیز لڑکا ہے۔ ہم مولوی صاحب کو پوچھتے ہیں۔ یہ مولوی صاحب کے گھر میں رہتا ہے۔ گالیاں بکتا ہے۔ تب وہ جواب میں ڈھیلے ارشاد کریں گے۔ یہاں تک کہ مجھ سے ملے بغیر آپ کو گلی میں بھاگنا پڑے گا۔ ایک ایسا بچہ کسی مجبوری کی بنا پر میرے گھر میں رہتا ہے۔ اب کیا کروں۔ اسے نکال نہیں سکتا۔ اور صورت حال یہ ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ دروازہ کھلا رہ جائے گا تو میرے گھر پر آنے والوں کو یہ لڑکا ڈھیلے مارے گا۔ اور گالیاں دے گا۔ جب میں گھر کے اندر جاتا ہوں تو صرف دروازہ ہی نہیں بند کرتا بلکہ دروازہ کو لاک بھی کر دیتا ہوں تاکہ اگر کوئی آواز دے تو میں ہی نکلوں۔ استقبال کے لئے یہ صاحبزادے نہ جا سکیں۔ آپ نے آواز دی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ دیکھا دو محترم دوست میرے دروازے پہ مجھ سے ملنے کے لئے کھڑے ہیں۔ جیسے میں نے دروازہ سے منہ نکالا۔ وہ صاحبزادے بھی بڑھتے تھے آپ کے استقبال کے لئے۔ تو میں فوراً آپ سے کہوں گا۔ ابھی حاضر ہوا۔ آپ سمجھیں گے مولوی صاحب کچھ کام سے گئے۔ مگر میرا کام یہ ہے کہ

میں گھر والوں کو جا کے منع کر دوں گا کہ وہ دوست ملنے آئے ہیں۔ یعنی اور وہ باہر بیٹھ کے میرے ساتھ باتیں کریں۔ اس بچے کو باہر نہ نکلنے دینا لئے پیسے دینا۔ اسے کھلونے دینا۔ اسے مٹھائی کھلانا۔ اسے بہلائے رکھنا۔ مگر گھر کی عزت باقی رکھنا۔ باہر نہ آنے دینا۔ یہ سچی بات ہے یا نہیں؟ یعنی میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔ مگر یہ نہ چاہوں گا۔ کہ جو میرے گھر کا عیب ہے وہ گھر کے باہر میرے دوست کی نظر میں آ سکے۔ کسی مسلمان کو اس سے اختلاف نہیں ہو گا۔ تو جب مجھے اپنے گھر سے محبت ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر کا عیب میرے گھر کے باہر میرے دوست کی نظر میں آ جائے۔ تو کیا میں یہ گوارا کر سکتا ہوں۔ کہ جو میری عزت کا دشمن ہو اس دشمن کے سامنے اس بچے کو آنے دوں۔ اور وہ میری بے عزتی کرے۔ جب دوست کے سامنے مجھے پسند نہیں ہے اس بچے کا آنا۔ تو دشمن کے سامنے میں کیسے گوارا کروں گا۔ اب مجھے اس نفسیاتی بات سمجھنے کے بعد مسلمان بتائیں کہ جنگ خیبر میں کیا ہوا۔ خیبر کے واقعات کا تذکرہ کسی کے لئے ناخوشگوار ہو سکتا ہے۔ مگر واقعات کسی کے خفا ہونے سے بدلے نہیں جاتے۔ واقعہ بہرحال واقعہ ہے۔ تاریخ کی وہ کتابیں نہیں جلائی جا سکتیں جن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جنگ خیبر شروع ہوئی۔ آخری قلعہ جو قلعۂ قموص تھا۔ وہ فتح نہیں ہوتا تھا۔ پیغمبر اس قلعہ کے سامنے پڑاؤ کرتے ہیں۔ پیغمبر کو "درد شقیقہ" ہوا کرتا تھا اتفاق سے اس درد کا دورہ میدان خیبر میں ہوتا ہے کہ پیغمبر تین دن

پنے خیمے سے باہر نہیں نکلتے۔ جب پیغمبرؐ تین دن خیمے سے باہر نہیں نکلے تو مسلمان اپنی اپنی مرضی سے روزانہ ایک سردار منتخب کر کے قلعہ پر حملہ کرنے جاتے۔ میں کسی کی توہین کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں واقعات کے بیان کرنے میں شخصیتوں سے بحث نہیں کرتا۔ کون سردار بنا، کون گیا۔ جس کو تلاش ہو وہ کتابیں پڑھے۔ اُسے نہ ملیں کتابیں تو مجھ سے پوچھے۔ لیکن میں مجمع میں نام لے کے شخصیت کا تذکرہ کر کے دلوں میں نفرتیں نہیں بڑھانا چاہتا۔ میں تو صرف ایک مفید بحث کرنا چاہتا ہوں۔ غرض کہ لشکر کے سردار کے ساتھ لشکر گیا۔ قلعے سے جب یہودیوں نے تیر بارانی کی اور حملہ کیا تو مسلمان فاتح ہونے کے بجائے بھاگ کر میدان سے واپس آئے۔ دوسرے دن پھر لشکر گیا۔ دوسرا سردار گیا۔ مگر پھر قلعہ فتح نہیں ہوا۔ بلکہ لشکر بھاگ کے آیا۔ اسی طرح جب تین دن گزر چکے تو تیسرے دن کی شام کو پیغمبرؐ نے خیمے سے نکل کر کہا۔ "لأعطین الرایة غداً رجلاً کرار غیر فرار الخ"

پیغمبرؐ نے کہا کل صبح علم دوں گا۔ اس کو دوں گا جو مرد ہو گا۔ جو بڑھ بڑھ کے حملہ کرے گا۔ بھاگے گا نہیں۔ خدا و رسول سے محبت کرتا ہو گا۔ خدا اور رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ پیغمبرؐ یہ حدیث سنا کر چلے گئے۔ اور اس کے بعد دوسرے دن علیؑ علم لے گئے اور فتح کر کے پلٹے۔ باقی واقعہ پھر سناؤں گا۔ تو میں ہر مسلمان سے پوچھتا ہوں کہ پیغمبرؐ کو یہ معلوم تھا کہ ان کے لشکر میں وہ کون ہے جو بہادر ہے وہ کون ہے جو بزدل

ہے۔ اولاً تو نبیؐ علم غیب رکھتا ہے جس علم غیب کی بنا پر پیغمبرؐ کو معلوم تھا کہ ان
میں کون لشکر لے کر جائے تو نہ بھاگے گا اور کون جائے تو بھاگے گا۔ اگر
ہم یہ بھی مان لیں کہ نبیؐ ہمارے جیسے ہوتے ہیں انھیں علم غیب نہیں ہوتا
تو پیغمبرؐ کم سے کم خیبر کے میدان میں جانتے تھے کہ کون بھاگے گا۔ کون لڑے گا
اس لئے کہ اس سے پہلے وہ احد کی لڑائی دیکھ چکے تھے۔ مسلمانوں کو بھاگتے دیکھ
چکے تھے۔ مسلمان یہ سوچ کر تباہ ہیں۔ کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ میں تاویل
نہیں کرتا کہ میرے گھر کا وہ بچہ جو میری ذلت و رسوائی کا سبب بنے
گھر کے باہر میرے دوست کے سامنے آئے۔ مگر پیغمبرؐ نے یہ کیسے پسند
کر لیا کہ وہ مسلمان جو جم کر لڑ نہیں سکتے وہ لشکر لے کر جائیں اور
بھاگیں۔ اگر ایسا ہوتا جو نبیؐ کے ساتھ جتنے مسلمان تھے وہ ایک طرح
کے ہوتے تو میں سوال یہ نہ کرتا۔ کیونکہ نبیؐ جسے بھیجیں گے وہی بھاگ کے
آئیگا۔ مگر جب پیغمبرؐ کے پاس ایک ہے وہ کوئی ہو۔ ایک ہے جس کے لئے
نبیؐ کہتے ہیں۔ وہ مرد ہے۔ وہ کرار ہے۔ وہ بھاگے گا نہیں۔ تو میرے
مسلمانو! مجھے بتاؤ کہ نہیں میں رسولؐ سے کیوں نہ پوچھ لوں۔ میرے
پیغمبرؐ جب آپ کے پاس نہ بھاگنے والا جواں مرد موجود ہے تو اسے تین دن
کو شکست کے بعد کیوں بھیجتے ہیں۔ اسے پہلے ہی دن کیوں نہ بھیج دیجئے
اگر یہ معلوم کرنا تھا کہ مسلمانوں میں کون کیسا ہے تو پیغمبرؐ یہ گھر کی بات تھی۔
اسے مدینہ میں معلوم کر لیتے۔ یہودیوں کے دشمن مجمع کے سامنے جب
مسلمان لشکر بھاگتا تھا۔ تو یہودی ہنستے تھے۔ یہ ہیں "لا الٰہ الا اللہ" کے

سینے والے۔ یہ ہیں "محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھنے والے۔ یہ ہیں قرآن کو سینے سے لگانے والے۔ یہ ہیں کعبہ کو سجدہ کرنے والے۔ جو تیروں اور تلواروں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔ تو سوچئے جب لشکر تین دن تک واپس گیا، تو دشمن اسلام پر ہنس رہا تھا یا نہیں؟ اور جب دشمن اسلام پہ ہنس رہا تھا تو اسلام کی رسوائی ہو رہی تھی کہ نہیں۔ مجھے نہیں گوارا کہ میرے گھر کا بدتمیز بچہ گھر کے باہر آئے۔ تاکہ دوست کے سامنے میرے گھر کا عیب نہ کھلے۔ تو پیغمبرؐ کو کیسے گوارا ہو گیا کہ دشمن مجمع کے سامنے اسلام کا عیب کھلے۔ مجھے بتاؤ دوستو! وجہ کیا ہے؟ کیا یہ میں تسلیم کرلوں کہ نبیؐ کو اتنی بھی اسلام سے محبت نہیں تھی۔ جتنی محبت مجھے اپنے گھر سے ہے۔ مسلمان کہیں گے نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ نبیؐ کو تو محبت تھی۔ جب نبیؐ کو بہت محبت تھی تو پھر اس کی کوئی وجہ ہونا چاہیئے اس کی کوئی حکمت ہونا چاہیئے۔ اس کی کوئی مصلحت ہونا چاہیئے۔ کہ نبیؐ بہادر رکھتے ہیں مگر بہادر کو بعد میں بھیجتے ہیں۔ پہلے اسلام کے دامن پر فرار کا دھبہ آنے دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ خیبر کے میدان میں کوئی اتنا بڑا مسئلہ حل کرنا چاہتے تھے جس کے لئے اسلام کا رسوائی کی قربانی دینا گوارا ہے۔ صلوات۔ ابھی آپ سنتے چلیں بیان جب نتیجے کی منزل پر پہنچے گا تب آپ محسوس کریں گے کہ میں نے جو آپ کے سامنے جو کچھ پیش کیا ہے وہ قابل لحاظ ہے یا نہیں۔ بس ابھی مسئلہ کو حل کرنا ہے کہ بہادر رکھتے ہوئے بھی پیغمبرؐ نے پہلے تین دن تک اسلام

کے نام پر شکست کا لکھا جانا کیوں گوارا کیا۔ وجہ کیا تھی مسئلے کو حل کرنے کے
لئے جہاں سے میں نے بیان چھوڑا تھا وہاں سے پھر شروع کرتا ہوں کہ
پیغمبرؐ نے شام کو اعلان کروایا کہ کل علم ایسے کو دوں گا۔ جس کے
صفات یہ ہیں۔ نبیؐ تو حدیث ارشاد فرما کر خیمے کے اندر چلے گئے
مدعا تو یہ چاہتا ہوں" مگر یہ خیبر کی رات یوں گذری۔ جیسے رمضان میں
شب قدر آتی ہے کہ کوئی مسلمان سوتا نہیں خیبر کی رات بھی شب قدر بن گئی تھی کہ کوئی مسلمان
سویا نہیں اسلئے نہیں سویا کہ دل یہ چاہتا تھا علم ہمیں مل جائے۔ آپ کہیں گے علم میں کیا
خاص بات تھی۔ تو آپ سمجھے نہیں۔ علم روز علم تھا مگر اس حدیث کے
بعد علم میں بڑا فرق ہو گیا۔ اب یہ علم تھا جس کے پرچم اور پھریرے
پر لکھا تھا کہ جس کے ہاتھ میں علم دیکھو اسے مرد سمجھو۔ جس کے ہاتھ میں
علم دیکھو اسے کرار سمجھو۔ جس کے ہاتھ میں علم نظر آئے اسے غیر فرار سمجھو اتنے
عہدے مل جاتے جس کو علم مل جاتا۔ عہدہ تو بڑی چیز ہے۔ مثال
بدل کے سناؤں میں آپ کو آج یہ خبر دوں کہ ممبئی میں سستے غلے کی دکان
ہے جو غلہ ملتا ہے۔ اسٹاک بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ دو دن میں ختم
ہو جائے گا۔ تو سب لوگ مجلس ختم کرکے کہیں گے۔ چلیے کارڈ ہاتھ میں
لو اور چار بجے سے وہیں لائن لگاؤ۔ میں مثال سنا رہا ہوں۔ افواہ نہیں پھیلا
رہا ہوں مقصد اس مثال کا یہ ہے کہ اگر سستا غلہ نہ ملنے کا خطرہ
پیدا ہو جائے تو کوئی سوئے گا نہیں۔ سب کو فکر ہوگی صبح سویرے پہلا
نمبر لگا کر غلہ لے لیں۔ تو سوچیے جہاں صورت حال یہ ہو کہ اگر علم مل گیا

تو بہت سے فضائل مل جائیں یعنی علم ملے تو مرد ہونے کی سند ملے کرکَار اور غیر فرار ہونے کی سند ملے۔ محب خدا اور رسُول ہونے کی سند ملے۔ اور پیغمبر نے اس پر قیامت یہ کر دی کہ اس کو علم دوں گا جو فتح کئے بغیر نہیں پلٹے گا۔ مسلمان کو یقین تھا کہ نبی کی بات غلط نہیں ہو سکتی بس علم ہمارے ہاتھوں میں آیا کہ خیبر کا در ہمارے ہاتھ سے اکھڑا۔ اس لئے کہ نبی فتح کی خبر دے چکے ہیں۔ تمنا میں رات کٹتی نہیں۔ انتظار ہے کہ رات کٹے، صبح ہو تو علم ملے۔ جب تمنا پیدا ہوتی ہے تو آدمی کروٹیں لینے لگتا ہے۔ ہر مسلمان کا جی چاہتا ہے کہ علم مجھے مل جائے۔ مثلاً ایک آدمی چھوٹے قد کا ہے اس نے سوچا یہ علم مجھے مل جائے تو سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک اور مسلمان آیا جو چوڑے سینے لمبے قد کا۔ ڈر لگا نبی کہیں اسے نہ دے دیں۔ اس کی بادشی اچھی ہے کہیں ہم چھوٹے قد کے ہونے کی بنا پر محروم نہ رہ جائیں۔ غرض کہ ہر مسلمان چاہتا ہے کہ علم مجھے مل جائے۔ دوسرے سب محروم رہ جائیں۔ تمنا اکیلی ہی بے چین کرنے کے لئے کیا کم تھی کہ ہر مسلمان کو دوسرے تمام مسلمانوں سے حسد بھی پیدا ہو گیا۔ اور حسد اسی آگ کا نام ہے کہ پیدا ہو جائے تو نیند نہیں آتی۔ تو سوچو جب ایک حسد کی چنگاری پر نیند نہیں آتی۔ تو جب ایک سینے میں سارے مسلمانوں سے حسد ہو گا تو نیند کیسے آ سکتی ہے۔ پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی مگر جن کا مقدر سو رہا تھا وہ جاگ رہے تھے اور جس کا مقدر جاگ رہا تھا

سو رہا تھا۔ رات مسلمانوں نے انتظار میں کاٹی۔ کہ کب صبح ہوگی اور
رات جیسے جیسے کٹنے لگی ویسے ویسے سمجھدار سوچنے لگے۔ خیمے میں
رہو گے تو پتہ نہیں نبیؐ نکل کے کسے دیکھیں اور کسے دیدیں علم
لہٰذا سب سے پہلے پہنچو جب نبیؐ علم لیکر نکلیں تو صرف ہمیں دیکھیں
سب مسلمانوں کو فکر ہے کہ ہمیں دیکھیں۔ جب کسی جگہ لائن لمبی لگتی ہے
تو لوگ سوچتے ہیں۔ آٹھ بجے دوکان کھلے گی چھ بجے چلیں گے۔ ذرا جلدی
پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں، فرلانگ بھر کی لائن لگی ہے۔ اس لئے کہ کچھ ان
سے سمجھدار تھے۔ انھوں نے کہا لوگ چھ بجے بستر سے اٹھ کر آئیں گے
اپنا بستر یہیں دوکان کے سامنے لگا دیا اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ
قدم قدم پر لائن لگتی ہے۔ سستا غلہ اسے ملے گا۔ جس کے پاس
راشن کارڈ ہو۔ میرے پاس راشن کارڈ نہیں لیکن میں بستر لگائے
پڑا ہوں۔ مجھے غلہ نہیں ملے گا مگر میری جگہ تو بکے گی۔ تو جب ذرا سی
بات میں ہم رات سے لائن لگاتے ہیں۔ تو وہ علم جس پر اتنے بھلے
ملنے والے ہوں اس کے لئے یقیناً مسلمان رات بھر جاگا ہوگا۔ تو آج نماز
قضا ہوگی، نہ تہجد قضا ہوگی۔ نہ فضیلت کا وقت جائے گا۔ مسلمان جلدی
جلدی نبیؐ کے خیمے کے سامنے پہنچے کچھ آگے آگے پہنچے اور جو سوگئے
وہ پیچھے پہنچے۔ جو پیچھے رہ گئے انہیں ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ آگے والے کھڑے
ہو جائیں اور ہم کو نبیؐ نہ دیکھیں۔ تو ڈھونڈ رہے ہیں کہ کہیں اونچی جگہ
ملے اس پر کھڑے ہو جائیں۔ بھائی تمنا عجیب چیز ہے۔ وہاں نبیؐ نے

نماز پڑھائی۔ وظیفہ پڑھا، سورج نکلا، خیمے کا پردہ اٹھا، اور نبیؐ ہاتھ میں
علم لے کے نکلے۔ اب جو نبیؐ ہاتھ میں علم لے کے نکلے تو مسلمانوں نے دیکھا
علم نبیؐ کے ہاتھ میں آ گئے۔ یہ نبیؐ پیچھے ہیں۔ سارے مسلمانوں کی نظر نبیؐ
پر نہیں نبیؐ کے ہاتھ پر ہے۔ ایک مرتبہ نبیؐ نے ذرا علم آگے بڑھایا
تو جہاں کھڑا تھا وہیں سے آگے بڑھا۔ نبیؐ نے علم ذرا پیچھے کر لیا۔ سب
پیچھے ہو گئے۔ نبیؐ نے تین مرتبہ علم آگے بڑھایا۔ تینوں مرتبہ مجمع آگے
بڑھا۔ نبیؐ نے پیچھے علم ہٹایا۔ مجمع پیچھے ہٹا۔ میں تو کم پڑھا ہوں۔ میں تو
تب ہی سمجھا۔ جنگ کا موقع ہے۔ شاید نبیؐ صحابہؓ کو ٹیسٹ کرا رہے
ہیں۔ جو لمبے قد والے تھے انھوں نے کھڑے ہو کر اپنے کو دکھانا چاہا،
بیچ ہم ہیں حقدار۔ جو چھوٹے قد والے تھے انھوں نے کہا مسلمان
مسلمان سب برابر ہیں۔ تم لمبے ہو تو کیا ہوا۔ وہ پنجوں کے بل کھڑے
ہو گئے۔ اب تو ہیں برابر۔ بڑی بے چینی کی بات ہے۔ آرزو کا معاملہ
ہے۔ خالی علم نہیں ہے اس کے ساتھ کتنے عہدے بھی مل جائیں
گے۔ جو آگے تھے انھیں خطرہ ہوا نبیؐ کہیں دور نزدیک دیکھنے لگیں۔ ہم سامنے
کھڑے ہیں۔ کبھی چراغ تلے اندھیرا بھی ہو جاتا ہے۔ تو وہ نبیؐ کے
پاس سے یوں گذرنے لگے کہ نبیؐ کے جسم سے جسم مس کر کے نکلے۔
تاکہ اب تو نبوت بیدار ہو جائے۔ ایک بات سنا دوں۔ اگر آپ نتیجہ
نکال لیں۔ کبھی کبھی میں واقعہ بھی سناتا ہوں جو بات سمجھانے میں
بڑا مفید ہوتا ہے۔ ایک مسجد میں ایک صاحب بڑے خلوص سے

دعا مانگتے تھے۔ دعائیں بھی لمبی تھیں۔ ہاتھ بھی لمبے تھے نماز پڑھ کے لمبے لمبے ہاتھ پھیلا کے، آنکھیں بند کرکے زور زور پکارتے۔ یا رب العالمین۔ اے سارے عالموں کے پالنے والے۔ یا رحمٰن۔ اے مہربان یا غفار۔ اے گناہوں کے معاف کرنے والے۔ تو ستر مرتبہ اللہ کا نام لیتے تھے۔ اور ستر مرتبہ اس کا اردو میں ترجمہ کرتے تھے نام تو پکارتے تھے زور زور ترجمہ کرتے تھے زور زور مگر جب دعا مانگتے تھے تو چپکے چپکے تاکہ مسجد میں کوئی اور مسلمان دعا سن کر مانگ نہ لے کر ٹوک کے بولے یا اللہ۔ اے خدا۔ اے رب العالمین۔ اب جو برابر میں نماز پڑھ رہا ہے وہ جو چونکا اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ تو لوگوں نے کہا بڑی مشکل ہے دعا مانگتے ہیں منع بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پکار کے مانگتے ہیں تو نماز میں خلل ہوتا ہے۔ سوچا انھیں سمجھاؤ کہ بھئیا اللہ کو پکارتے ہو تو یا عربی میں پکار لو۔ رب العالمین، رحمٰن، غفار، ستار، تواب یا اردو میں پکار لو۔ گناہوں کے معاف کرنے والے، روزی کے دینے والے۔ کیا بات کہی ہے انھوں نے جواب میں۔ کہنے لگے ہم تو دونوں میں پکاریں گے۔ پوچھا کیوں! کہا بات یہ ہے کہ معاملہ دعا کا۔ اس لیے عربی میں پکار کے ترجمہ کر دیتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا نہ سمجھے۔ سوچیے آپ نے۔ میں صرف ہنساتا ہی نہیں ہوں۔ مجمع کی تھکن بھی مٹاتا ہوں اور اسی کے ساتھ بات کو دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ پتہ چلا کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو اللہ کو اللہ مان کے دعا

بھی بھاگتے ہیں۔ اور اللہ کو نا سمجھ سمجھ کر اسے سمجھاتے بھی ہیں۔ مجھے جب کے میدان
میں مسلمان ایسا ہی نظر آرہا تھا۔ نبیؐ کو نبی بھی سمجھتے ہیں۔ ان سے علم بھی
لینا چاہتے ہیں۔ اور اونچے اونچے ہو کے جسم رگڑ رگڑ کر دکھا بھی رہے تھے۔
کہ نبیؐ ہم ہیں حقدار۔ جب نبیؐ کو نبیؐ مانتے ہو تو جو حقدار ہے نبیؐ اسی کو دیں
گے۔ یہ اپنے کو پیش کیوں کر رہے ہو۔ تو بات وہی ہے وہ ترجمہ کر کے
سمجھا رہے تھے۔ یہ اپنے کو دکھا کے سمجھا رہے تھے۔ متوجہ رہیے گا۔
ایک مرتبہ نبیؐ نے علم لے کے مجمع کے ایک ایک آدمی پر نظر ڈالنا شروع
کی۔ بس جس سے نبیؐ کی نظر ملی اسے یقین ہوا علم ہمیں ملا۔ جیسے ہی نظر ملی
ویسے ہی اس نے کاندھے اونچے کئے۔ نبیؐ دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس نے
نظر نیچی کر کے دوسرے کو دیکھا۔ ہم کو نہیں ملا تو کیا تم کو ملے گا۔ نبیؐ نے
یہاں سے وہاں تک پورے مجمع کو دیکھ ڈالا۔ کسی کو علم نہیں دیا۔ مجمع سوچ
رہا ہے آخر کسے علم دیں گے۔ ایک مرتبہ نبیؐ نے کہا علیؑ کہاں ہیں
جو علیؑ کا نام سن کر چپ ہو جایا کرتے تھے۔ وہ آج سب سے پہلے بولے
رسول اللہ انہیں نہ بلائیے وہ بیمار ہیں۔ مطلب سمجھے آپ یعنی وہ بیمار ہیں۔
اور ہم حاضر ہیں۔ امت کہہ رہی تھی علیؑ بیمار ہیں نہ بلائیے پیغمبرؐ نے کہا۔
نہیں۔ علیؑ کہاں ہیں۔ کہا حضور ہم نے رات کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی
ہیں۔ آشوب سے بڑا درد تھا۔ کہا بلاؤ علیؑ کو۔ امت کہہ رہی علیؑ بیمار ہیں۔
نبیؐ کہہ رہے ہیں جو تمہاری نظر میں بیمار ہیں۔ وہ ہی اسلام کا مسیحا ہے سلمانؓ
سلمان گئے بلا کے لائے۔ علیؑ سلمان کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ کر آئے۔

نظر کام نہیں کرتی۔ کوئی اور ہوتا تو کہتا رسولؐ بس سے کہنا کہ میری آنکھیں کام نہیں کرتی ہیں تو میدان میں کیا جاؤں۔ علیؑ نے بیماری کا عذر نہیں کیا اس لیے کہ روز الغدیر میں جب مدد کا وعدہ کیا تھا۔ تو قید نہیں لگائی تھی کہ جب اچھا رہوں گا تب مدد کروں گا۔ جب بیمار ہوں گا تب مدد نہ کروں گا۔ بے قید مدد کا وعدہ کیا تھا بے شرط حاضر ہو گئے۔ مسلمان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آگئے۔ نبیؐ نے کہا علیؑ کیسے ہو۔ کہا آنکھیں آشوب کر آئی ہیں مگر تعمیل حکم کے لیے حاضر ہو گیا کہا علیؑ میرے زانو پر سر رکھو۔ انگلی میں نبیؐ نے لعاب دہن لگا لی۔ اور انگلی علیؑ کی آنکھوں میں پھیری پھر کبھی علیؑ کی آنکھ بیمار نہ ہوئی۔ صلوٰۃ۔ علیؑ کو علم دیا۔ علیؑ کو تنہا نہیں بھیجا۔ جو لشکر کل گیا تھا۔ وہ آج بھی ساتھ ساتھ ہے جب نبیؐ نے علیؑ کو علم دیا تو کہا مولا کب تک لڑوں گا۔ کہا علیؑ تب تک لڑنا، جب تک فتح نہ ہو۔ علیؑ علم لے کر چلے تنہا چلے، نہیں۔ علیؑ جب علم لے کر چلے تو علیؑ کے پیچھے لشکر چلا۔ لشکر وہی جو کل گیا تھا۔ وہی لشکر جو پرسوں گیا تھا۔ وہ لشکر جو ترسوں گیا تھا نبیؐ نے لشکر نہیں بدلا صرف سردار لشکر بدلا۔ تین دن پہلے جو لشکر گیا تھا۔ خدا کو مانتا تھا۔ نبیؐ کا کلمہ پڑھتا تھا۔ قرآن کو کتاب الٰہی کہتا تھا۔ نمازیں ادا کرتا تھا۔ اسلام کی ہر بات مانتا تھا جو عقیدے پہلے دن تھے وہی دوسرے دن تھے۔ وہی عقیدے تیسرے دن بھی تھے۔ اور وہی عقیدے آج چوتھے دن بھی تھے۔ خدا و رسولؐ اور قرآن و قبلہ کا ماننے والا مسلمان پہلے تین دن بھی گیا تھا۔ اور آج چوتھے دن بھی گیا تھا مگر صورت کیا ہے کہ پہلے مسلمان میدان سے بھاگتا رہا حالانکہ اس خدا کا سمجھ گیا تھا اس

بتوں کا کلمہ گو تھا۔ اس قرآن پر ایمان تھا۔ جس میں لکھا ہے۔ میدان جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اسی قرآن کو سینے سے لگائے رہا۔ مگر میدان سے بھاگا۔ اچھا آپ بتائیں جب میں لشکر لے کر جاؤں۔ اور لڑنے کے بجائے میدان سے بھاگ کر چلا آؤں۔ تو میں مسلمانوں کو اسلام کے راستے پر لے جا رہا تھا۔ یا مسلمانوں نے اسلام کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب میدان جہاد سے مسلمانوں نے قدم ہٹائے تو خدا کی بات کی نافرمانی کی پیغمبر کی بات کی نافرمانی کی۔ قرآن کے حکم کے خلاف طرزِ عمل اختیار کیا۔ یعنی اسلام جو کہتا ہے وہ مسلمانوں نے نہیں کیا۔ سنئے۔ نبیؐ کو گوارا نہیں تھا کہ اسلام کی شکست دشمن کی نظر کے سامنے آئے۔ مگر وہ نبیؐ جو جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ کے دین کو مٹتے دیکھ چکے تھے وہ چاہتے تھے کہ تجربہ کرا دوں کہ اسلام کی داخلہ پالیسی کامیاب کب ہوتی ہے۔ ناکامیاب کب ہوتی ہے۔ مسلمانوں تم بعد میں سوچو گے جب میں نہ رہوں گا۔ تو میں تمہیں اپنی زندگی میں تجربہ کرا دوں۔ میں زندہ ہوں۔ جیسے میدان میں موجود ہوں۔ یہ بھی نہیں کہ نظروں سے غائب۔ مدینہ تمہا چھوڑا۔ مگر تمہارا حال یہ ہے کہ تمہارا نبیؐ زندہ ہے۔ تمہارے مجمع میں موجود ہے۔ تمہاری گود میں قرآن بھی ہے تمہارے سینے میں اسلام بھی ہے۔ مگر میں تین دن کے لئے خیمے میں اگر بیمار پڑ گیا اور تم نے اپنی مرضی سے لڑائی کا سردار بنا لیا۔ تم گھبرا گئے اپنا سردار لے گئے۔ اسلام کی ہر بات مان لیے گئے۔ مگر جب بھاگے تو تم نے اسلام کا راستہ چھوڑ دیا۔ اسلام کی داخلہ اور خارجہ پالیسی میں انتشار ہوا یا نہیں۔ پیغمبرؐ نے کہا میرے بعد کا سوال تو بعد میں سوچنا۔ میری زندگی کا تماشا بھی

آنکھوں کے سامنے، خدا اور رسولؐ اور قرآن و قبلہ کو مان کے مسلمان اسلام کو دامن چھوڑ دیتا ہے۔ نہ اُسے خدا کا خیال آتا ہے۔ نہ اُسے میری موجودگی کا خیال آتا ہے۔ نہ اُسے قرآن کا خیال آتا ہے۔ کوئی بات اُسے میدان میں روک نہیں پاتی ہے۔ یعنی میری آنکھوں کے سامنے اسلام پلٹ رہا ہے، اسلام بگڑ رہا ہے اسلام بھاگ رہا ہے، اسلام منتشر ہو رہا ہے۔ اور تین دن تک یہ ہوتا رہا۔ مگر جب میں نے چوتھے دن علیؑ کو بھیجا تمہارے ساتھ تو اگرچہ لشکر وہی تھا، خدا پہ عقیدہ وہی تھا، قیامت پہ عقیدہ وہی تھا، قرآن پہ عقیدہ وہی تھا، اسلام پہ عقیدہ وہی تھا۔ مگر اب جو مسلمان گیا تو بھاگا نہیں۔ پتہ چلا کردار صرف عقیدہ توحید سے نہیں بنتا۔ کردار صرف نبوت کے اقرار سے نہیں بنتا۔ کردار صرف قرآن پہ ایمان سے نہیں بنتا۔ کردار اسلام پہ ایمان لانے سے نہیں بنتا۔ کردار بنتا ہے سردار سے۔ جیسا سردار ویسا کردار۔ جب تک تم نے سردار اپنا جیسا رکھا اس وقت تک اسلام کی ہر بات مان کر تم نے اسلام چھوڑا۔ جب میرے جیسے علیؑ تمہارے سردار بن کے گئے تو تمہارے قدم میدان سے نہیں ہٹے۔ تو نبیؐ نے تین دن کی شکست قبول کی چوتھے دن علیؑ کو بھیجا۔ کہ دیکھو میری زندگی میں اسلام میں بھگدڑ ہو جاتی ہے اگر سردار تمہارے بنائے ہوتے ہیں بھگوڑا اور بگڑا ہوا اسلام بہادر بن جاتا ہے اگر علیؑ کو سردار مان لیتے ہو۔ نبیؐ نے تجربہ کرا دیا۔ میرے بعد اپنی مرضی سے سردار بناؤ گے۔ اسلام منتشر ہو جائے گا۔ میرے علیؑ کو سردار مانو گے، اسلام کامیاب رہے گا۔ صلوات اگر اتنا بڑا مسئلہ حل کرنا نہ ہوتا تو نبیؐ

اسلام کی عزت پر جان چھڑکنے والا تھا۔ دشمن یہودیوں کے سامنے اسلام کی ذلت
گوارا نہ کرتے۔ مگر اس ذلت کے گوارا کئے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ
کس کے ہاتھ میں اسلام کی قیادت رہے گی۔ تو اسلام کامیاب رہے گا اور کس
کے ہاتھ میں اسلام رہے گا تو اسلام ناکام رہے گا۔ خیبر کی جنگ بھی نبی لڑ رہے
تھے اور اسلام کے مستقبل کا تجربہ بھی کرا رہے تھے۔ اور آج جس نے کردار
سنوار دیا مسلمانوں کا۔ اس کو کل غدیر کے میدان میں ہاتھوں پر اٹھا کے کہہ
رہے تھے۔ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" داماد ہونے کی بنا پر
نہیں کہہ رہے تھے۔ چچازاد بھائی ہونے کی بنا پر نہیں کہہ رہے تھے۔
بلکہ اس لئے کہہ رہے تھے کہ جیسے میں جاہل عربوں کو اسلام کے ذریعہ انسان
بنا سکتا ہوں۔ ویسے ہی کمزور دل مسلمانوں کو "علی اگر سردار مان لئے جائیں"
تو حوصلہ مند مسلمان بنا سکتے ہیں۔ یہ اسلام کا مستقبل تھا جسے پیغمبر خیبر میں دکھا
رہے تھے۔ بس آج کی تقریر یہیں پر روکتا ہوں۔ باقی تجربے جو نبیؐ نے کرائے
ہیں وہ کل بندہ سناؤں گا۔ لیکن آج اتنا سنانا چاہتا ہوں کہ خیبر کے میدان سے نبیؐ
پلٹے، خیبر کے میدان سے علیؑ پلٹے۔ خیبر کے میدان سے مسلمان پلٹے۔ اور
سب اپنا حصہ لے کے پلٹے۔ نبیؐ کے حصے میں علاوہ دشمن پر فتح پانے اور مسلمان
کی رہنمائی کرنے کے وہ جائداد بھی آئی جو بغیر جنگ قبضے میں آئی تھی قرآن نے
آیت سنائی کہ بغیر جنگ جو زمین قبضے میں آئے۔ وہ خاص نبی کی ملکیت۔
چنانچہ جائداد فدک جو بغیر لڑے بھڑے ملی تھی۔ پیغمبر کے حصے میں آئی۔ مسلمانوں
کو مال غنیمت کا حصہ ملا۔ اور علیؑ کو علمداری اور اس کے صفات ملے یعنی اب خیبر

بعد علیؑ کبھی جوانمردی سے پیٹھ نہیں سکتے۔ علیؑ کبھی بھاگ نہیں سکتے۔ علیؑ کبھی غیر کرار نہیں ہو سکتے۔ علیؑ کبھی خدا اور رسولؐ کی محبت نہیں چھوڑ سکتے۔ اور کبھی خدا اور رسولؐ علیؑ کی محبت نہیں چھوڑ سکتے۔ خیبر کے دن علیؑ کو صرف علم نہیں ملا تھا بلکہ علیؑ کے مستقبل کی ذمہ داری خدا اور رسولؐ نے لے لی۔ کہ علیؑ جب تک زندہ رہیں گے۔ یہ خدا سے اور اس کے رسولؐ سے محبت کریں گے رسولؐ ان سے محبت کریں گے۔ اب زمانے میں حالات چاہے جتنے بدل جائیں چاہے علیؑ کے سر پر لوگ حکومت کا تاج رکھنا چاہیں۔ چاہے علیؑ کے دروازے پر آگ لگا دیں۔ یہ دنیا بدلے گی مگر خدا اور رسولؐ کی محبت علیؑ کے لئے نہیں بدلے گی ذرا سوچنے کے قابل ہے یہ بات۔ کہ جس مسلمان نے خیبر کے دن سن لیا تھا کہ علیؑ خدا اور رسولؐ کے چاہنے والے ہیں۔ اور خدا اور رسولؐ کو علیؑ سے محبت ہے۔ وہ علیؑ سے لڑنے کیسے جاتا ہے۔ وہ علیؑ کو گرفتار کیسے کرتا ہے وہ علیؑ کے گلے میں چادر کا پھندا کیسے ڈالتا ہے۔ تقریر سمیٹتے ہوئے۔ ایک لفظ میں سیرت علیؑ کا نچوڑ سناتے ہوئے اور مصائب کی طرف بڑھتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں نے آج علیؑ کے بازو کی قوت دیکھی کہ جس خیبر کے وزنی در کو چالیس آدمی مل کر کھولتے بند کرتے تھے۔ اس وزنی در کو علیؑ نے اپنے ہاتھ پر اس طرح اٹھا لیا۔ جیسے پتہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ مگر یہیں تک اگر کسی کی نظر گئی تو اس نے نہ علیؑ کا بازو پہچانا نہ علیؑ کا دل پہچانا۔ در خیبر کا اٹھانا اگر علیؑ کے بازو کی طاقت تھی۔ تو علیؑ کے دل کی طاقت یہ تھی کہ دل کی طاقت در خیبر اٹھانا آج تمہیں علیؑ کی طاقت یہ ہے کہ جس کا بازو در خیبر کا اٹھانے کی طاقت جسم کے قبضے میں کائنات کا پیٹ ہلانے والی ذوالفقار موجود ہے۔ اس بہادر علیؑ کے

سامنے اس جواں مرد علیؑ کے سامنے ۔ اس کرار و غیر فرار علیؑ کے سامنے ۔ اس کے
گھر کا دروازہ جلتا ہے، اس کے سامنے ان کی بی بی پیغمبر کی اکلوتی بیٹی پوری کائنات
کی ملکہ، فخر عالمین کی سیدہ، فاطمہ زہراؑ کا پہلو زخمی ہوتا ہے۔ وہ بازوئے علیؑ
کا تھا کہ جس نے خیبر کا دروازہ اکھاڑا تو قلب علیؑ اور نفس علیؑ کا مظاہرہ تھا کہ بازو میں قوت ہے ہاتھ میں تلوار ہے
مگر چپ بیٹھے ہو صبر ہے۔ تو گھر جلنے دیا۔ فاطمہؑ کو زخمی ہونے دیا مگر علیؑ غیظ میں نہیں آگئے۔
میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جو طاقت کے ذریعے غیروں کو دبا لیتا ہے وہ دنیا کی
رینج میں بڑا ہوتا ہے۔ اور جو جذبات کے ہنگامے میں اپنے دل و دماغ و
نفس پر قابو رکھتا ہے۔ وہ دین کا بڑا ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر میں کہنا چاہتا ہوں
کہ کربلا میں عاشور کے دن جو مجاہد لڑے ۔ ان کی لڑائی ان کی قوت نفس کا
مظہر نہیں ہے بلکہ لڑائی سے پہلے جذبات پر قابو رکھنا ان کی قوت نفس
کا آئینہ ہے۔ نا انصافی ہوگی، اگر میں یہ کہوں کہ جس نے میدان میں کوئی شہید لڑ کر
جان دیتا ہے۔ یہی لڑائی اس کے دل و دماغ و قلب کی طاقت کا مظاہرہ ہے۔
نہیں جہاد تو بہت آسان ہے۔ لیکن ساتویں کی صبح سے لے کر عاشور کے دن تک
پیاس کا برداشت کرنا۔ اس پیاس میں دھوپ کی تکلیف جھیلنا۔ اس دھوپ
میں حسینؑ کے پیچھے کھڑے رہنا۔ پیاسے حسینؑ کے پیچھے کھڑے ہو کے فرات کی
بہتی ہوئی موجوں کو دیکھنا موجوں کو دیکھ کے پیاس کے دریا پر قابو پانا۔ اور فرات
کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھنا۔ یہ نفس کی قوت ہے۔ یہ قلب کی طاقت ہے۔ اور
اسی سے دنیا پہچانے کہ حسینؑ کے ساتھی کتنے مضبوط دل والے تھے۔ عاشور
کی صبح ہو رہی ہے۔ جانیں دینے کے لئے مجمع بے چین ہو رہا ہے۔ بچے سے

ظہر کے بعد تک وہ خیمے خالی ہو گئے جو انصار کے خیمے تھے؟ کون انصار عاشور
کی رات حسینؑ کی بہن زینبؑ نے ایک مرتبہ بھائی سے اتنا کہدیا تھا کہ
بھیا آپ نے سب کو آزما لیا ہے۔ کوئی ساتھ چھوڑ کر جانے والا تو نہیں
ہے تو ایک ساتھی نے جا کے آواز دی تھی۔ اے اصحاب حسینؑ تم خیمے میں بیٹھے
ہو۔ اور فاطمہؑ کی بیٹی کو تم پر بھروسہ نہیں ہے۔ سب دوڑے ہوئے گئے
اور آنے کے بعد نیاموں سے تلواریں نکال کر گردنوں پہ رکھ لیں۔ شہزادی
تلواریں موجود ہیں، گلے کاٹ کے دیکھ لیجئے۔ کہ ہم بھاگتے ہیں یا نہیں۔ زینبؑ
کے ٹوٹے دل کو سکون مل گیا تھا کہ جب تک حبیب ہیں۔ زہیر ہیں۔ بلال ہیں
ہیں۔ ابو ثمامہ ہیں، تب تک میرے بھائی پر آنچ نہیں آئے گی۔ مگر ظہر کے
بعد رونے والو! وہ وقت آیا کہ اصحاب حسینؑ کے خیمے خالی تھے۔ مقتل
ابو مخنف میں یہ لکھا ہے کہ ظہر کے بعد جب اصحاب کے خیمے اجڑ چکے تھے۔
تو حسینؑ اپنے خیمے سے باہر نکلے۔ اس خیمے کو دیکھا جس میں کبھی حبیب
تھے۔ اسے دیکھا جس میں زہیر تھے۔ اسے دیکھا جس میں پیاسے والا مسلم ابن
عوسجہ تھے سب کو خالی دیکھا تو ایک مرتبہ حسینؑ زمین پر بیٹھ گئے۔ اور کہا
میرے شیرو! اب میں کیسے پکاروں۔ بس ایک ٹھنڈی سی سانس لی اور حسینؑ
نے کہا ہائے پیاس۔ ہے کوئی میرا مددگار۔ حسینؑ کے خیمے کے پیچھے حسینؑ
کے اعزہ کے خیمے تھے۔ ان میں سے لوگ نکلنے لگے۔ مسلم ابن عقیلؑ کے
دو بیٹے نکلے جعفر طیارؑ کی اولاد نکلی۔ عقیلؑ کی اولاد نکلی۔ عباسؑ کے بھائی نکلے
عونؑ و محمدؑ نکلے۔ قاسم ابن حسنؑ نکلے، علی اکبرؑ نکلے، کسی نے کہا چچا، کسی نے کہا

ہوں۔ کسی نے کہا بابا۔ جب تک ہم زندہ ہیں تب تک مرنے والوں کا افسوس
نہ کرو۔ حسینؑ نے کہا میرے جگر کے ٹکڑو۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے تمہیں قربان
کردوں یہ کیسے ممکن ہے۔ ساری تاریخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے سب سے
پہلے سفیرِ حسینی مسلم ابن عقیل کا بیٹا اٹھا۔ عبداللہ ابن مسلم تڑپ کر نکلا۔ وہ کہتا
آقا سب سے پہلے میں جاؤں گا۔ دوستوں کو اتنا اور بہادر بنا دوں۔ جناب مسلم کے
بیٹے جناب عبداللہ جہاں جناب مسلم کے بیٹے جناب عقیل کے پوتے ہیں۔ وہاں
مولائے کائنات امیرالمومنینؑ کی بیٹی جناب رقیہ کے بیٹے بھی ہیں۔ جناب
رقیہ کی شادی جناب مسلم سے ہوئی تھی۔ عبداللہ عقیلؑ کے پوتے اور علیؑ کے
نواسے ہیں۔ عون و محمدؑ نے کہا پہلے ہم جانیں دیں گے۔ رقیہ نے اپنے بچے سے
کہا بیٹا کیا زینبؑ کی اولاد پہلے جان دے دے گی۔ چنانچہ عبداللہ ابن مسلم تڑپ
کے نکلے اجازت لے کر میدان میں آئے۔ عقیل کا پوتا عبداللہ حملے پر حملہ کرتا
ہے صفیں الٹتا دل کے حوصلے نکالتا ہے۔ دشمن فوج محسوس کرتی ہے۔ تلوار
سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ نیزہ سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ تو چاروں طرف سے
تیر انداز گھیرتے ہیں۔ نشانہ لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ عبداللہ نے اپنا ہاتھ سر
پر رکھا تھا کہ اسی وقت ایک تیر پیشانی پر لگا۔ جس نے پیشانی سے ہاتھ کو
سی دیا۔ لڑنے والا مجبور ہو گیا۔ ہاتھ پیشانی میں سلا ہوا ہے دوسرا تیر آ کے
کلیجہ پر لگا۔ ایک مرتبہ مسلم کا بیٹا زمین پر گرا۔ آواز دی ماموں میں باپ کے پیچھے
جا رہا ہوں۔ حسینؑ کے پہنچنے میں دیر ہوئی تو جس قاتل نے تیر لگایا تھا اسے
کیسے سنا دوں۔ جب پڑھتا ہوں دل پھٹنے لگتا ہے جس قاتل نے تیر لگایا تھا

اس نے دیکھا حسینؑ دور ہیں چاہا کہ میں تیر نکال لوں۔ ظالم کا نشانہ سچا تھا پہلا تیر کھینچا تو دل کو توڑتا ہوا پشت سے نکلا۔ جب میں نے دوسرا تیر پیشانی سے نکالنا چاہا تو دم نکل رہا تھا۔ نبضیں ڈوب رہی تھیں اور قاتل تیر نکالنے کے لئے حرکت دے رہا تھا۔ حسینؑ کا یہ بچہ اس طرح جان دے رہا تھا کہ زخم میں تکلیف کا اضافہ ہو رہا تھا اور روح پرواز کر رہی تھی۔ حسینؑ گئے۔ مسلم کے بچے کی میت لائے۔ ابھی میت خیمہ گاہ تک نہیں پہنچی تھی کہ دوسرے بھائی نے آواز دی کہ ماموں میں نے بھی جان دی۔ پھر اولاد جعفرؑ عقیلؑ کے ایک ایک جوان نے جان دی۔ جب سب جانیں دے چکے تو عون و محمدؑ نے جان دی۔ اس کے بعد ایک خیمے سے ایک خوبصورت نوجوان نکلا جسے ماں نے بڑی ناز سے پالا تھا۔ نام بتا دوں امام حسنؑ کی تصویر قاسمؑ۔ قاسمؑ چچا کے سامنے آئے حسینؑ نے کہا کیسے آئے۔ کہا چچا مجھے بھی مرنے کی اجازت دے دو۔ کہا بیٹا تیرے باپ نے تجھے میرے حوالے کیا تھا۔ تجھے بچپنے سے میں نے پالا ہے۔ میں تجھے مرنے کے لئے نہیں بھیجوں گا۔ اے قاسمؑ حسینؑ سینے میں وہ دل کہاں سے لائے جو تیرا جنازہ اٹھا لے۔ اے بیٹا زندہ رہو کہ جب میں دم توڑوں تو تم میرے سرہانے آنا۔ قاسمؑ نے بہت اصرار کیا۔ مگر امام نے فرمایا نہیں بیٹے کہ چچا تم کو اجازت دیدے۔ قاسمؑ مجبور ہو کر خیمے میں واپس آئے۔ سوچنے لگے کہ یا حسینؑ کیا کروں۔ چچا سے کیسے اجازت لوں۔ یاد آیا بابا نے ایک تعویذ بندھوایا تھا۔ دل نے کہا قاسمؑ وہ تعویذ کو کھولو جو بابا نے باندھا تھا تعویذ کھول کر دیکھا، لکھا تھا۔ بیٹا قاسمؑ کل کربلا میں جب میرا بھائی دشمنوں میں

مر جائے تو تم جان دے دینا۔ وہ خط لیکے حسینؑ کے پاس آئے حسینؑ نے کلیجے سے لگایا۔ روئے اور اتنا روئے کہ دونوں غش کھا کر گرے۔ زینبؑ و عباسؑ نے آنسو چھڑک چھڑک کے حسینؑ اور قاسمؑ کو بیدار کیا۔ گھوڑا آیا۔ قاسمؑ نے سوار ہونا چاہا۔ تو وہ گھوڑا اونچا تھا۔ چچا عباسؑ نے بڑھ کر گود میں لیا۔ قاسمؑ کو گھوڑے پر بٹھلایا۔ رکابوں میں جو پیر ڈالے تو رکابوں تک پیر نہ پہنچے۔ تسمے کاٹ کر رکابیں اونچی کی گئیں۔ رکابوں میں پیر ڈالے۔ ہاتھ میں گھوڑے کی لگام لی۔ اور ایک چھوٹی تلوار لے کر میدان جنگ کی طرف چلے۔ مگر کیسے۔ کرتا پہنے جس کا گریبان کھلا۔ چچا سینہ سامنے۔ میدان میں آکر حیدری آواز سے پکارے۔ میں ہوں حسنؑ کا فرزند۔ دشمن کا لشکر بھی کہنے لگا کہ کربلا کے میدان میں قاسمؑ نہ ہے یا صفین کے میدان میں علیؑ آئے۔ پہلوان کا سامنا ہوا۔ دو ٹکڑے کئے۔ جوان کا سامنا ہوا دو ٹکڑے کئے۔ جب یزید کی فوج دیر تک لڑنے میں تھکتی رہی تو ایک مرتبہ کسی نے کہا۔ اس نوجوان کو میں قتل کروں گا۔ کہا کیسے۔ کہا جب یہ دستے کی طرف حملے کے لئے بڑھے گا۔ تو میں چھپ کے آڑ سے کر حملہ کروں گا۔ حسنؑ کا بیٹا حیدری جلال میں حملے کے لئے بڑھا تو تلوار چلی اور سر پہ پڑی۔ سر دو ٹکڑے ہوا۔ زمین پر قاسمؑ سے سنبھلا نہ گیا۔ زمین پر گرے۔ جب زمین پر گرے تو آواز دی چچا آئے۔ قاتل نے چاہا کہ دوسری مرتبہ قاسمؑ پر تلوار لگائے کہ حسینؑ گھوڑے پہ سوار للکارتے ہوئے بڑھے۔ ارے قاتل ٹھہر تو جا میں آتا ہوں۔ اور اتنا تیز آئے حسینؑ کہ عمر سعد از دکا گھوڑا ہٹ نہ دیا۔ اس پر جو تلوار لگائی۔ تو وہ ہاتھ کٹ گیا۔ جو قاسمؑ پر حملہ لگا گئی تھی جب ہاتھ

کٹ تو ملعون چیخنے لگا۔ ساتھیوں کو آواز دی۔ ارے میرے دستے والو آؤ مجھے بچاؤ۔
دستہ بچانے کے لئے بڑھا۔ اس بھگدڑ میں زمین پر قاسمؑ زندگی میں کچلے جانے لگے۔
ادھر کے گھوڑے ادھر گئے۔ اور قاسمؑ تڑپ تڑپ کر پکار رہے تھے۔ ارے چچا
ارے چچا۔ جب غبارِ جنگ چھٹا۔ تو لوگوں نے دیکھا۔ قاسمؑ زندہ تو ہیں مگر ٹکڑے ٹکڑے
ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اور حسینؑ جھکے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ بیٹا چچا تم سے
شرمندہ ہے۔ تیری مدد نہ کر سکا۔ مدد کرنے تب آیا۔ جب میری مدد تیرے کام
نہ آسکی۔ حسینؑ لپٹ گئے۔ قاسمؑ میرے لال قاسمؑ۔ میرے بھائی کی نشانی قاسمؑ
قاسمؑ نے بس ایک مرتبہ کہا۔ بابا۔ دنیا سوچے گی۔ چچا کے بجائے بابا کو کیوں پکار
رہے ہیں۔ شاید جب روح پرواز کرنے لگی ہوگی تو سرہانے باپ نظر آئے ہوں
گے۔ جب باپ نظر آئے تو کہا ہوگا بابا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ مگر
بابا اب میرے چچا پر کون جان دے گا۔ الغرض روح پرواز کر گئی۔ حسینؑ نے میت
اٹھا لی۔ سینے سے سینہ لگایا۔ پیر زمین پر کھنچتے جا رہے ہیں۔ قتل گاہ سے خیمہ تک
لائے۔ میت لٹائی۔ سکینہؑ نکلی میت دیکھی، دوڑ کے خیمہ میں گئی۔ ارے بھیا
قاسمؑ آگئے مگر جسم ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ زینبؑ نکلیں۔ وا قاسماہ
وا طیباہ واحمداہ پیچھے پیچھے روتی ماں نکلی بیٹا تم نے مجھے سرخرو کر دیا۔ لال اللہ تجھے
رکھے شاد۔ ابتک تم میری کمائی تھے قاسمؑ۔ آج تمہاری میت میرا سرمایہ ہے
قاسمؑ ہائے قاسمؑ لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

باسمہ سبحانہ

مجلس ۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا الخ

کل کی تقریر میں سلسلۂ بیان کو میں یہاں تک لایا تھا کہ وہ مرسل اعظم کائنات کا سردار پیغمبر اسلام جناب محمد مصطفیٰؐ جن کے رسول بنا کر بھیجے جانے کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ آپ نے آیات کی تلاوت کے ذریعہ نفسوں کو پاک کر کے کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر انسانوں کو گمراہی سے نکالا۔ میں نے آپ کے سامنے وہ تاریخ پیش کی جس میں پیغمبر نے گرے ہوئے انسان کو اسلام کے ذریعے انسانیت اور آدمیت کی بلندی کی منزل پر پہنچایا۔ کل میں نے تفصیلی طور سے آپ کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا تھا کہ دنیا کا ہر انسان اپنے اقدام کے بعد اس اقدام کے استحکام کی فکر کرتا ہے۔ ہم ایک مکان بناتے ہیں تو اس کو مستقبل میں باقی رکھنے کی فکر کرتے ہیں۔ اگر اللہ ہمیں اولاد دیتا ہے۔ تو ہم اس کو تعلیم دیتے ہیں صنعت و حرفت سکھاتے ہیں اس کے مستقبل کو مضبوط کرتے ہیں ہر انسان کا خاصہ ہے کہ زندگی میں اگر وہ شاہکار انجام دیتا ہے تو اس کے مستقبل کو مضبوط بھی کرتا ہے۔ اسی اصول پر میں نے آپ کے سامنے یہ بات پیش کی تھی۔ کہ پیغمبر اسلام نے وہ دین جو کامل تھا اسے پیش کیا۔ اور ایک عظیم امت پیدا کی پیغمبر کو فکر تھی کہ میرے مذہب کو قیامت تک باقی

رہتا ہے۔ لہذا پیغمبرؐ مذہب کے مستقبل کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں آپ کے پیش نظر
تاریخ ہے کہ مجھ سے پہلے انبیاء و مرسلین آئے۔ انھوں نے جو مذہب پیش کیا بعد
میں انھیں کے ماننے والوں نے ان کے مذہب کو بدل ڈالا۔ جیسے مکان کی اینٹیں
جب اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ تو عمارت گر جاتی ہے۔ اسی طرح امت کی اینٹیں جب
اپنے کردار میں جگہ بدل دیتی ہیں تو مذہب کی عمارت گر جاتی ہے۔ میں نے کل کہا
تھا کہ پیغمبرؐ کے سامنے جناب موسیٰؑ، جناب عیسیٰؑ جناب ابراہیمؑ کے دینوں کا عالم
تھا جو ان کے بعد بدلے اور بگاڑے گئے تھے۔ اور اسی لئے میں نے کہا تھا
کہ پیغمبرؐ نے خیبر کے میدان میں یہ تجربہ کرایا کہ دیکھو میرے بعد تم علیؑ کو اپنا
قائد و سردار مانو گے تو اسلام کی خارجہ اور داخلہ پالیسی کامیاب رہے گی۔ اور
اگر تم کسی اور کو اپنا سردار بناؤ گے تو انتشار پیدا ہو جائے گا۔ آج میں اپنے
چھوڑے ہوئے حصے کو مکمل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ یعنی ایک دوسرے
تجربے کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ پیغمبرؐ نے غدیر میں اسلام کی قیادت کو علیؑ کے
حوالے کرنے سے پہلے دنیا کے سامنے ایک تجربہ اور کرایا کہ جب میرے اہلبیت
علیؑ اور ان کے گھر والے اسلام کی مدد پر آتے ہیں۔ تو اسلام اپنی خارجہ پالیسی
میں کامیاب رہتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ اس کی مدد پر نہیں آتے تو غیر مسلم کے
دل میں مقابلہ کا حوصلہ رہتا ہے۔ قبل اس کے کہ میں آپ کے سامنے اس دوسرے
تجربے کا تذکرہ کروں اپنی بات کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے لئے کہ پیغمبرؐ کو اسلام کے
مستقبل کے مضبوط کرنے کی فکر ہوگی یا نہیں ہوگی۔ ایک تاریخی واقعہ پیش کرتا ہوں
حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰؐ کے زمانے میں ایک جنگ ہوئی ہے جس

نام جنگ موتہ ہے۔ یہ جنگ خیبر کے بعد پیش آئی ہے۔ اس واقعہ کو اس لیے پیش
کر رہا ہوں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ حضورؐ ہر ممکن تجربہ کرانا چاہتے ہیں تاکہ آپ کی وفات
کے بعد مسلمان پچھلے تجربوں کی روشنی میں آپ کے مقرر کردہ قائد سے انحراف نہ کریں۔
جنگ موتہ کے موقع پر جب مسلمان لشکر دشمن کے مقابلے میں بھیجا جا رہا ہے۔ تو
رسول اللہ خود میدان جنگ میں نہیں جا رہے ہیں۔ آپ نے لشکر مرتب کیا اور
لشکر کا سردار جناب جعفر طیارؑ کو مقرر کیا۔ اور اس کے بعد جب لشکر چلنے لگا۔ تو آپ
نے کہا لشکر والو ٹھہرو! میں نے تمہارا سردار جعفر طیار کو مقرر کیا ہے اگر یہ قتل
ہو جائیں تو زید بن حارثہ سردار ہونگے اگر یہ بھی قتل ہو جائیں تو زید کے بعد عبداللہ بن رواحہ سردار ہونگے۔ اور اس کے
بعد فرمایا کہ اگر یہ بھی قتل ہو جائیں تو پھر میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنا سردار مقرر
کر لینا۔ قبل اس کے کہ میں جنگ کی روئداد کا تذکرہ کروں اس سے پہلے آپ کو یاد دلا
دوں کہ جب پیغمبرؐ جنگ موتہ پر جانے والے لشکر کے پیچھے بعد دیگرے سردار مقرر
کر رہے تھے۔ یہ کہہ کے کہ اگر یہ قتل ہو جائیں تو فلاں سردار ہوگا۔ اس وقت مدینہ
میں ایک یہودی بھی موجود تھا اس نے طے کیا کہ جب یہ لشکر پلٹ کر آئے گا تب میں
فیصلہ کر لوں گا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں یا نہیں۔ اس نے کہا اگر محمد
نبی ہیں تو ان کے پاس علم غیب ہے۔ اور خدا انہیں آنے والے واقعات کی خبر
ان کے ہونے سے پہلے دے دیتا ہے۔ تو اگر یہ پیغمبرؐ ہیں تو خدا نے ان کو خبر دی ہے کہ
تینوں سردار جو انہوں نے مقرر کیے ہیں۔ وہ تینوں سردار قتل ہو جائیں گے اور اگر ان
میں سے کوئی بھی بچ گیا تو پھر ایک مدبر اور تجربہ کار انسان ہیں۔ نبی نہیں ہیں چنانچہ
لشکر گیا اور تینوں سردار قتل ہو گئے۔ ان کے قتل کے بعد مسلمانوں نے خالد بن

ولید کو سردار بنایا جو میدان سے بھاگ کھڑے ہو گئے۔ جب لشکر پلٹا تو یہودی جو حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا تھا۔ صلوات۔ اس واقعہ سے یہ بھی سبق لیا جا سکتا ہے کہ یہودی کی نظر میں بھی معیار یہ ہے کہ اگر علم غیب رکھتا ہے۔ تو نبی ہے۔ اور اگر علم غیب نہیں رکھتا تو نبی نہیں ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ آج مسلمان سوچنے لگا ہے کہ نبی علم غیب نہیں رکھتا یعنی نبوت کا جو معیار یہودی کی نظر میں تھا آج ہماری نظر میں اس سے بھی گھٹا ہوا معیار ہے۔ یہ ضرور سمجھ لینا کہ بعد میں کیا کچھ تجربہ کرنا چاہتے تھے اور اس بات کی طرف کہ حضورؐ نے جنگ موتہ میں ایک اصول تجربہ کیا کہ تین سردار میں نے مقرر کر دیے ہیں جو قتل ہو جائیں گے اور اجازت دی کہ چوتھا سردار تم خود مقرر کر لینا۔ نتیجہ سامنے آیا کہ نبیؐ کے مقرر کردہ سردار لڑ کر شہید ہو گئے بھاگے نہیں۔ نہ اسلام کو دشمن کے سامنے رسوا ہونے دیا نہ مسلمان کا کردار بگڑنے دیا۔ لیکن ان کے بعد جو مسلمانوں کا مقرر کردہ سردار آیا وہ خود بھی بھاگا۔ اور فوج اسلام کو بھی بھگا لایا۔ یعنی اسلام کی خارجہ اور داخلہ دونوں پالیسیاں ناکام بنا دیں حضورؐ کا منشا تھا کہ میرے اور امت کے انتخاب کے نتائج و اثرات آزما کر دیکھ لو اور یاد رکھو کہ جب ایک لشکر کو امت کا منتخب کردہ میری زندگی میں نہیں سنبھال سکا تو میرے بعد اسلام اور امت مسلمہ کو تمہارا منتخب کردہ خلیفہ کیسے سنبھال سکے گا۔ یہ بھی سمجھایا کہ انتخاب رسولؐ کی عمر کی صرف علیؑ کی وجہ سے منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہم صلاحیت سے واقف ہو کر منتخب کرتے ہیں۔ ہمارا منتخب کردہ کبھی نااہل نہیں ہوتا۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب رسولؐ کو ایک لشکر کے آخری انجام کی فکر ہے تو وہ امت کے مستقبل کی فکر سے غافل نہیں ہو سکتے۔ سب سے دلچسپ بات اسی واقعہ میں یہ ہے کہ نبیؐ نے تین سردار منتخب

لینے کے بعد لشکر کو انتخاب کا اختیار دیا اور اختیار دینے کا اعلان بھی کر دیا۔ اگر حضورؐ کو منظور تھا کہ آپ کے بعد امت خلیفہ کا انتخاب کرے تو جیسے لشکر کو حق انتخاب دینے کا اعلان کرتا ہے اسی طرح امت کے لئے حق انتخاب خلافت کا اعلان کیوں نہ کیا۔ اگر اعلان کیا ہوتا تو انتخاب اس اعلان کی روشنی میں علی الاعلان ہوتا۔ تاریخ خلافت کا آغاز اس مجبورانہ معذرت کے ساتھ نہ شروع ہوتا کہ چونکہ حضور نے منتخب نہیں کیا تھا لہذا مجبوراً امت کو منتخب کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے مسئلہ خلافت خود طے کیا۔ اپنے نائب خود نامزد کئے تاکہ اسلام کا مستقبل محفوظ رہے اور ایسا نہ کرنا آپ کے لئے ناممکن تھا جب آپ جانتے تھے کہ ابراہیمؑ کا مذہب لوگوں نے ان کے بعد بدل ڈالا۔ موسیٰؑ کا مذہب ان کے ماننے والوں نے بدل ڈالا۔ عیسیٰؑ کا مذہب ان کے ماننے والوں نے بدل ڈالا۔ میرا مذہب بھی میرے ماننے والے بدل ڈالیں گے۔ اور اگر پیغمبرؐ کو یہ یقین نہ ہوتا تو یہ ارشاد فرماتے کہ میرے بعد اسلام میں تہتر فرقے پیدا ہوں گے۔ نبیؐ کو یقین تھا کہ جس طرح جناب ابراہیمؑ جناب موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے ماننے والوں نے ان کا مذہب بدلا ہے۔ اسی طرح میرے ماننے والے بھی میرا مذہب بدل لیں گے۔ تو جب خطرے کا صرف وہم نہیں بلکہ یقین تھا۔ تو کیسے ممکن ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے مستقبل کا بندوبست نہ کریں گے۔ انتظام کیا اور تجربہ بھی کرایا۔ کہ دیکھو میرا انتظام صحیح ہے۔ ایک تجربہ کل میں نے آپ کو سنایا۔ جس میں پیغمبرؐ نے تجربہ کرایا تھا کہ جب تک علیؑ کے ہاتھ میں قیادت نہیں آتی خیبر کے میدان میں، تب تک مسلمان بھاگا کرتا ہے، رسولؐ کو مانتا ہے۔ مگر اسلام کے کردار کو چھوڑ دیتا ہے۔

جب یہ معاملہ علیؑ کی قیادت میں آتا ہے تو اس کا نتیجہ برآمد ہوا کہ معاملہ پھر سنبھل جاتا ہے تو پیغمبرؐ نے خیبر کے میدان میں دو تجربے کرائے تھے جن کو سنا چکا ہوں۔ مگر دہرا اس لئے رہا ہوں کہ جو نئے حضرات آگئے ہیں وہ واقف ہو جائیں۔ اور جو کل سن چکے ہیں ان کے ذہن میں پھر خلاصہ آجائے۔ غرضکہ پیغمبرؐ نے دو تجربے کرائے ایک یہ اگر بگڑ بھی جائے اور اس کے بعد بھی تم قیادت علیؑ کے حوالے کرو گے۔ تو علیؑ میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ بگڑے ہوئے کردار کو پھر سے سدھار دیں گے۔ اب میں آپ کے سامنے ایک دوسرے تجربے کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ۔ غدیر کا اعلان سے پہلے یہ اعلان کر رہے ہیں۔ کہ اسلام اپنے خارجہ پالیسی میں پیچ دار اور ناکام کب ہوگا۔ اور با وقار اور کامیاب کب ہوگا۔ جو عقلمند اور واقف کار ہیں وہ جانتے ہیں۔ اور جو نہیں جانتے۔ ان کے لئے اور دو میں واقعہ کی تفصیل پیش کروں گا۔ مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک مقام ہے جس کا نام نجران ہے۔ اس نجران میں پوری آبادی عیسائیوں کی تھی اور پیغمبر اسلام نے سنہ ۹ھ میں ان کے پاس پیغام بھیجے ہیں کہ تم اسلام کی دعوت قبول کرو۔ واقعہ کا خلاصہ سنئے اور اس کے بعد تجزیہ سنئے۔ اور نتائج سنئے۔ پیغمبرؐ نے نجران کے عیسائیوں کو دعوت نامہ بھیجا کہ اسلام قبول کرو۔ انہوں نے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ ہم خود حاضر ہوتے ہیں۔ چنانچہ نجرانی عیسائیوں کے چودہ علماء کا ایک وفد پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا تھا یہ ہے کہ وفد جاتا ہے اس میں عام لوگ نہیں جاتے بلکہ جو سردار ہوتے ہیں۔ بلکہ جو قوم کے دانشور کا انتخاب ہوتے ہیں۔ وہ وفد میں جایا کرتے ہیں۔ چودہ آدمیوں کا منتخب وفد پیغمبر

کی خدمت میں مدینے گیا۔ درویشانہ زندگی بسر کرتا اس کا مزاج تھا۔ ترک دنیا اس کا
فلسفۂ مذہب تھا۔ مدینے میں آئے تو سادے لباس میں آ گئے۔ اور جب پیغمبرؐ کی
خدمت میں آنے لگے تو سادے لباس اُتار دیئے۔ قیمتی کپڑے پہنے اور ایسے
خاندانی شوکت جاہ و حشمت کے ساتھ پیغمبرؐ کی بزم میں آ گئے۔ پیغمبرؐ نے یہاں
جن باتوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس طرف میں مجمع کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں
جب قیمتی لباس اور سونے چاندی کی انگوٹھیاں پہن کر آ گئے۔ تو وہ پیغمبرؐ جس کا
خلق عظیم تھا۔ جو آنے والے دشمن کے لئے بھی عبا بچھا دیا کرتے تھے اس پیغمبرؐ
نے آنے والے وفد کو دیکھا۔ جب انھوں نے سلام کر لیا تو پیغمبرؐ نے چہرہ
دوسری طرف موڑ لیا۔ آنے والا عیسائیوں کا وفد سمجھا کہ شاید پیغمبرؐ نے دیکھا
نہیں۔ وہ دوسری طرف آ گئے جدھر پیغمبرؐ کا چہرہ تھا۔ اُدھر آ کے سلام کیا۔ پیغمبرؐ
نے پھر چہرہ موڑ لیا۔ پتہ چلا۔ نبیؐ ہمارا سلام لینا نہیں چاہتے۔ اب عیسائیوں
کو حیرت ہوئی۔ بلایا ہمیں اسلام قبول کرنے کے لئے۔ اب جو ہم آ گئے تو ہم سے
بات نہیں کرنا چاہتے۔ نبیؐ کے دربار سے نکلے۔ اب مدینے میں مسلمانوں سے ملنا شروع
کیا۔ ایک ایک سے ملتے ہیں اور کہتے تھے۔ ہم نبیؐ کے دربار میں آئے انھوں
نے سلام نہیں لیا۔ تم وجہ بتا سکتے ہو۔ تو مسلمان کہنے لگے۔ نبیؐ کی بات نبیؐ جانے
ہم کیا بتائیں کہ نبیؐ نے سلام کیوں نہ لیا۔ جیسے ہمارا کل مسلمان نے کہا نبیؐ
کی بات نبیؐ جانیں ہم کیا جانیں۔ اور آج مسلمان کہتا ہے۔ نبیؐ ہمارے جیسے
تھے جب ہم نبیؐ کی بات نہیں بتا سکتے۔ تو نبیؐ جیسے کیا ہوں گے۔ ایک سے پوچھا
دوسرے سے پوچھا۔ جس سے پوچھا اس نے کہا ہم نہیں بتا سکتے کہ نبیؐ

نے سلام کیوں نہیں لیا۔ عیسائیوں نے کہا عجب بات ہے نبیؐ ہمارا اسلام نہیں
لیا اور ہم سے وجہ پوچھتے ہیں تو تم وجہ نہیں بتاتے۔ تو ایک نے کہا۔ ہم تمہیں ایسے
آدمی کا پتہ بتا سکتے ہیں جو تمہیں وجہ بتا سکتا ہے۔ کہا اس کا نام کیا ہے؟ کہا اس کا
نام علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ علیؑ کے دروازے پر آیا وفد۔ کہا ہم تمہارے نبیؐ کے
پاس گئے تھے۔ انہوں نے سلام نہیں لیا۔ سنئے علیؑ نے کیا پوچھا۔ اور کیا جواب دیا
علیؑ نے کہا تم کس کے دربار میں آئے، کس سے ملنے آئے۔ کہا نبیؐ کی خدمت
میں۔ کہا نبیؐ کی خدمت میں آئے ہو یا کسی بادشاہ کی خدمت میں۔ کہا نہیں نبیؐ
کی خدمت میں آئے ہیں۔ بادشاہ کی خدمت میں نہیں آئے ہیں۔ کہا ذرا
اپنے لباس تو دیکھو۔ جو لباس پہن کے آئے ہو۔ یہ کسی نبیؐ کے پاس پہن کے
کیا جاتا ہے! یا کسی بادشاہ کے دربار میں جانے کے لئے پہنا جاتا ہے۔
کہا چونکہ تم لباس وہ پہن کے آئے جو بادشاہوں کے دربار میں لوگ پہن
کے جاتے ہیں لہذا پیغمبرؐ نے تمہارا اسلام نہیں لیا۔ اب اگر تم ملنا چاہتے ہو
تو یہ لباس اتارو اور سادہ لباس پہن کے پیغمبرؐ کے پاس جاؤ۔ دیکھو وہ تمہارا اسلام
قبول کریں گے۔ اب پتہ چلا۔ مسلمانوں میں کوئی نہ تھا جو نبیؐ کا مزاج بتا سکے۔ اگر
مزاج بتا سکتے تھے تو علیؑ بتا سکتے تھے۔ دنیا کو پہچاننا چاہیے تھا۔ جو زندگی میں
نبیؐ کا مزاج بتا سکتا ہے۔ وہی نبیؐ کے بعد۔ نبیؐ کے اسلام کا مزاج بتا سکتا ہے
صلوٰۃ۔ حضورؐ نے سلام قبول نہ فرما کر عیسائیوں کو متوجہ کیا کہ رہبانیت اپنا رکھی
ہے۔ اور شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہو۔ تمہارے عقیدہ و
عمل میں کتنا تضاد ہے۔ اسی احساس تضاد نے عیسائیوں کو ذہنی طور پر جھنجھوڑ

کر دیا تھا۔ غرض کہ لباس تبدیل کر کے عیسائی دوبارہ حضورؐ کی خدمت میں گئے۔
تو نبیؐ نے تعظیم کی۔ نبیؐ کے سلام نہ لینے کی وجہ شبلیؒ کے علاوہ کوئی نہ بتا سکا یعنی
نبیؐ سلام نہ قبول کر کے بتانا چاہتے تھے کہ تم مجھے بادشاہ سمجھ کر آئے ہو تو میں
ملنا نہیں چاہتا۔ اور تم مجھے نبیؐ سمجھ کر آئے ہو تو میں ملاقات کروں گا۔ ابھی
آپ کو لطف نہیں آئے گا۔ جب تک میں آپ کو یہ یاد دلاؤں کہ پیغمبر نے جب میدان
احد میں قدم رکھا اور پہاڑوں کے درمیان راستہ ہے۔ نبیؐ نے پچاس تیر اندازوں
کو درّہ پہ متعین کر کے فرمایا۔ میں ہار دوں یا جیتوں مگر تم جگہ نہ چھوڑنا۔ چنانچہ جب
تک مسلمان اس درّے پر رہے تب تک کامیاب رہے۔ مگر جب مال غنیمت
کے چکر میں آ کر تیر اندازوں نے جگہ چھوڑ دی۔ تو خالد ابن ولید نے اس درّے سے
مسلمانوں پر حملہ کیا۔ آپ سوچیں گے مقابلہ سنانے میں جنگ احد
میں کیوں پہنچا۔ میرا مقصد یہ بتانا ہے جیسے میرا نبیؐ میدان احد میں قدم رکھتے
ہی پہچان لیتا ہے کہ فتح و شکست کا دروازہ کون سا ہے۔ نبیؐ جانتے تھے کہ پہاڑوں
کے درمیان جو درّہ ہے یہی راستہ اگر بند رہے گا تو ہماری فتح ہوگی۔ جو
راستہ اگر کھلا رہے گا تو اسی طرف سے شکست آئے گی۔ تو جو نبیؐ میدان
میں قدم رکھتے ہی فتح و شکست کے دروازے کو پہچان لیتا ہے۔ وہ نبیؐ یہ کیوں
نہیں پہچان سکتا کہ اسلام میں کہاں سے خرابی پیدا ہوگی۔ اور کہاں سے خرابی
نہیں پیدا ہوگی۔ نبیؐ یقیناً جانتے تھے میرا اسلام تب تباہ ہوگا۔ جب مجھے نبیؐ
کے بجائے بادشاہ سمجھ لیا جائیگا۔ تو نبیؐ یہ بتانا چاہتے تھے کہ مجھے بادشاہ
سمجھو گے تو میری نیابت حکومت قرار دو گے جس کا نتیجہ ہوگا۔ اسلام

مسلط ہو جائے گا۔ اور اگر مجھے ہار کی مجبوری ہے تو میرے بعد امامت کو لاگو کر کے گا
باقی رہے گا۔ تو آج ہم اسلام واپس نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ بادشاہت اور نبوت کا
فرق سمجھانا چاہتے تھے۔ نبوت اور بادشاہت کا فرق بڑی وہ چیز ہے جس پر اسلام
کی تباہی اور اسلام کے مستقبل کی تابناکی منحصر ہے۔ صلوات۔ نظر میں ایک بار
اللہ یاد دلاؤں تاکہ آپ کو میری گفتگو کا اندازہ ہو کہ اسلام کی تباہی کہاں سے
نبوت اور حکومت کا فرق سمجھنے میں ہے۔ میں نے انھیں تقریروں میں بڑی تفصیل
کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہ حضورؐ سرور کائناتؐ نے غدیر میں منبر پر تمام ہزار
حاجیوں کے مجمع میں علیؑ کو ہاتھوں پر اٹھا کر کہا تھا "من کنت مولاہ فہٰذا علی
مولاہ" جو سنا چکا اسی کا ایک لفظ پھر دہرانا چاہتا ہوں۔ منبر کو بنا کر کھڑا کیا
جاتا ہے کہ مقرر کو ایک بلند جگہ مل جائے۔ وہ مجمع سے اونچا ہے۔ تاکہ ہر
شخص مقصد سمجھے اور تقریر سن سکے۔ اسی لئے جہاں منبر نہیں ہوتا وہاں
اسٹیج بنایا جاتا ہے۔ تاکہ مجمع کی نظریں مقرر پر ہوں۔ پیغمبرؐ نے چاہتے تھے کہ خطاب
کر رہے ہے میدان میں تقریر کرنا چاہا۔ مجمع منتظر تھا تو پوچھا تم نے منبر کو
بنایا۔ لوگوں نے کہا حضورؐ میدان میں قافلہ رکا ہے یہاں منبر کہاں ہے۔ کہا
نہیں منبر بناؤ۔ قبل اس کے کہ میں واقعہ کا تجزیہ کروں پہلے ایک چھوٹی سی مثال
اپنی عرض کر دوں۔ تاکہ مجمع کا ذہن میرے ساتھ چلے۔ میں جب دہلی ممبئی
سے رخصت ہونے لگا مجھے پچاس مومن اسٹیشن رخصت کرنے آئے۔
وہاں معلوم ہوا کہ گاڑی ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہے۔ میرا کام تقریر کرنا ہو گئے
وہاں۔ میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ پچاس مومن ڈیڑھ گھنٹہ تک میرے

پاس بیٹھے رہیں گے۔ کیوں نہ ایک تقریر ہو جائے الگ بیچارے سے گلے لگ گئے کہ رخصت
کریں ہم اپنے اپنے گھر جائیں لیکن مجھ پر مجلس پڑھنے کا دورہ پڑ گیا۔ میں نے کہا۔
بھائیو! ابھی گاڑی آنے میں دو تین گھنٹے باقی ہیں۔ کیوں نہ ایک مجلس ہو جائے۔ سب کو انوکھا لگا
ہے جو بیچارہ اماں نے کہا۔ دل نہیں چاہتا۔ بھلا اسٹیشن پر کیا مجلس ہو گی۔ کچھ چپ
سے۔ میں نے کہا میں ذکر خیر کی بات کرتا ہوں۔ اور آپ چپ ہیں اب بیٹھے
کیا کریں۔ کہا اچھا حضور بسم اللہ پڑھ دیجئے مجلس۔ جب آپ کا یہی فیصلہ
ہے تو ہو جائے۔ میں نے کہا مجلس سے تو فرش بچھا دیجئے آپ بیٹھیں گے۔ واہ
واہ چلتے چلتے آپ کو مجلس یاد آ گئی۔ یہاں کوئی دری قالین ساتھ لے کر آئے تھے
جو فرش بچھا دیں۔ میں نے کہا فرش بچھائیے آپ سے کس نے کہا آپ کو مجلس پڑھنا ہے
مجلس پڑھئے۔ ہم ایسے ہی زمین پر بیٹھ جائیں گے۔ آپ مجلس پڑھیں۔ میں نے
کہا آپ کے سروں پر دھوپ چمک رہی ہے۔ شامیانہ لگائیے تب مجلس پڑھوں گا۔ سب نے
مل کر کہا یہاں کہاں شامیانہ۔ ہم دھوپ میں بیٹھے رہیں گے کہ آپ کا شوق تو
پورا ہو جائے۔ تنگ آئے ہوئے بچے نے کہا۔ حضور بسم اللہ اب مجلس پڑھ
دیجئے۔ یعنی یہ بھی کسی طرح یہ پروگرام ختم ہو جائے۔ میں نے کہا مجلس کیسے پڑھوں
منبر تو ہے ہی نہیں۔ آپ نے کہا واہ۔ راستے میں ہو رہی ہے مجلس، منبر
شامیانہ فرش یہاں سے لائیں۔ اگر میں یہ محل منبر مانگوں تو دنیا مجھ کو کیسی
عقل کا کورا آدمی سمجھے۔ مگر کسی مسلمان کی مجال ہے۔ جو تنگ سے کچھ۔ بیچارے
قافلہ روک کر جلتی دھوپ میں آپ تقریر کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہاں منبر کہاں
سے لائیں۔ مسلمانوں نے کہا حضور منبر نہیں۔ کہا منبر نہیں ہے تو منبر بناؤ۔ تو کہا

ضد کیسے بنائیں۔ نہ لکڑی ہے نہ لوہا ہے، نہ کیلیں ہیں۔ نہ لوہار، نہ بڑھئی، کیسے بنائیں۔ کہا اگر بناؤ منبر کہا کیسے بنائیں۔ کہا یہ جو پالان رکھے ہیں۔ انھیں آٹھ اور ترتیب سے رکھتے جاؤ۔ منبر بن جائے گا۔ میں کہوں گا میرے نبی کو منبر بنانے کی ضد کیوں ہے۔ کہا مجھے جو آج تقریر کرنا ہے اُس میں مجھے جانشین بنانا ہے۔ جانشین بنانے سے پہلے اپنی جگہ بتانا چاہتا ہوں جو میری جگہ پہچانو گے تو میری جگہ پر کون بیٹھے اُسے کیسا پہچانو گے۔ جانشین بعد میں پہلے جگہ پہچانو۔ میں نے پوچھا نبی منبر کیوں بنوا رہے ہیں۔ کہا اس لئے بلند تا کہ دنیا پہچانے۔ کہ تم منبر بنا نہیں سکتے۔ جب تک میں نہ بتاؤں۔ جب تم سے منبر نہیں بنا جب تک میں نہ بتاؤں۔ تو تم سے منبر والا کیسے بن جائے گا۔ نبی تقریر کرنا چاہتے ہیں۔ بلندی چاہیئے۔ اونٹ پر بیٹھ کر تقریر کر سکتے تھے۔ عرب میں اونٹ پر بیٹھ کر تقریر ہوتی تھی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر تقریر کر سکتے تھے۔ اور یہ بھی اگر ممکن نہیں تھا تو کوئی مضبوط ہاتھ پیر کا مسلمان جو سات فٹ لمبا ہوتا۔ وہ نبی کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیتا۔ نبی تقریر کر دیتے عرب میں ایسے بھی تقریر ہوتی تھی مگر نبی صرف آج مقرر کی بلندی نہیں چاہتے۔ بلکہ چاہتے ہیں جب تک منبر نہیں ہوگا۔ تب تک تقریر نہیں کروں گا۔ نبی جانشینی کے مسئلے کیلئے "یہ اہتمام کر رہے ہیں"۔ جانشین بعد میں پہچنوانا چاہتے ہیں۔ اپنی جگہ پہلے پہچنوانا چاہتے ہیں۔ جو گھر گھر لے گی۔ نبی جانتے تھے جب نبوت اور حکومت الگ الگ سمجھی جائے گی تو اسلام زندہ رہے گا اور جس دن نبوت اور بادشاہت ایک سمجھ لی جائے گی اسلام کی موت اسی دن

واقع ہو جائے گی۔ اسی لئے غدیر میں جانشینی کے اعلان سے پہلے جگہ پہنچوائی
تھی۔ نبیؐ بتا رہے تھے میں بادشاہ ہوتا تو میرے بیٹھنے کی جگہ ہوتی تخت —
میں بادشاہ بن کر نہیں آیا
میں رہنما بن کر آیا ہوں۔ رہنما منبر پر بیٹھ کر تقریر کرتا ہے۔ بادشاہ تخت پر
بیٹھ کر حکومت کرتا ہے۔ نبیؐ نے کہا میں حکمراں بن کر نہیں آیا۔ جو تخت پہ بیٹھ
کر تقریر کروں میں راہنما بن کر آیا ہوں۔ لہذا منبر پہ تقریر کروں گا۔ نبیؐ بتا
رہے تھے کہ میری جگہ تخت نہیں ہے۔ منبر ہے۔ اور اسی لئے تخت پر کوئی
بیٹھ جائے اس کے قدم نہیں لڑکھڑائیں گے۔ مگر جب منبر پر آئے گا تو
قدم لڑکھڑا جائیں گے۔ اس لئے کہ تخت ہے بادشاہوں کی جگہ۔ منبر ہے نبیؐ
کی جگہ۔ جو آخری بات کہنا ہے اسے بہت توجہ سے سنئے۔ نبیؐ نے غدیر میں
جانشین کے بھیجنے سے پہلے جگہ پہنچوائی۔ مجھے رہنما سمجھ کر حکمراں مت سمجھنا۔
اگر تم مجھے رہنما سمجھو گے تو میرا جانشین بھی راہنما کو بناؤ گے۔ اور اگر تم مجھے حکمراں
سمجھو گے تو میرا جانشین بھی حکمراں کو بناؤ گے۔ غدیر سے تاریخیں الگ الگ
ہو گئیں۔ جنہوں نے نبیؐ کو راہنما سمجھا۔ انھوں نے جانشین بھی رہنما بنایا۔ جنھوں نے
نبیؐ کو بادشاہ اور حکمراں سمجھا۔ انھوں نے جانشین بھی بادشاہ اور حکمراں بنایا۔
جنھوں نے نبیؐ کو رہنما سمجھا انھوں نے امامت کو جانشین مانا۔ جنھوں نے نبیؐ
کو حکمراں سمجھا انھوں نے حکومت اور خلافت کو جانشین سمجھا۔ غدیر سے دو دھارے
چلیں۔ ایک حکومت والی ایک امامت والی۔ آج دونوں کو پہچان لو۔ آج
حسینؑ کی مجلسیں بھی ہوتی ہیں۔ گلی گلی ہوتی ہیں، چوراہے چوراہے ہوتی ہیں،

مسجدوں میں بھی ہوتی ہیں، امام باڑوں میں بھی ہوتی ہیں۔ مگر میرے دوستو! اجلاس
جا کے دیکھو۔ جب کوئی مقرر تقریر کرے گا۔ تو ہماری مجلس میں اسٹیج منبر ہوگا اور
سیرت نبیؐ کے جلسے بھی ہوتے ہیں۔ جگہ جگہ میلاد ہوتے ہیں۔ وہاں بھی اسٹیج
بنتا ہے۔ مگر وہاں جا کر دیکھیں، اسٹیج تخت نظر آئے گا۔ بس پتہ چلا کہ نبیؐ کے
بعد تاریخ کے دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک حکومت والی تاریخ۔ ایک امامت
والی تاریخ۔ آج جہاں امامت والی تاریخ ہے۔ وہاں اسٹیج منبر نظر آئے گا
اس لئے کہ وہ حکمراں کی جگہ ہے اور یہ رہنما کی جگہ ہے۔ صلوات۔ بات کہاں
سے کہیں جا پہنچی۔ میں پھر مباہلہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ غرض کہ رسولؐ کے
سامنے چودہ آدمیوں کا وفد دوبارہ آیا۔ نبیؐ نے کہا اسلام قبول کرو۔ انہوں
نے کہا اسلام بعد میں قبول کریں گے۔ پہلے ہمیں یہ کہنا ہے کہ آپ عیسیٰ کو
کیا سمجھتے ہیں۔ پیغمبرؐ خاموش رہے۔ قرآن کی ایک آیت اتری جس میں یہ تھا
کہ جس طرح بغیر ماں باپ کے آدم پیدا ہوئے اللہ وہ اللہ کی قدرت سے پیدا
عیسائیوں نے بات نہیں مانی۔ تو قرآن نے دوسری آیت میں کہا اگر یہ نہ
مانتے ہیں تو نبیؐ ان کو دعوت دے دو۔ مباہلے میں عورتوں، بچوں، اور
نفسوں کو لے کر یہ بھی آجائیں اور تم بھی آ جاؤ۔ اور دونوں مل کر مباہلہ کریں۔
اب جس کا سچا مذہب ہوگا۔ وہ زندہ واپس آ جائے گا اور جو جھوٹے مذہب والا
ہوگا۔ وہ عذاب و سزا میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ پیغمبرؐ نے مباہلہ کا
دعوت نامہ دے دیا۔ میں آپ کے سامنے اس تجزیے کو پیش کرنا چاہتا
ہوں۔ جس کا میں نے کل وعدہ کیا تھا۔ حضور والا گذارش یہ کرنا ہے کہ پیغمبرؐ

مباہلے کے میدان میں اکیلے کیوں نہ گئے؟ کیا کسی مسلمان کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ نبی اکیلے جاتے تو کامیاب نہ ہوتے۔ یقیناً کامیاب ہوتے۔ کسی مسلمان کے منہ میں زبان نہیں ہے۔ جو یہ کہہ سکے کہ نبی جاتے اور بددعا کرتے تو دشمن ہلاک نہ ہوتا۔ یقیناً کامیاب ہوتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اکیلے نہیں جا رہے ہیں۔ اکیلے بھی نہیں جا رہے ہیں اور سب کو لے کر بھی نہیں جا رہے ہیں۔ نبی نے امت والوں سے نہیں کہا۔ اے میرے مسلمانوں چلو مباہلے کے میدان میں۔ بلکہ کہا۔ عیسائیو۔ تم بھی عورتوں اور بچوں اور نفسوں کو لے کر آنا۔ میں بھی امت لے کر نہیں آؤں گا۔ بلکہ اپنی عورتوں اور بچوں اور نفسوں کو لے کر آؤں گا۔ دور کے تقابلی دو سوال ہیں۔ نبی اکیلے کیوں نہیں جاتے اور لیجاتے ہیں تو سب کو کیوں نہیں لیجاتے۔ یا اکیلے جاتے یا لیجاتے تو سب کو لیجاتے۔ پیغمبرؐ نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ امت کو چھوڑا اور اہل بیتؑ کو ساتھ لیا۔ اور مباہلے کے میدان میں گئے۔ کیسے گئے؟ گود میں حسینؑ ہیں۔ انگلی پکڑے ہوئے حسنؑ۔ اور پیچھے فاطمہؑ اور فاطمہؑ کے پیچھے علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ میرے رسولؐ مناسب تو یہ تھا کہ امام حسنؑ جناب فاطمہؑ زہرا کی انگلی پکڑے ہوتے حسینؑ ماں کی گود میں ہوتے۔ دنیا میں ہمیشہ بچے ماں کی گود میں جاتے ہیں۔ یہ کیوں نواسوں کو لے کر چلے۔ کیا تم سمجھے نہیں۔ اگر حسینؑ ماں کی گود میں ہوتے حسنؑ ماں کی انگلی پکڑے ہوتے۔ تو دنیا سمجھتی مباہلے میں فاطمہؑ گئیں تھیں اور ماں کے ساتھ بچے سب نابالغ کے بچے اس طرح حسنؑ اور حسینؑ ساتھ چلے گئے تھے۔ بچے مباہلے میں نہیں گئے تھے۔ بلکہ صرف ماں گئی تھیں۔ حضورؐ

نے اور [illegible] کہ جب میں نے کر آیا ہوں تو بچے صفؑ نہیں آتے ہیں بلکہ مباہلہ
کے وفد کے رکن بن کر آ رہے ہیں۔ بچے چلے۔ کس شان سے چلے۔ اسی شان
سے چلے جس شان سے آیت اُتری تھی۔ آیت میں "ابناءنا" کا ذکر پہلے تھا۔
حسینؑ اور حسنؑ کو آگے لیے۔ نساءنا کا ذکر بعد میں تھا۔ فاطمہؑ کو بعد میں
رکھا۔ انفسنا کا ذکر آخر میں تھا علیؑ کو آخر میں رکھا۔ دنیا کو آواز دی کہ ابد
تک تفسیر نہ پڑھنا۔ آیت کو اترتے دیکھو۔ ہم کو چلتے دیکھو۔ اور سمجھتے
جاؤ۔ ابناءنا کون ہیں۔ نساءنا کون ہیں "انفسنا" کون ہیں میدان مباہلہ جاکر
اس طرح بیٹھے۔ بیچ میں خود بیٹھے۔ سامنے علیؑ کو بٹھایا۔ داہنے اور بائیں حسینؑ
اور حسنؑ کو بٹھلایا۔ پیچھے فاطمہؑ زہرا کو بٹھایا۔ یہاں تک کی روداد سنانے
کے بعد میں فریق ثانی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب نبیؐ اہلبیت کو ساتھ
لے کر میدان میں آ بیٹھے۔ تو عیسائی قوم کو اطلاع ملی۔ کہ مسلمانوں کے
نبیؐ تو آ گئے۔ قوم کے جوشیلے نوجوان۔ اپنے علماء اور سرداروں کے
پاس پہنچے۔ جو مباہلہ طے کرکے آئے تھے ان سے کہا تم ابھی بیٹھے ہو۔ اور
مسلمانوں کا نبیؐ مباہلہ کے میدان میں مقابلے پہ آ گیا۔ چلو ورنہ قوم کی عزت
جاتی ہے۔ جب قوم اپنے سردار علماء سے کہہ رہی تھی چلو۔ تو ان علماء اور
سرداروں نے کہا۔ ذرا ٹھہرو۔ قوم بگڑنے لگی۔ جب مباہلہ تم نے طے کیا
تب نہیں کہا تھا ٹھہرو۔ اب جب معاملہ قوم کی عزت کے بگڑنے کا آ گیا۔
تب ہم سے کہتے ہو ٹھہرو۔ سردار [illegible] نے آواز دی قوم والو! جوش سے

کی ہے۔ کہا ٹھہرو ذرا ہم یہ دیکھ لیں کہ تم اپنے ساتھ کس کس کو لائے ہو۔
تو میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہیں پہ مسئلہ کا حل ہے۔ یہیں پہ نبیؐ کا رنگ کو دوسرا
تجربہ کرا رہے ہیں۔ عیسائیوں کو معلوم تھا کہ اسلام کو سچا ثابت کرنے کے
لئے پیغمبر آ گئے۔ لیکن انھوں نے مباہلہ نہ کرنا طے کیا۔ طے نہیں کیا بلکہ طے
کیا کہ یہ دیکھیں کہ نبیؐ کے ساتھ کون کون آیا ہے۔ ایک ٹیلے پر چڑھے اور اب
دیکھنا شروع کیا۔ نبیؐ نظر آئے۔ کہا یہ آگے کون بیٹھا ہے۔ بتلانے والے نے
بتایا یہ وہی علیؑ ہیں جن سے ہم نے پوچھا تھا کہ ہمارا اسلام کیوں نہیں قبول
کیا نبیؐ نے۔ کہا یہ داہنے اور بائیں کون بیٹھا ہے۔ کہا یہ بچے ہیں انہیں
علیؑ کے بچے ہیں۔ کہا پیچھے کون ہے؟ کہا یہ رسولؐ کی بیٹی ہیں۔ ادھر
وہ علماء اور سردار ایک ٹیلے پر چڑھ کر نبیؐ کے ساتھ والوں کو دیکھ
رہے تھے کہ نبیؐ کے ساتھ کون آیا۔ ادھر ٹیلے کے نیچے قوم تڑپ رہی ہے
عزت جا رہی ہے۔ قوم کی ناک کٹ رہی ہے۔ یہ سردار علماء ٹیلے
پر چڑھ گئے ہیں۔ نیچے نہیں اترتے۔ مباہلہ طے کیا تھا، تب جب یہ سوچا،
اب مقابلے کا وقت آیا۔ تب صورتیں دیکھنے لگے۔ انتظار میں قوم بڑا بھلا
کہہ رہی ہے۔ سردار علماء دیکھ رہے ہیں کہ نبیؐ کے ساتھ کون آیا۔ تھوڑی
دیر کے بعد اترے۔ قوم نے کہا اب چلئے۔ کہا نہیں۔ کہا مباہلہ طے کیوں
کیا تھا۔ اب تو بے عزتی ہو جائے گی۔ کہا سنو۔ یہ عیسیٰ اتار دیں گے
الفاظ ہیں بھولنے کا نہیں۔ سردار علماء نے عیسائیوں سے کہا۔ ہم نے نبیؐ کے
ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان کے چہرے دیکھے۔ ان کے چہرے بتا رہے

دیے ایسے ہیں کہ اگر نہ ہونے والی بات کہہ دیں تو ہو کر رہے گی۔ جیسے
پہاڑ اپنی جگہ سے کھسک نہیں سکتا لیکن اگر یہ کہہ دیں گے کہ پہاڑ چلے تو پہاڑ چلنے
لگیں گے۔ لہٰذا ان سے مباہلہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ قبل اس کے
کہ میں اپنی محنت کا ماحصل آپ کے سامنے پیش کروں۔ اس سے پہلے
ایک نازک مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی لوگ شدید اعتراض کرتے ہیں
جب دنیا پہ ثابت ہو رہا ہے کہ خلافت علیؑ کا حق ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ
حق جاننے کے بعد مسلمان آپ کو نبیؐ کے بعد خلیفہ نہ بناتے۔ اس سوال کے
جواب میں صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ ان عیسائیوں سے پوچھو جب اپنی
قوم سے کہہ رہے تھے کہ چہرے ایسے دیکھے ہیں جو اتنے سچے ہیں کہ نہ ہونے
والی بات کہہ دیں تو ہو کر رہے تو انھیں یہ بھی تو یقین تھا کہ جب اتنے سچے
ہیں تو جس اسلام کو سچا مذہب کہہ رہے ہیں تو اسلام بھی تو سچا مذہب
ہے مگر اس کے بعد بھی مسلمان نہیں ہوئے۔ بلکہ صلح کر کے جزیہ دے کر
اپنے مذہب پر باقی رہے۔ جیسے اسلام کی سچائی عیسائیوں کی سمجھ میں آ گئی
مگر اپنی نفسانی باتیں رکھنے کے لیے انھوں نے اسلام کی سچائی نہیں مانی۔
اسی طرح حق سمجھ میں آ جاتا تھا مگر پھر بھی لوگ اپنی خواہشات حکومت کے تحفظ
آپ کا حق نہیں مانتے تھے۔ میں نے آپ کے سامنے مسئلہ کو سمجھانے کے لئے
[illegible] رکھے ہیں۔ اس تذکرہ کے بعد آگے پڑھنا چاہتا ہوں۔ نبی اکیلے آتے تو
[illegible] مباہلہ میں آتے تو نبیؐ ہاتھ اٹھا کر بددعا کرتے۔ عذاب نازل ہوتا
اور پوری قوم تباہ ہو جاتی۔ اسلام [illegible] ہوتا لیکن اکیلے آنے کی صورت میں

عیسائی نبیؐ کے مقابلے پر ضرور آتے۔ اس سلسلہ میں جب ان کو اطلاع ملی کہ حضورؐ آ گئے
ہیں تو انہوں نے فیصلہ نہیں کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کریں گے صلح کر لیں گے۔ بلکہ انہوں
نے پہلے یہ کہا کہ دیکھیں نبیؐ کے ساتھ کون کون آیا ہے۔ بلکہ اگر اہلبیتؑ کے بجائے صحابہ
ساتھ لاتے تو عیسائی سمجھتے خود نبیؐ کو اپنے دین پر بھروسہ نہیں ہے لہٰذا مباہلہ
میں خطرہ محسوس کرنے کی بنا پر اپنے عزیز نہیں لائے بلکہ غیروں کو لائے۔ اس
دھوکے میں عیسائی مقابلے پر آ جاتے اور ہلاک ہوتے۔ لیکن جب اہلبیتؑ کو لے کر
نبیؐ آئے تو اہلبیت کو دیکھ کر مقابلے پر آنے کا حوصلہ ہی نہیں پیدا ہوا۔ نبیؐ اکیلے
جا سکتے تھے۔ لیکن اکیلے آتے تو دنیا سمجھتی کہ اسلام اپنی خارجہ پالیسی میں تنہا رہ گیا
ہے گا جب اسلام کی مدد پر ہی آئیں گے۔ مگر آل محمدؐ کو لا کر نبیؐ نے بتایا میں اکیلا
آتا مقابلہ کرتے اور ہلاک ہوتے۔ تب اسلام فاتح ہوتا۔ آل محمدؐ کو لے کر آیا
باطل کے دل میں مقابلے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ نبیؐ نے تجربہ کرایا۔ اگر یہ
اہلبیت اسلام کی مدد پر رہیں گے تو اسلام کی خارجہ پالیسی اتنی باوقار رہے گی
کہ دشمن مقابلے کی ہمت ہی نہ کرے گا۔ یہ دوسرا تجربہ تھا جو نبیؐ کرا رہے تھے۔
صلوات۔ آل محمدؐ کے چہرے دیکھ کر جب عیسائیوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جا کر
کہ اگر انہوں نے بات کہہ دی تو یہ ہو کر رہے گی۔ مجھے یقین آیا کہ اب جتنی روایتیں بھی
وہ سب درست ہیں اگر فاطمہؑ کہہ دیں گی بچو! گھبراؤ نہیں درزی لباس لے کر
آئے گا تو رضوان جنت درزی بن کر آئیں گے۔ اگر انگلی اٹھا کر علیؑ کہہ دیں گے
کہ اگر یہ دیوار سونے کی ہو جائے تو ہو جائے گی۔ اگر ہاتھ دھلائے
جائے امام زین العابدینؑ اپنے مہمان سے کہیں گے طشت میں کیا گرا ہے۔

وہ بچے گا پانی۔ امام پلٹ کر کہیں گے نہیں یہ عقیق ہے۔ یہ یاقوت ہے! امام کہتے جائیں
گے اور وہ عقیق اور یاقوت ہوتا جائے۔ اب مجھے روایت پر شک نہیں۔ اس لیے
کہ جیسا کہہ رہا ہے کہ وہ ہیں جو کہہ دیں گے وہ ہوتا جائے گا۔ پیغمبرؐ نے خیبر میں تجربہ کرا
دیا کہ علیؑ کے ہاتھ میں قیادت رہے گی تو اسلام کی داخلہ پالیسی کامیاب رہے گی۔
مباہلہ میں تجربہ کرا دیا۔ آلِ محمدؐ پشت پناہی پر رہیں گے تو اسلام اپنی خارجہ پالیسی
میں کامیاب رہے گا۔ دونوں تجربے جب کرا لیے تب غدیر کے میدان میں علیؑ
کو ہاتھوں پر اٹھا کر کہا تھا۔ علیؑ کے حوالے اسلام کی قیادت کرتا ہوں۔ لہٰذا جب
تک ان کے پاس رہے گا اسلام تب تک وہ اپنی بنیادوں پر استوار رہے گا۔ ہم
بات یہیں پر آج ختم کرتا ہوں اور جو حصے باقی ہیں وہ اگلی تقریروں میں پیش
کر دوں گا۔ مگر اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ پانچ آدمیوں کا کامیاب قافلہ جب مباہلے
سے پلٹ رہا تھا۔ نبیؐ، علیؑ مرتضیٰ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔ تو سب کے ذہن میں
شاید یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ آج عیسائیت نے حملہ کرنا چاہا تھا۔ تو ہم نے
بڑھ کر اسلام کی حفاظت کی۔ ہر ایک سوچ رہا تھا کہ جب ہم نہ ہوں تو ہمارا کوئی
جانشین رہے جو اسلام پر وقت پڑنے پر کام آ سکے۔ تین آدمی تھے جن کو
لیا وہ احساس تھا۔ نبیؐ سوچ رہے تھے میرا کوئی جانشین رہے۔ علیؑ سوچ
رہے تھے میرا کوئی جانشین رہے۔ فاطمہؑ سوچ رہی تھیں میرا کوئی جانشین
رہے۔ دو کے جانشین موجود تھے۔ نبیؐ کو اطمینان تھا۔ میرے بچے حسنؑ
اور حسینؑ۔ میرے جانشین موجود ہیں۔ فاطمہؑ زہراؑ کو اطمینان تھا۔ میری جانشین
موجود ہے زینبؑ۔ علیؑ جب مباہلے کے میدان سے پلٹ رہے تھے تو سوچ

رہے تھے۔ حسنؑ اور حسینؑ تو نبیؐ کی تصویر بنیں گے۔ میری بھی کوئی تصویر ہونا چاہیئے تاکہ جب اسلام پر سخت وقت آ گئے تو وہ بھی اسلام پر ویسے ہی قربان ہو۔ جیسے میں مباہلے کے میدان میں آج آیا۔ مباہلے کے بعد شاید علیؑ کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ اسلام پر فدا کرنے کے لیے ایک فرزند دنیا میں چھوڑتا جاؤں وقت بڑھتا رہا علیؑ کے سینے میں یہ تمنا پروان چڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک دن آیا کہ علیؑ جب اپنے بڑے بھائی جناب عقیلؑ سے کہہ رہے تھے۔ عقیل میرے بھائی یہ بتاؤ۔ کہ عربوں میں بہادر قبیلہ کون سا ہے۔ کہا علیؑ کیوں پوچھ رہے ہو۔ کہا اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ میں بہادر قبیلے کے بہادر گھر میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس ماں سے بہادر بیٹا پیدا ہو۔ کل جو کربلا میں جب اسلام پر وقت پڑے تو حسینؑ کے ساتھ میرا وہ بیٹا بھی کام آ سکے۔ میں نے بہت دن سوچا کہ علیؑ علم امامت رکھتے ہیں؛ علم غیب رکھتے ہیں۔ انھیں خبر نہیں کہ کون بہادر قبیلہ ہے یہ عقیلؑ سے کیوں پوچھ رہے تھے۔ بہت غور کیا تو میری سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ مولا کہنے کے ذریعے ویسی ہی بے چین تمنا عقیلؑ کے دل میں پیدا کرنا چاہتے تھے جیسی تمنا خود مولا کے دل میں ہے۔ میں ایک آرزو کا ذکر کرتا ہوں۔ مثلاً کبھی دل چاہتا ہے۔ کربلائے معلیٰ زیارت کے لئے جاؤں۔ تو ساتھی بھی سوچتا ہے۔ کاش مجھے بھی موقع مل جاتا۔ علیؑ بہادر قبیلہ جانتے تھے مگر جناب عقیلؑ سے کہا۔ کل کربلا میں اسلام مٹنے لگے گا اور جب مٹنے لگے گا۔ تو میرا حسینؑ بچانے کے لئے اٹھے گا۔ جب بچانے کیلئے اٹھے تو جی چاہتا ہے۔ ایک بہادر بیٹا ہو۔ جو میری نیابت کرے جس

ان الفاظ نے جناب عقیل کے دل میں بھی یہی آرزو پیدا کر دی کہ مالک تو علیؑ کو ایسا بیٹا دے گا۔ جو کربلا میں کل حسینؑ کے کام آسکے گا میرے مالک مجھے ایسا بیٹا دیدے جو عباسؑ جیسا ہو۔ بس رلانے کا منشاء کا مقصد یہی تھا کہ وہ جناب عقیل کے دل میں بھی تمنا پیدا ہو جائے۔ جناب عقیلؑ نے بتایا کہ بنی کلیب قبیلہ بہادر ہے۔ ام البنین فاطمہ کلبیہ کا انتخاب ہوا۔ میں عباسؑ کا علم ہاتھ میں لے کر دعا مانگتا ہوں۔ تو میری آرزو پوری ہو جاتی ہے۔ تو جس عقیلؑ کے مشورے نے عباسؑ کی ولادت کا سامان فراہم کیا تھا۔ اس عقیلؑ نے جب تمنا کی ہوگی۔ مالک اسی بچے کا واسطہ جس کی تمنا علیؑ کر رہے ہیں مجھے بھی ایسا بہادر بیٹا دیدے۔ تو عقیلؑ کی تمنا کیوں نہ پوری ہوگی۔ علیؑ کی تمنا پوری ہوئی۔ علیؑ کو عباسؑ ملے۔ عقیلؑ کی تمنا پوری ہوئی۔ عقیلؑ کو مسلمؑ ملے۔ مسلم ابن عقیل۔ اور عباس ابن علیؑ کردار میں، وفا میں، شجاعت میں، بہادری میں منزلت میں بالکل برابر تھے۔ مجھے کہنے کا حق نہ ہوتا۔ مگر میں نے جب خطاب کی کربلا میں اپنی پہلی حاضری دی اور پریشان ہوگئے جب عباسؑ کے روضے پر پہنچا حضور عباسؑ کی زیارت پڑھی۔ ایک مقام ہے جہاں نعرہ پڑھی تو دونوں ہاتھ کے گر گئے اے عبد صالح تجھ پر

سلام۔ بھائی کی محبت کرنے والے تجھ پر سلام عباسؑ کی زیارت کے نقشے دماغ میں بیٹھ چکے تھے۔ میں نجف اشرف آیا۔ نجف اشرف سے کوفے پہنچا مسجد کوفہ کے پہلو میں لوگوں نے مجھے بتایا یہاں ہانی بھی ہے اور میثم بھی بھی۔ ہانی ابن عروہ کی قبر بھی ہے اور مسلم ابن عقیل کی بھی۔ جب میں مسلم ابن عقیلؑ کی زیارت پڑھنے کے لئے بڑھا۔ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دیکھا

کے لئے ہیں جو الفاظ عباسؑ کے لئے تھے۔ وہی الفاظ مسلم ابن عقیل کیلئے بھی پتہ چلا قدر داں امام کی نظر میں جو عباسؑ کی شجاعت و وفا کا درجہ ہے۔ وہی مسلم ابن عقیلؑ کی شجاعت و وفا کا درجہ ہے۔ یہ حسینؑ کی تمنا تھے۔ وہ عقیل کی تمنا تھے۔ اور میں آپ کو سمجھا دوں۔ آج حسینؑ سے وابستگی میں عقیل کے فرزند مسلمؑ کی بھی ایک نشانی ہر جگہ ملے گی۔ اور عباسؑ کی بھی ایک نشانی ہر جگہ ملے گی۔ آپ امام باڑے میں جائیں، ساری دنیا میں گھومیں۔ جہاں آپ کو تعزیے ملیں گے۔ جہاں آپ کو تابوت ملیں گے۔ وہاں آپ کو عباسؑ کا علم ضرور ملے گا ہو سکتا ہے، حسینؑ کا تعزیہ نہ ہو۔ لوگ ماتم کر رہے ہوں، اکبرؑ کا تابوت نہ ہو لوگ ماتم کر رہے ہوں۔ اصغرؑ کا جھولا نہ ہو۔ لوگ ماتم کر رہے ہوں۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ حسینؑ کے نام لینے والوں کا مجمع ہو اور عباسؑ کا علم نہ ہو۔ معلوم ہوا عباسؑ کی قربانی اتنی قبول ہوئی کہ حسینؑ کی نشانی بن گیا۔ عباسؑ کا علم۔ تو جیسے آج حسینؑ کے نام لینے والوں کا مجمع نہیں تھا۔ جب تک عباسؑ کی نشانی نظر نہ آ جائے۔ ویسے ہی مسلم ابن عقیلؑ کی ایک نشانی ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہو گا کہ وہ نشانی نہ ملے۔ جب مسلم ابن عقیلؑ کو دارالامارہ کے دروازے پر لیا کہ جلاد نے قتل کرنا چاہا تو ایک مرتبہ مسلمؑ مڑے، دارالامارہ سے مکہ کی طرف مڑ کے۔ وہ مکہ جہاں حسینؑ کو چھوڑ کر آئے تھے۔ ادھر جلاد چاہتا ہے۔ تلوار سے مسلمؑ کا سر کاٹے۔ ادھر مسلم ابن عقیلؑ نے مکے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ السلام علیکم یا ابا عبداللہ۔ جلاد کی تلوار چلی کہ مسلمؑ کا سر کٹ کے الگ ہو گیا۔ مگر سر کٹنے سے پہلے مسلمؑ نے اپنی سنت قائم کر دی۔ جو حسینؑ سے ملاتا ہے وہ حسینؑ کی طرف انگلی اٹھا کر زیارت پڑھتا

ہے۔ آج دنیا میں کوئی نہیں جو حسینؑ کا ماتم دار ہو، جو حسینؑ کی زیارت پڑھتا ہو
وہ نہیں پڑھے گا، زیارت جب تک مسلم ابن عقیلؑ کی سنت پر عمل نہ کرے گا
کربلا کی طرف رُخ کرکے انگلی اٹھائے گا۔ عباسؑ کی قربانی قبول ہوئی۔ آج ہر
جگہ عباسؑ کا علم نظر آتا ہے۔ مسلمؑ کی قربانی قبول ہوئی۔ ہر جگہ مسلمؑ کی سیرت
و سنت نظر آتی ہے۔ عباسؑ اور مسلمؑ کا مقابلہ مجھے نہیں کرنا ہے۔ مجھے تو
جناب عباسؑ کے تذکرے کی طرف بڑھنا ہے۔ مگر وہ تفضیل کرنا چاہتا ہوں
مسلمؑ کوفے کی گلیوں میں لڑتے ہیں اور عباسؑ نہر کے کنارے لڑتے ہیں
دونوں کے لئے لڑنا بہت مشکل ہے۔ دونوں کی سیرت ایک نظر ہے جب
عباسؑ فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر لیتے ہیں مشکیزے میں پانی بھرتے ہیں۔
چلو میں پانی لیتے ہیں۔ قدرت کہتا ہے۔ عباسؑ پیا تم، حسینؑ اور بچے پیاسے
پانی پی لو گے۔ پانی پھینک دیتے ہیں۔ نہیں پیتے۔ معلوم ہوا۔ پانی نے عباسؑ کو
مگر پیا نہیں۔ مسلم ابن عقیلؑ بھی جب گرفتار ہوتے ہیں تو پیاسے ہیں۔ ان کے
سامنے جب پانی پیش ہوتا ہے تو دانت سے خون ٹپک پڑتا ہے پانی پھینک
دیتے ہیں، پیاسا رہوں گا۔ مگر نجس پانی نہیں پیوں گا۔ دوسرا جام آتا ہے
لے جو منہ سے لگانا چاہتے ہیں، دانت ٹوٹ کے گرتے ہیں۔ کہتے ہیں پانی
پینا میرے مقدر میں نہیں رہا۔ وہاں عباسؑ کو پانی ملا۔ وفا کی وجہ سے
نہ پیا پانی۔ یہاں مسلمؑ کو ملا پانی۔ مذہب کی وفاداری میں نہ پیا کہ نجس پانی
نہیں پیوں گا۔ پیاسا جان دے دوں گا۔ بس مسلمؑ و عباسؑ کے تذکرے
کو ختم کرتے ہوئے، چند منٹ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جا کر اس شیر کا ماتم

تو ہم عہد کب کرنا چاہتے ہیں۔ میرے بھائیو آج ہمارے بوڑھے، ہمارے نوجوان، ہمارے بچے، بڑے جوش کے ساتھ۔ عباسؑ کا وہ علم ہاتھوں میں لیتے ہیں۔ جو عباسؑ کے شانوں کے کٹ جانے کے بعد زمین پر گر گیا تھا۔ ائے پسر سعدؑ لے اچھا زیاد والے یزیدؑ۔ آ کے دیکھ شانوں کے کٹنے پہ جو علم زمین پر گرا تھا آج کائنات میں کتنے ہاتھوں میں اس علم کے اٹھانے والے۔ وقت مختصر ہے بیان کو آگے بڑھانا نہیں ہے۔ مگر آج علمدار کا ماتم ہے۔ ہاں میرے نوجوانوں آج جتنا جوش ہے نکال دو ماتم میں۔ آنکھوں میں جتنے آنسو ہیں بہا دو سکینہؑ پر جس کے دل کا خون ٹپک رہا تھا۔ جب مشکیزے کا پانی بہا نہایت اختصار کے ساتھ چند فقرے سنا کے مجلس تمام کرنا چاہتا ہوں جب لشکر کا خاتمہ ہو گیا۔ تو عباسؑ حسینؑ کے سامنے سر جھکا کر آئے۔ امام نے کہا عباس کچھ کہنا چاہتے ہو۔ کہا مولا میں بھی مرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کہا عباسؑ تم بھی حسینؑ کو اکیلا چھوڑ دو گے۔ کہا نہیں آقا۔ اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ آپ کے بعد اکیلا جینا نہیں چاہتا۔ کہا عباسؑ کیسے اجازت دے دوں۔ کہا مولا کب تک رو کئے گا۔ اسی اثنا میں در خیمہ پر سکینہؑ پکاری العطش ہائے پیاس مارے ڈالتی ہے۔ حسینؑ نے مڑ کر عباس سے کہا۔ عباسؑ لڑنے بعد میں جانا۔ پہلے بھتیجی کے لئے پانی لا دو۔ در خیمہ پہ عباسؑ آئے۔ بھتیجی سے کہا شاہزادی مشکیزہ تو لانا۔ تیرے لئے پانی لاؤں۔ سکینہؑ دوڑ کی ہوئی گئی۔ مشکیزہ لائی۔ اور ساتھ ہی بچوں سے کہتی جا رہی تھیں۔ بچو! اب نہ رو دو۔ اب پانی کے لئے نہ رو دو۔ ارے مرا شیر چچا جا رہا ہے پانی لینے

عباسؑ نے مشکیزہ اپنا کاندھے پر ڈالا۔ علم اپنا کاندھے پر رکھا۔ ہاتھ میں نیزہ لیا۔ گھوڑے
کی رکاب میں پیر ڈالے۔ بجام زنتا ہاتھ میں لی۔ اور کربلا کا میدان لرزنے لگا۔ جب
عباسؑ کے نعرے سے جبر یزیدی کانپ رہا تھا۔ لے پسر سعد۔ علیؑ کا لال آ رہا
ہے۔ فرات کے کنارے دیکھوں تو کون ہے جو روکتا ہے۔ نوجوان نے حملہ
کر روکنا چاہا۔ مگر عباسؑ نے نیزے کے ایک ہی وار سے لشکر کے لشکر الٹ دیئے۔
صفیں کی صفیں پلٹ دیں۔ اتنی دور دشمن بھاگا کہ عباسؑ نے فرات میں گھوڑا ڈالا
مشکیزہ جو سوکھا تھا۔ اسے بھگویا اس میں پانی بھرا۔ اور پانی بھر کر مشکیزہ اٹھایا سوچا
سینے پر رکھوں۔ خیال آیا جو تیر آئے گا وہ مشکیزہ پر لگے گا بچا کاندھے پر رکھ کر اپنی پیٹھ پر لے
لوں۔ تیر میرے سینے پر پڑے۔ مگر مشک سکینہؑ پہنچ جائے۔ ادھر سے پسر سعد نے نوجوانوں کو آواز دی عباسؑ پہ حملہ کر
دیئے۔ تیر برسنے لگے۔ عباسؑ کے جسم پر زخم لگنے ..... جو تیر لگتا تھا وہ میرا
شیر ہنس کر سہتا تھا۔ الحمدللہ۔ کہ حسینؑ کا حق ادا ہو رہا ہے۔ کہ ایک مرتبہ
کمین گاہ سے تلوار چلی۔ عباسؑ کا ہاتھ کٹا۔ پلٹ کر کٹے ہوئے ہاتھ کو گرتے ہوئے
نہیں دیکھا۔ بلکہ دوسرے ہاتھ میں نیزہ لیا۔ دوسرے کاندھے پر مشکیزہ لیا
دوسرا ہاتھ بھی کٹا۔ ہاتھوں کے کٹنے کے بعد عباسؑ نے کاندھے پر سے مشک کی
مشک کے تسمے کو دانتوں سے پکڑا۔ اور رانوں سے گھوڑے کو دبایا۔ میرے مولا
پہنچا دے مجھے۔ اسے مجھے نہ پہنچا، میرے پانی کو پہنچا دے۔ کہ ایک تیر آ کے
آنکھ میں لگا۔ دوسرا تیر مشکیزے پر لگا۔ تیسرا عباسؑ کے کلیجے پر لگا۔ اور ایک
ظالم نے گرز سر پہ مارا۔ علیؑ کا شیر لہرا کے زمین پہ گرا جو گر کے اٹھتا ہے ہاتھ ٹیک کر
سنبھل جاتا ہے۔ مگر عباسؑ کے شانے کٹ چکے تھے۔ میرا شیر منہ کے بل گرا۔

جنت میں فاطمہ تڑپ گئیں۔ گر کے آواز دی۔ آقا آقا، حسینؑ آ گئے۔ حسینؑ کے حسینؑ کیسے آئے۔ کمر ٹوٹ چکی ہے۔ اکبرؑ نے بازو سنبھال کے باپ کو گھوڑے پر بٹھایا۔ آگے آگے حسینؑ پیچھے پیچھے اکبرؑ، کہا چچا کدھر ہے میرا بھیا۔ کہا وہ ہے فرات کے کنارے۔ تھوڑی دور چلے گئے حسینؑ کر پلٹ کر آواز دی۔ بیٹا اکبرؑ یہاں آؤ۔ اکبرؑ جو آئے کہا بابا کیوں بلایا۔ کہا یہ میرے بھیا کا ہاتھ اٹھا لو۔ دوسری جگہ دوسرا ہاتھ اٹھایا۔ دونوں ہاتھوں کو سینے سے لگائے حسینؑ عباسؑ کے سرہانے آئے۔ وقت وہ تھا کہ عباسؑ کی روح پرواز کرنے والی تھی حسینؑ بیٹھ گئے۔ پکارا عباسؑ کہا مولا آنکھ سے خون صاف کر دیجئے۔ مرنے سے پہلے آپ کا چہرہ دیکھ لوں۔ چہرہ دیکھا مسکرائے۔ دم توڑنے لگے۔ کہا میری روح پرواز کرتی ہے۔ مگر میرے مولا وصیتیں یاد رکھئے گا۔ میت نہ اٹھایئے گا۔ میرا سر قدموں میں رہنے دیجئے۔ زانو پہ نہ رکھئے گا لوگ کہتے ہیں کہ عباسؑ نے وصیت اس لئے کی کہ سکینہؑ کے سامنے جاتے شرم آتی تھی۔ مگر میرے بھائی اگر عباسؑ کا لاشہ نہیں گیا۔ تو کیا چاہنے والی بھتیجی سے ممکن تھا کہ وہ چچا کے سرہانے نہ آتی۔ سکینہؑ آئیں گیارہ محرم کو آئیں چچا کے سرہانے آئیں معلوم ہوتا ہے میت نہ اٹھانے کی وجہ کچھ اور ہے۔ جس کے لئے میرے مخبر نے وصیت کی مولا لاشہ نہ اٹھایئے گا۔ بہت دن وجہ ڈھونڈھتا رہا۔ عباسؑ کی قبر بن چکی ہے قبر پہ روضہ بن چکا ہے۔ قبر تہہ خانے میں ہے گنبد اوپر ہے، جس کے نیچے روضہ ہے۔ صاحب لواعج الاحزان لکھتے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد مرمت کی ضرورت ہوئی۔ میں میرے دوستو! ایک منٹ سنو! اور مجلس تمام کرنے والا ہوں یہ

سمجھ لیا جائے گا۔ بشیر نے کیوں کہا تھا اٹھا۔ میری میت نہ اٹھایئے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تہہ خانے میں مرمت کی ضرورت ہوئی۔ خدام ایک معمار کو لائے، اس سے کہا جاؤ اندر تہہ خانے میں مرمت کر دو۔ وہ گیا اور مرمت کرنے کے بجائے سر سے عمامہ پھینکتا ہوا نکلا۔ واعباساہ، واعباشاہ، حرم میں مجمع ہو گیا۔ ارے تو مرمت کرنے گیا تھا، روتا کیوں۔ ہے دلوں کو سنبھالے کے سنو عباسؑ کے ماتم کرنے والو۔ لوگ جتنا پوچھتے تھے۔ اتنا زور زور سے رو رہا تھا۔ کہا کیوں روتا ہے کہا ارے میں نے سنا تھا میرے شیر عباسؑ کا قد اتنا لمبا تھا کہ گھوڑے پہ بیٹھتے تھے تو زمین تک پیر پہنچتے تھے۔ لیکن جب میں تہہ خانے میں اس امید پہ گیا تھا کہ جا کے دیکھا تو جیسے بچے کی قبر ہوتی ہے ویسی ہے قبر عباسؑ۔ پتہ چلا کہ لاش نہ اٹھانے کی وصیت اس لئے تھی کہ عباسؑ کی لاش اتنے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی جو اٹھ نہ سکتی تھی۔ دفن کے دن جب سید سجادؑ نے چچا کی میت اٹھانا چاہی تو لاش سنبھل نہیں رہی تھی۔ ایک چٹائی منگائی۔ لاش کے ٹکڑے جمع کئے لحد میں اتارا۔ اور دفن کر کے روتے ہوئے چلے۔ ارے میرے چچا ظالموں نے تیری میت ٹکڑے ٹکڑے کر دی۔

باسمہ سبحانہٗ

مجلس ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا الخ

جو حضرات میری پچھلی تقریروں میں شرکت کر چکے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ دو دن سے آپ کے سامنے صرف ایک ہی مسئلے کو پیش کرتا رہا ہوں کہ پیغمبرِ اسلام کو دین کے پہنچانے کے بعد سب سے بڑی فکر یہی تھی کہ اس دین کو مستقبل تک کیسے زندہ رکھا جائے۔ میں نے آپ کے سامنے گذشتہ تقریروں میں پیغمبر کی اس فکر کا جائزہ بھی پیش کیا۔ اور پیغمبرِ اسلام نے دین کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے خیبر اور مباہلے کے میدان میں جو دو تجربے کرائے تھے وہ بھی پیش کئے۔ اور آج پچھلی تقریروں کی مدد سے آگے بڑھتے ہوئے عرض کرنا ہے کہ دین کے مستقبل کو محفوظ کرنے کی فکر، دین کی ساری فکروں میں سب سے بڑی فکر ہے۔ یہ فکر خدا کو بھی ہونا چاہئے تھی جس نے دین بھیجا تھا۔ یہ فکر اس پیغمبر کو بھی ہونا چاہیے جو دین لایا تھا۔ اور اس لئے بہتر ہوگا کہ میں پھر وہ آیت یاد دلا دوں جسے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ غدیر کے دن اترنے والی آیت جس میں کہا گیا تھا۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ الخ اے میرے پیغمبر یہ پیغام پہنچا دو۔ اور اگر تم نے یہ پیغام نہ پہنچایا تو گو

نہ پہنچایا۔ دنیا دشمن ہے۔ مگر اے رسولؐ تم پیغام پہنچا دو۔ ہم حفاظت کریں گے ہیں؛ یہ آیت جب آپ کے سامنے پیش کی تھی تو علمائے اسلام میں سے علامہ جلال الدین سیوطی کا حوالہ دیا تھا کہ انھوں نے اپنی تفسیر درِ منثور میں یہ لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبرؐ علیؑ کے بارے میں ہم تم سے جو کہہ چکے ہیں وہ پیغام پہنچا دو۔ اور اگر تم نے یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ آج مزید اطمینان دہانی کے لئے تین کتابوں کے حوالے اور پیش کئے دیتا ہوں۔ تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ اے پیغمبرؐ علیؑ کے بارے میں ہم تم سے جو کہہ چکے ہیں اُسے پہنچا دو۔ واحدی کی اسباب النزول میں یہ تفسیر درج ہے کہ یہ آیت غدیر کے دن اتری۔ تاکہ پیغمبرؐ علیؑ کے بارے میں پیغام پہنچا دیں۔ اور صحیح بخاری جو سب سے مستند کتاب ہے اس کی شرح جو عینی نے لکھی ہے۔ جس کا نام ہے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔ اس میں بھی اس آیت کی تفسیر یہی لکھی ہے۔ اے پیغمبرؐ علیؑ کے بارے میں جو پیغام ہم تم کو دے چکے ہیں وہ پیغام پہنچا دو۔ اپنی پچھلی تقریروں کے بعد کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ واقعی اسلام کے مستقبل کو محفوظ کرنا ہی وہ مسئلہ ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے خدا رسولؐ سے کہے کہ پیغمبرؐ تم نے تو اسلام کو پہنچا دیا مگر جو مستقبل میں اس کو محفوظ کرنے کا انتظام نہ کیا تو کچھ نہ کیا۔ اگر میرا کوئی مسلمان بھائی یہ چاہتا ہے کہ میں اس آیت کی تفسیر میں مولائے کائنات امیر المومنینؑ کی خلافت و ولایت و امامت و وصایت کے علاوہ کوئی اور بات تسلیم کر دوں۔ تو اس کا فرض ہے کہ میرے آیت پڑھ کر آپ کے سامنے تفصیل رکھی کہ اس آیت میں جس مسئلہ کا

اگر ہے وہ مسئلہ اہم ہونا چاہیئے۔ اور یہ مسئلہ صرف علیؑ کی خلافت ہو سکتا ہے۔
کیوں کہ خیبر جیسا جنگ میں پیغمبرؐ نے تجربہ کرا دیا تھا کہ اگر اسلام کی قیادت علیؑ اور اہل بیت
کے ہاتھ میں رہے گی تو اسلام کا مستقبل محفوظ رہے گا۔ میں نے ہمیشہ کہا ہے
کہ میں اپنے خیالات دوسروں کے ذہنوں پر ٹھونسنے کا عادی نہیں ہوں بلکہ ہر
معاملات کے بارے میں ہر شخص کو سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا حق ہے
مگر اتنا حق میں بھی رکھتا ہوں کہ اپنے خیالات کا اظہار کر دوں۔ میں نے کہا کہ قرآن
کا یہ کہنا ہے کہ یہ پیغام نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ یہ ایسی اہمیت کا مسئلہ ہے کہ
مستقبل کے تحفظ کے علاوہ کوئی دوسرا مسئلہ ایسی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر کسی کو یہ
تسلیم نہیں ہے تو اس کا فرض ہے کہ بتائے وہ کون سا اہم مسئلہ تھا جس کیلئے
ان کہنا تھا کہ جو اسے نہ پہنچایا تو تم نے کچھ نہ پہنچایا۔ نیز اس مسئلہ سے دین
کی تکمیل اور نعمتوں کے اتمام کو کیا تعلق تھا۔ جو حکم خدا کے پہنچانے پر آیت نازل
کی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ آج کے دن میں نے مسلمانوں تمہارے
لئے دین کو کامل کر دیا۔ نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے اسلام کو قبول کر لیا۔ جب
میں نے اس آیت کی تفسیر میں عام مسلمانوں کی تفسیر پڑھیں تو اس میں یہ
کہیں کہ رسولؐ علیؑ کی خلافت کے اعلان کے بعد نہیں یہ غدیر خم میں گوشت کی
بہاری تفسیریں کی تائید تھی اسکے علاوہ یہی کہ حضورؐ پر حلال گوشت و حرام گوشت کے احکام
پہلے تب آیت اتری کہ آج دین کامل ہو گیا تفسیریں کی روشنی میں اس اہم مسئلہ کی تفصیل یہی ہے
کہ اگر اسے نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا یعنی علیؑ کی خلافت کا اعلان دوسرے گوشت کھانے کے احکام کا نازل ہونا۔
اگر یہی بات مانی جائے اسلئے اگر اسے میں مانا ہو تو دوسرے سب کے بارے میں جا گیا کہ گوشت کھانے کے احکام

میں کیا اتنی اہمیت تھی جس کے لئے پیغمبرؐ سے کہا جا رہا تھا کہ اگر تم نے یہ مسئلہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ لیکن ان غلط تفسیر کا اثر ضرور ہوا۔ میں بھی کبھی سوچا کرتا تھا کہ مسلمان کہتے ہیں جو گوشت نہ کھائے وہ مسلمان نہیں۔ میں سوچتا تھا یہ گوشت کھانا اسلام کا معیار کیسے بن گیا۔ لیکن جب میں نے تعلیم حاصل کی تب سمجھ میں آئی یہ بات کہ قرآن نے کہا۔ یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ وہ مسلمان نے تفسیر میں کہا یہ مسئلہ تھا گوشت کھانے کا مسئلہ۔ تو مسلمان سمجھنے پر مجبور ہوا جو پیغمبرؐ گوشت کا مسئلہ نہ پہنچاتے تو کچھ نہ پہنچاتے۔ تو ہم گوشت نہ کھایا تو کچھ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گوشت خوری اسلام کا معیار بن گئی۔ بہرحال اصل مسئلہ کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا مسئلہ نہیں ہے، کوئی دوسرا مسئلہ ہے تو ہمارے سامنے وہ اہم بات لاؤ جو وہ کہتے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں پیش کی جاتی۔ بلکہ نہیں پیش کی جا سکتی۔ اس کے برخلاف دین کے مستقبل کی بقا کی اہمیت کی حامل ہے جس اہمیت کا آیت میں تذکرہ ہے اور حضورؐ کی زندگی کے تجربے والے تجربات نے تصدیق کی کہ اسلام کی بقا کی ضامن آل علیؑ کی قیادت ہے۔ مزید برآں ہم نے چار مخالف علماء کی کتابوں سے شہادت بھی پیش کی کہ ان آیتوں کا تعلق اعلان خلافت علیؑ سے ہے۔ اس کے بعد بھی نہ ماننا انصاف کا خون کرنا ہے۔ پچھلی مجلس میں میں نے آپ کے سامنے کہا تھا کہ پیغمبرؐ نے غدیر کے اعلان سے پہلے خیبر اور مباہلہ کے میدانوں میں دو تجربے کرائے۔ خیبر کے میدان میں تجربہ کرا کر اگر علیؑ کے ہاتھ میں قیادت رہے گی تو اسلام کی داخلہ پالیسی کامیاب رہے گی۔ مباہلہ کے میدان میں تجربہ کرایا اگر آل محمدؐ اسلام کی پشت پناہی پر رہیں گے تو اسلام کی خارجہ پالیسی کامیاب رہے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ میں نام لئے بغیر اپنے مجمع سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پیغمبرؐ نے دوسرا تجربہ بھی کرایا۔ اور جب

پیغمبرؐ پر سورۂ برائت نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے اپنے ایک بزرگ صحابی کو جسے شوق ہو کتاب میں ان کا نام پڑھ لے۔ نام بتانا میرے لئے ضروری نہیں۔ اگر کوئی پوچھے گا تو مجھے بتانے سے انکار بھی نہیں۔ لیکن برملا نام لے کر میں بات کو تخفیف نہیں اچھالنا چاہتا۔ میں تو صرف اصولی بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب پیغمبرؐ پر سورۂ برائت نازل ہوا۔ پیغمبرؐ نے اپنے ایک محترم کو چند آیتیں دے کر کہا جاؤ اور یہ آیتیں کعبہ کے پاس کفار مکہ کو سنا دینا۔ میری تاریخ میں نہیں، میری تفسیر میں نہیں اس لئے کہ صرف میرے یہاں ہوتا تو وہ صرف میری بات ہوتی۔ وہ دوسروں کے لئے قابل قبول نہ ہوتی۔ لیکن عام علمائے اسلام نے لکھا کہ جب سورۂ برائت کا پیغام لے جانے والا تھوڑی مسافت طے کر کے آگے بڑھا۔ تو حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰؐ کو اللہ کی طرف سے جبرئیلؑ نے یہ پیغام پہنچایا۔ اے پیغمبرؐ خدا کہتا ہے کہ یہ پیغام یا آپ پہنچا دیں یا "رجلٌ منک" "تم میں سے کوئی مرد پہنچائے" پیغمبرؐ کو جب یہ حکم ملا۔ آپ نے مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو بھیجا۔ اور کہا کہ میں نے جسے سورۂ برائت دے کر بھیجا ہے انہیں واپس بھیج دو۔ سورۂ برائت کا پیغام تم پہنچانے جاؤ۔ پیغمبرؐ نے جا کر دنیا دیکھ لے۔ کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں داماد چچا زاد بھائی ہونے کی بنا پر بھیج رہا ہوں علیؑ ہی کو بھیجتا ہوں تو لو۔ اب دوسرے کو بھیجے دیتا ہوں مگر میں اسے کیا کروں کہ خدا روک رہا ہے۔ خدا نے دوسرے کو روک کر علیؑ کو بھیج کر بتایا کہ جب خالی قرآن سنانے کی ذمہ داری خدا علیؑ کے علاوہ کسی اور کو دینے پر تیار نہیں ہے تو میری وفات کے بعد پورے اسلام کی رہنمائی علیؑ کے علاوہ کسی اور کو کیسے دے دے گا۔ جملہ اتنا نہیں ہے

اگر آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو ایک مسئلہ اور صاف ہو جائے۔ اگر قرآن ہدایت میں کافی ہوتا تو کوئی بھی جا کے سنا دیتا۔ قرآن اپنا اثر دکھاتا۔ مگر کسی کو جانا اور پیغمبرؐ واپس بلا لیا جاتا، علیؑ کا بھیجا جانا یہ بتاتا ہے۔ قرآن تب اثر پیدا کرتا ہے۔ جب سنانے والے کی زبان میں کوئی اثر ہوتا ہے۔ دنیا یہ جان لے یہ کہ محمدؐ کے سامنے قرآن اکیلا کافی نہیں۔ اگر سنانے والا رسولؐ جیسا نہ ہو قرآن وفات۔ پیغمبرؐ کے بعد، ہدایت امت کیلئے کیسے کافی ہو جائیگا۔ میں آپ کے سامنے حقائق رکھتا ہوں کہ پیغمبر اسلامؐ نے علی ابن ابی طالبؑ کیلئے تجویز کر رکھا تھا کہ میرے بعد اگر علیؑ اسلام کے قائد ہونگے تو اسلام اپنی داخلہ اور خارجہ پالیسی میں کامیاب رہے گا۔ لیکن اگر پیغمبرؐ نے اسلام کے مستقبل کو محفوظ کرنے کا انتظام صرف اتنا کیا تھا جب تک میں رہوں، تب تک اسلام محفوظ رہے۔ اور جب میرے بعد علیؑ رہیں تب اسلام محفوظ رہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پیغمبرؐ نے مستقبل کو تو کیا مگر تھوڑی مدت کے لئے۔ جب نبیؐ اور علیؑ نہ رہیں گے۔ تو اسلام کو خدا تباہ ہو جائے گا۔ مگر اسلام کے مستقبل کا منصوبہ صرف علیؑ پہ ختم ہو جاتا ہے منصوبہ نامکمل بھی ہے ناقص بھی ہے، بیکار بھی ہے۔ اگر مذہب کو قیامت تک باقی رکھنا ہے تو پیغمبرؐ کو منصوبہ ایسا بنانا پڑے گا کہ کچھ ایسے افراد ہوں جو قیامت تک باقی رہیں اور اسلام کو باقی رکھیں۔ اسی لئے جو باتیں میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ اسے پھر دہراتا ہوں کہ جنت کی کنجی صرف انہیں ملے گی جو مانے گا کہ کائنات کا امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کو اپنا مولا مانے گا بلکہ جنت کے دروازے پر وہ پہنچ سکے گا۔ جو ان تمام اماموں کو مانے گا۔ جو بھیجے گئے ہو

پیغمبرؐ نے دین کے مستقبل کو قیامت تک کے لئے مستحکم اور محفوظ کیا ہے۔ میں نے نام بتائے، آپ نام جانتے ہیں ان بارہ اماموں کے۔ مجھے بار بار دہرانا نہیں ہے۔ ینابیع المودۃ کے حوالے دے چکا۔ آج اس کی تکرار نہیں کرنا چاہتا۔ میں مسئلہ کو یوں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔ خدا کے بعد حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰؐ کو مانتا ہوں۔ اور پیغمبرؐ اسلام کے بعد بارہ اماموں کو مانتا ہوں۔ اور ایک دوسرا مسلمان ہے۔ جو کہتا ہے میں خدا کو مانتا ہوں، خدا کے بعد پیغمبرؐ کو مانتا ہوں۔ اور خدا و نبیؐ کے ماننے کے بعد اب کسی اور کے ماننے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے سامنے مسلمانوں کی دونوں جماعتیں موجود ہیں۔ یعنی ہم اور وہ خدا و رسولؐ کے ماننے میں ساتھ ساتھ چلے۔ ساتھ کہاں سے چھوٹا۔ ہم نے کہا۔ ہم جیسے خدا کو مانتے ہیں ویسے نبیؐ کو مانتے ہیں ان کے بعد جیسے نبیؐ کو مانتے ہیں ویسے بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ ہمارے لئے اب ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے خدا کو مانا۔ اب کسی کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ نبیؐ کے بعد کسی کو ماننے کی ضرورت سے انکار اس لئے ہے کہ آج کسے مانیں کوئی نہ خلیفہ ہے نہ امام اگرچہ کل وفات پیغمبرؐ کے بعد یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ نبیؐ کے بعد کسی کا ماننا ضروری ہے اور اتنا ضروری ہے کہ ہم نے پیغمبرؐ کی لاش کا دفن کرنا چھوڑا۔ تاکہ ہم اسے بنا لیں جس کا ماننا ضروری ہے۔ اگر کل نبیؐ کے بعد کسی کا ماننا اتنا ضروری تھا کہ لاشِ پیغمبرؐ کا چھوڑنا ممکن تھا مگر جسے ماننا ہے اس کا انتخاب نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔ تو آج مسلمان کے سامنے اسی مسئلہ میں بڑی دقت پیدا ہوگئی ہے۔ وہ اس لئے کہ دنیا میں آج کوئی خلیفہ نہیں اگر کل نبیؐ

کے بعد کسی خلیفہ کا ماننا ضروری تھا جس کے لئے دفن پیغمبرؐ کی شرکت چھوڑ دی گئی۔
تو آج مسلمان بتائے کہ کون ہے خلیفہ جسے دنیا مانے۔ چونکہ کوئی نہیں ہے
جسے دنیا مانے اور مسلمان مانے۔ لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ بس خدا کا ماننا کافی ہے
بس نبیؐ کا ماننا کافی ہے۔ اللہ خدا و نبیؐ کے بعد کسی کا ماننا ضروری نہیں۔ اور
ہم جو بارہ اماموں کو مانتے ہیں تو دنیا کہتی ہے، تم بے سبب اماموں کے قائل
ہو۔ بس خدا و رسولؐ کا ماننا کافی ہے۔ میں اس اختلاف پر آج قرآنی فیصلہ کرنا
چاہتا ہوں۔ صلوات۔ ماننا نہ ماننا تو دل کی بات ہے۔ مگر بات کو سمجھ لینا
یہ ہر انسان کے بس میں ہے۔ بحث اتنی سی ہے کہ خدا و رسولؐ کے بعد کچھ اور
انسانوں کا مانا جانا ضروری ہے کہ نہیں۔ اور وہ کون ہیں یہ تفصیل بعد میں آئے گی
میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھتا ہوں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤ
تون الزکوٰۃ و ھم راکعون۔ دوسری آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم لا تعلمون۔ تیسری آیت پڑھتا
ہوں۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ ترجمہ پڑھ دیں تو سمجھنے چلا۔ پہلی آیت جو میں نے پڑھی اس کا ترجمہ ہوا
تمہارا ولی اللہ ہے اور اللہ کے بعد تمہارا ولی رسولؐ ہے اور رسولؐ کے بعد تمہارے
ولی وہ ایمان لانے والے ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ
دیتے ہیں۔ پہلی آیت کا ترجمہ ختم ہوا۔ دوسری آیت کا ترجمہ ہے۔ ایمان والو
اطاعت کرو اللہ کی۔ اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان کی جو امر والے ہیں، جو حکم
والے ہیں، جو صاحبان امر ہیں۔ تیسری آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی

کا ترجمہ ہے۔ اے مسلمانو اگر تم کوئی بات نہیں جانتے ہو تو تمھارا فرض ہے کہ جو اہل ذکر ہیں ان سے پوچھو۔ چوتھی آیت پڑھتا ہوں۔ "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین" اے ایمان والو تمھارا فرض ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ سے ڈرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور جو سچے ہیں ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ آیتیں اور بھی ہیں لیکن میں اتنی ہی آیتوں پر فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ کہ خدا اور نبیؐ کے بعد کسی اور کو خدا و نبیؐ کی طرح ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر دنیا کہتی ہے ماننا ضروری نہیں ہے۔ تو پھر مجھے آیتوں کا مطلب بتائے۔ اگر صرف خدا و نبیؐ کا ماننا ضروری ہوتا۔ تو پہلی آیت یہاں پر ختم ہو جاتی "انما ولیکم اللہ و رسولہ" تمھارا ولی بس اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے۔ مگر جب آیت آگے بڑھی ہے خدا اور رسولؐ کے بعد وہ ولی ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ اور ایمان لانے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ تو پتہ چلا اللہ بھی ولی، رسولؐ بھی ولی اور رسولؐ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ولی ہیں۔ دوسری آیت میں قرآن کہتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو پتہ چلا جیسے خدا و رسولؐ کے بعد کچھ ایمان والے ہیں جن کی ولایت کا ماننا ضروری ہے۔ ویسے خدا و رسولؐ کے بعد کچھ صاحبان امر ہیں جن کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ قرآن کی تیسری آیت میں ہے کہ تم جو کچھ نہیں جانتے ہو اہل ذکر سے پوچھو۔ معلوم ہوا۔ کچھ ذکر والے ہیں۔ قرآن نے جن کا نام اہل ذکر رکھا ہے۔ ظاہر ہے جب ان کو مانوگے تب ہی ان سے پوچھو گے۔ چوتھی آیت میں نے پڑھی ہے اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو۔ اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ معلوم ہوا سچوں کی کوئی جماعت ہے۔ جن کے

ساتھ ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ معاملہ جنت جانے نہ جانے کا ہے۔
ہر انسان اپنی قبر میں اپنے اعمال اور عقیدے کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔ آپ
دنیا میں تعصب کی بنا پر کسی مذہب کو برا کہہ دیں۔ کسی مذہب کو صحیح کہہ دیں لیکن
قبر سے لے کر قیامت کے دن تک صرف وہی مذہب کام آئے گا جو سچا مذہب
ہوگا۔ وہاں نہ کسی مولوی کا فتویٰ کام دے گا۔ نہ کسی بھائی کی عزیزداری کام دے گی
نہ کسی باپ کا دادا کام دے گا۔ بس جس کے پاس سچا مذہب ہوگا اور کھرے
اعمال ہوں گے وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول قرار پائے گا۔ اس طرح [illegible]
میں کسی کو اس کے مذہب سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ یا کسی کے مقابلے
میں اپنے مذہب کی اچھائی جتانا چاہتا ہوں۔ میں تو کھلے دماغ کے ساتھ اور کھلے
دل کے ساتھ اپنے ہر مسلمان بھائی سے محبت کرتے ہوئے اس کے سامنے
مسئلہ کی تفصیل رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر خدا و رسولؐ کا ماننا کافی ہوتا۔ تو خدا و رسولؐ
کے بعد صاحبان امر کی اطاعت کا حکم نہ ہوتا۔ خدا و رسولؐ کے بعد صادقین کے
ساتھ ہونے کا ذکر نہ ہوتا۔ خدا و رسولؐ کے بعد اہل ذکر سے معلومات کرنے کا ذکر نہ
ہوتا۔ خدا و رسولؐ کے بعد کوئی اور ولی نہ بنایا جاتا۔ لیکن یہ چاروں آیتیں بتاتی ہیں
کہ کچھ اور لوگ ہیں۔ جنہیں قرآن صادقین کہہ رہا ہے۔ جنہیں قرآن اہل ذکر کہہ رہا ہے
جنہیں قرآن صاحبان امر کہہ رہا ہے۔ جنہیں قرآن ایمان والا،
نماز پڑھنے والا حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والا کہہ رہا ہے تو جب تک ہم ان کو
نہ مانیں گے تب تک ہمارا ایمان کامل نہ ہوگا۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں خدا کے
بعد نبیؐ کو ماننا پڑے گا۔ نبیؐ کے بعد صادقین کو ماننا پڑے گا۔ ان صاحبان

امر کو ماننا پڑے گا، اہل الذکر کو ماننا پڑے گا۔ ان اولیائے مومنین کو ماننا پڑے گا جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ اب سمجھا نے ایمان خدا و رسولؐ پر ختم ہے۔ یا خدا و رسولؐ کے بعد کچھ اور لوگ ہیں جن کا ماننا ضروری ہے۔ صلوات۔ قرآن کی روشنی میں طے ہو گیا کہ خدا و رسولؐ کے بعد کچھ لوگ ہیں جن کا مانا جانا ضروری ہے۔ قرآن نے خود ہی طے کر دیا۔ اب قرآنی الفاظ کی تشریح سنئے۔ اہل ذکر۔ ذکر معنی یاد۔ اہل ذکر یعنی یادداشت والے۔ کس سے پوچھو اہل ذکر سے پوچھو۔ ذکر قرآن بھی ہے۔ ذکر کے معنی یادداشت کے بھی ہیں لہذا جو سن کر بھول سکے وہ اہل ذکر نہیں۔ جس کا علم اتنا مضبوط ہو کہ بچپنے سے لے کر بڑھاپے تک کبھی نہ بھولے وہ اہل ذکر ہے۔ معلوم ہوا جو بھول جاتا ہے۔ وہ خطا کار ہوتا ہے۔ جو معصوم ہوگا۔ وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ صادقین کا ساتھ دو۔ تو صادقین وہ نہیں ہوں گے جو زندگی میں ایک مرتبہ سچ بولیں۔ صادقین وہ ہوں گے جو زندگی میں کبھی جھوٹ بولے ہی نہ ہوں۔ صاحبان امر کون ہوں گے۔ صاحبان امر وہ نہیں ہوں گے کہ جب ان کے سر پہ تاج ہو۔ تخت پہ قدم ہوں۔ ہاتھ میں تلوار ہو تب حکم چلائے۔ نہیں صاحبان امر وہ ہوگا جو سر پہ تاج نہ رکھتا ہو۔ اس کے پاس تخت نہ ہو۔ دنیا اس کی مخالفت کر رہی ہو۔ مگر اللہ کی طرف سے صاحبانِ امر بنا کر لایا ہو تو ایسا ہو کہ اگر انگلی اٹھائے تو چاند کے ٹکڑے ہو جائیں۔ ہاتھ اٹھا دے تو ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آئے۔ اشارہ کر دیں تو ستارہ اترتا ہوا چلا آئے۔ آواز دے دیں تو درخت چلتا ہوا چلا آئے۔ یعنی کائنات میں جب چاہیں تصرف کر کے دکھا دیں جو اتنی قدرت رکھتے ہوں۔ وہ صاحبانِ امر ہیں۔ حکومت پلٹے تو کافر بھی حکم چلا

سکتا ہے۔ لیکن اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کے ذریعے اپنا اثر دکھائے وہ صاحب امر کہلاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے اسلام کی تاریخ میں علیؑ اور اولاد علیؑ یعنی اہلبیت پیغمبرؐ کے علاوہ اور کون ہیں جو صادقین کی منزل میں آتے ہوں۔ جو ولی خدا کا درجہ رکھتے ہوں۔ جو صاحبان امر کے معیار پر آتے ہوں۔ جو اہل ذکر کی منزل پر فائز ہوں۔ معلوم ہوا قرآن کی ان آیتوں نے بتایا کہ خدا کے بعد نبیؐ کا ماننا ضروری ہے اور نبیؐ کے بعد ان بارہ اماموں کا ماننا ضروری۔ جن میں یہ معیار پائے جاتے ہیں صلوات۔ میں نے اس مسئلہ کو جلدی اس لئے طے کیا کہ میں بار بار امام کہتا ہوں۔ مگر لوگ گیارہ امام تک تو بات سن لیتے ہیں۔ مگر جب بارہ امام تک بات آتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں جو سامنے ہی نہیں ان کے ماننے سے کیا فائدہ مگر میرے بھائی! اگر پہلے ہی وہ سوچ لیا ہوتا کہ جو سامنے نہیں اس کے ماننے سے کیا فائدہ۔ تو خدا ہی کو نہ مانا ہوتا۔ جہاں سے مذہب شروع ہوا جب وہ سامنے نہیں۔ مگر اس کے ماننے کا فائدہ ہے تو جہاں پہ مذہب ختم ہو رہا ہے اگر وہ سامنے نہیں تو یہ سوال کیوں ہوتا ہے کہ جب سامنے نہیں تو ماننے سے کیا فائدہ۔ میرے دوستو! سنو۔ جو سامنے ہوتا ہے وہ بے قیمت ہوتا ہے اور جو پوشیدہ ہوتا ہے وہ قیمتی ہوتا ہے۔ پتھر زمین پر ابھرا نظر آتا ہے لوگ اسے ٹھوکریں مارتے ہوئے چلتے ہیں۔ مگر سونا زمین کی تہہ میں چھپا ہوا رہتا ہے۔ لوگ اسے گلے لگا لیتے ہیں۔ معلوم ہوا ظاہر بے قیمت ہوتا ہے غائب قیمتی ہوتا ہے۔ صلوات۔ میں اپنے بارھویں امام کے سلسلے میں چند فقرے کہنا چاہتا ہوں۔ تاکہ دنیا ہمیں یہ طعنہ دینا چھوڑ دے کہ تم امام غائب کے ماننے والے

ہے۔ دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو امام غائب کا ماننے والا نہ ہو۔ مسلمانوں
کی حدیث کی کتابیں پڑھئے۔ آپ کو ملے گا کہ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ ﷺ
نے یہ فرمایا کہ میری اولاد میں مہدی پیدا ہوگا جس کا نام میرا نام ہوگا جس کا لقب میرا
لقب ہوگا۔ وہ زمین عدل سے اس طرح بھر دے گا۔ جیسے اس کے آنے سے
پہلے زمین ظلم سے بھری ہوگی۔ حدیث میں تذکرہ ہے اور مسلمانوں کی زبانوں پہ
ایک لفظ جاری ہے۔ مہدی موعود جو عربی نہیں جانتے ان کے لیے ترجمہ کرتا ہوں۔
مہدی جو ہدایت کرے گا۔ موعود جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آپ کسی کی لکھی ہوئی کتاب
میں مہدی پڑھیں گے تو اس کے ساتھ لفظ موعود ضرور پڑھیں گے۔ یعنی وہ مہدی
جس کا وعدہ کیا گیا ہے کس نے وعدہ کیا ہے نبی نے وعدہ کیا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ
ہے کہ مہدی موعود پیدا ہوں گے دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو مہدی موعود کا انتظار
نہ کرتا ہو۔ ہمارا اور دوسرے مسلمانوں کا اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ ہم کہتے ہیں وہ پیدا
ہو چکے اور پردۂ غیب میں ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں ابھی پیدا نہیں ہوئے بلکہ پیدا
ہوں گے۔ اب آپ ہی بتائیں ہم اس کا انتظار کر رہے ہیں جو پیدا ہو چکا۔
اور تم اس کا انتظار کر رہے ہو جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ ہم اس پر ایمان لائے ہیں
جو موجود ہے مگر غائب ہے۔ مگر تم اس پر لائے ہو جو ابھی پیدا ہونے والا
ہے۔ میں نے سوچا مسلمانوں سے پوچھوں۔ مہدی موعود کا انتظار کرتے ہو۔ وہ
پیدا ہوگا تب آئے گا۔ ایسے ہی رائے کر کے بنا ڈالو جیسے نبی کے بعد رائے
کر کے پہلا جانشین بنایا تھا۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ یہ بنانے سے نہیں بنے گا
جو مہدی ہے وہ آئے گا۔ تو سوچو جب اللہ کی آخری حجت بنانے سے نہیں بنتی

بلکہ خدا بھیجتا ہے تو پہلا امام کیسے بنانے سے بنا جائے گا۔ جس کا آخری بنانے سے نہیں بن سکتا۔ اس کو پہلا بھی نہیں بنایا جا سکتا اب میں آپ کے سامنے ایک دلیل ایسی رکھوں جس سے کوئی مسلمان انکار نہ کرے۔ سب مسلمان امام غائب کا انتظار کرتے ہیں یا نہیں۔ ٹھہریئے آپ کے بمبئی میں ایک پھل نہیں ہوتا جس کا نام ہے امرود۔ یوپی میں بہت ہوتا ہے۔ الہ آباد کی امرود بہت مشہور ہیں۔ بمبئی میں اسے پیرو کہتے ہیں۔ میرے ایک دوست الہ آباد گئے اور کہا مجھے پیرو خریدنا ہے انہوں نے دوکان والے سے کہا۔ پیرو چاہیئے اس نے سیب بڑھا دیا۔ کہا یہ نہیں۔ اس نے موسمی بڑھا دی۔ کہا یہ نہیں۔ اس نے انار سامنے کیا۔ کہا یہ نہیں۔ ایک ایک پھل وہ پیش کرتا ہے وہ کہتے ہیں یہ نہیں۔ تو اگر پیرو کوئی پھل ہی نہ ہوتا تو ہر پھل کو دیکھ کر یہ نہیں نہ کہتے بلکہ دوکان سے ہٹ جاتے۔ مگر جب بار بار کہا۔ یہ نہیں، یہ نہیں، یہ نہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا انتظار ہے وہ نہیں آیا۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد سے اب تک سیکڑوں نے کہا۔ میں ہوں مہدی موعود۔ ایک دو نہیں۔ نہ معلوم کتنے دعویدار پیدا ہوئے۔ جنھوں نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ میں مہدی موعود۔ مگر جب کسی نے کہا۔ ہم مہدی موعود ہیں تو مسلمانوں نے کہا تم نہیں۔ پتہ چلا کوئی ہے تو جس کا انتظار ہے ورنہ اگر وہ بھی کوئی مہدی نہ ہوتا۔ تو جب دنیا میں جھوٹے مہدی اٹھ رہے تھے۔ تو دنیا یہ نہیں کہتی کہ تم نہیں۔ تم نہیں کا مطلب ہے کہ تم نہیں مگر کوئی ہے۔ اب بتائیے سب مسلمانوں کا ایمان مہدی غائب پر ہے کہ نہیں۔ صلوات۔ اب میں آپ کے سامنے اپنے بارھویں امام کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے قرآن

کے حوالے سے پیش کرتا تھا۔ اور چیلنج کرتا ہوں کہ مسلمان اگر میرے بارہویں امام کو نہیں مانتا تو ان آیتوں کو حل کرے۔ سورۂ برات میں یہ آیت ہے۔ ھُوَ الَّذِی اَرسل رسولہ الخ۔ اللہ کہتا ہے میں وہ خدا ہوں جس نے اپنے بندہ خاص محمد مصطفےٰ کو رسول بنا کر بھیجا۔ ذخیرۂ ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ میرا یہ پیغمبر میرے دین کو سارے دینوں پر غالب کر دے۔ اور میرے دین کو سارے دین پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا چاہے شرک کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ قرآن نے کہا۔ خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ذخیرۂ ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ پیغمبر یعنی محمد مصطفےٰ اس دین کو دوسرے سارے دینوں پر غالب کر دے۔ قرآن نے مزید کہا غالب آ کر رہے گا۔ چاہے مشرکوں کو ناگوار کیوں نہ ہو۔ میں مسلمانوں سے یہ بات پوچھوں گا کہ پیغمبر دنیا میں آ گئے۔ بیشک آئے۔ اپنے ساتھ دین لائے۔ بیشک لائے۔ مگر قرآن نے تو کہا کہ میں نے نبی کو اس لئے بھیجا ہے کہ یہ نبی اس دین کو سارے دینوں پر غالب کر دے۔ مجھے ہر مسلمان سے پوچھنا ہے بتاؤ دین غالب ہوا یا نہیں ہوا۔ نبی کو دنیا سے گئے ہوئے چودہ سو سال ہو گئے مگر ابھی اسلام دنیا میں مغلوب ہے۔ غالب نہیں۔ مسلمان دنیا کی مردم شماری میں بھی سب سے بڑی قوم نہیں ہیں۔ یعنی تعداد میں بھی مغلوب ہیں غالب نہیں۔ قرآن نے بڑی شدت سے کہا تھا کہ چاہے مشرکوں کو ناگوار ہو مگر دین سب دینوں پر غالب ہو کر رہے گا۔ مگر دین ابھی تک غالب نہیں رہا۔ بات مثال کے طور پر لیجئے۔ آپ نے کہا مجھے ایک مقصود چاہیئے۔

میں نے ایک مقرر دیا۔ آپ نے کہا کیسی تقریر کریں گے۔ میں نے کہا میں وہ ہوں جس نے ایسا مقرر بھیجا ہے جو یادگار تقریر کرے گا۔ مقرر نے جا کر تقریر کی۔ تقریر ناکام ہوئی۔ تو جو گیا تھا وہ تو ناکام ہوا ہی مگر میں نے جو سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ میں ہوں جو اس مقرر کو بھیج رہا ہوں۔ اس کی ناکام تقریر کے بعد تو میری بھی "میں" گئی خدا نے کہا تھا۔ میں وہ خدا ہوں جو محمد کو بھیج رہا ہے۔ جو دین کو غالب کر دے گا اور دین کو غلبہ نہیں حاصل ہوا تو نبی کی نبوت بھی ناکام ہوئی۔ اور خدا کی بھی "معاذ اللہ" میں گئی۔ مجھے بتائے دنیا اگر محمد صرف ایک تھے تو وہ تو دنیا میں آ کے جا چکے اور دین غالب نہیں ہوا دین نہیں غالب ہوا یعنی نبی نبوت میں ناکام ہو گئے۔ خدا نبی کو بھیجنے میں ناکام ہوا۔ قرآن اپنی پیشین گوئی میں ناکام رہا۔ لہٰذا یا قرآن کی پیشین گوئی غلط مانو۔ خدا کو ناکام مانو۔ نبی کو ناکام مانو۔ یا یہ تسلیم کرو کہ پیغمبر تنہا نہیں گئے تھے۔ محمد نام کا ایک تھا مگر اپنے ساتھ چودہ محمد لے کر آئے تھے۔ جن میں سے ایک محمد ابھی باقی ہے۔ جب ظہور کرے گا تو دین کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اگر آخری محمد نہیں باقی تو پیشین گوئی پوری نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ پیشین گوئی نہیں پوری ہوتی تو قرآن سچا نہیں۔ نبوت تمام نہیں ہوتی۔ خدا کی خدائی کامیاب نہیں۔ اگر بارہویں امام کو مانو تو تینوں باتیں پوری ہو جائیں۔ اور نہ مانو تو تینوں باتیں نہ پوری ہوں گی۔ دنیا سمجھے اگر بارہویں امام کو نہ مانا جائے تو قرآن کی اتنی بڑی پیشین گوئی معطل ہو جائے گی یا نہیں۔ صلوٰۃ دوسری آیت جو تیسرے پارے میں ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اذ اخذ

اللہ میثاق النبیین الخ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے سارے انبیاء سے
عہد لیا۔ کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دے دوں۔ اور تمھارے پاس ان کے بعد کوئی
آئے جو تمھاری ساری باتوں کی تصدیق کرتا ہو تو اے انبیاء ضرور بالضرور تم
اس نبی پر ایمان لانا۔ اور اے انبیاء تم اس نبی کی ضرور مدد کرنا۔ خدا عہد لے
رہا ہے۔ انبیاء عہد کر رہے ہیں۔ کتاب و نبوت پاکے عہد کر رہے ہیں
عہد کر رہے ہیں کہ جب آخری نبی آئے جو سارے گزشتہ انبیاء کی تصدیق
کرتا ہو۔ تو ہر نبی کا فرض ہے کہ وہ آخری نبی یعنی حضور سرورِ کائنات جناب
محمد مصطفےٰ پر ایمان بھی لائے اور ضرور بالضرور مدد کرے۔ اس کے بعد خدا
نے پوچھا اے انبیاء ربانی تم مجھ سے اس عہد کا اقرار کرتے ہو یا نہیں۔ تو
انبیاء نے کہا۔ "اقررنا" اے خدا ہم اقرار کرتے ہیں۔ جب تیرا آخری نبی
آئے گا۔ تو ہم ایمان بھی لائیں گے مدد بھی کریں گے۔ خدا نے پوچھا۔ اے
عہد کرنے والے انبیاء تم نے یہ سمجھ کر عہد کیا ہے۔ کہ یہ تم خدا سے عہد کر
رہے ہو۔ کہا ہاں ہم نے عہد کیا۔ تو خدا نے کہا۔ اے انبیاء تم بھی اپنے عہد
پر گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا عہد
نامہ نہ ہوگا۔ جس میں عہد لینے والا خدا ہے۔ عہد کرنے والے کتاب اور
حکمت پانے والے انبیاء ہیں۔ عہد پر اقرار بھی ہے۔ گواہی بھی ہے۔ خدا بھی
گواہ ہے۔ انبیاء بھی گواہ ہیں۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ خدا عہد لے اور بیکا نہ
جانتے ہوئے۔ انبیاء عہد کریں اور پورا نہ کریں۔ تو اگر خدا عہد لے انبیاء عہد
کریں اور وہ معاہدہ نہ پورا ہو۔ تو ہم بھی سوچیں گے کہ ہم نے آپ سے دعا

کیا اور پورا نہ کیا۔ تو کوئی بے حجابات نہیں ہوگی۔ دنیا میں اسلام کی ساکھ ختم ہو جائے گی اگر یہ معاہدہ پورا نہ ہو۔ پیغمبر ختم المرسلین کے لئے عہد ہے کہ انبیاء آپ پر ایمان بھی لائیں گے اور آپ کی مدد بھی کریں گے۔ اب تاریخ پڑھئے۔ معاہدہ پر عمل ہوا یا نہیں۔ جناب آدمؑ سے لے کر جناب عیسیٰؑ تک ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیؑ آئے۔ سب آ کے دنیا سے چلے گئے۔ اور جب وہ چلے گئے تب وہ نبیؐ آئے جن پر ایمان لانے کا مطالبہ تھا۔ معاہدہ نہیں پورا ہوا۔ اس لئے کہ جب انبیاء اور کائنات جمع نہیں ہوئے تو کیسے ایمان لائیں اور کیسے مدد کریں۔ اے خدا تو نے عہد لیا اور یہ عہد معطل رہے گا۔ عہد معطل رہے گا تو نبوتیں بے کار ہو جائیں گی۔ مذہب بیکار ہو جائے گا۔ میرے انبیاء آپ نے عہد لیا ہے کیا پورا کریں گے انبیاء نے کہا خدا نے ہم سے یہ کہا تھا، جب تمہارے پاس رسولؐ آئے تب ایمان لانا۔ جب تمہارے پاس رسولؐ آئے تب مدد کرنا۔ ہم دنیا میں منتظر رہے۔ اگر محمد مصطفےٰؐ آتے، ہم ضرور ایمان لاتے، ہم ضرور مدد کرتے۔ مگر جب پیغمبرؐ آئے نہیں تو ہم کیا کرتے انبیاء تو بچ گئے۔ اس لئے کہ شرط نہیں پوری ہوئی۔ میں نے کہا پالنے والے انبیاء کی موجودگی میں آخری رسولؐ کو بھیجنا نہیں تھا تو تو نے عہد کیوں لیا۔ اللہ نے کہا گھبراتے کیوں ہو۔ مجھ پر ذمہ داری ہے۔ لہٰذا یا تو میں محمدؐ کو وہاں پہنچاؤں، جہاں انبیاء ہیں۔ یا انبیاء کو وہاں پہنچاؤں جہاں میرا پیغمبرؐ ہے اب سمجھ میں آیا کہ معراج کیوں ضروری تھی۔ یہ معراج اس لئے ضروری تھی کہ خدا پہ قرض تھا کہ جہاں انبیاء ہو آسمان کے اوپر ہیں۔ وہاں محمدؐ کو بلائے تاکہ معاہدہ

پہلا بجد۔ اب آدمؑ نے ملاقات کی آواز دی "السلام علیکم یا رسول اللہ" نوحؑ نے نے دیکھا آواز دی "السلام علیکم یا رسول اللہ" پیغمبر و انبیاء کی بزم سے گذر رہے جا رہے ہیں۔ ہر نبی ہر رسول سلام کرتا جا رہا ہے۔ اور عہد ابھی پورا ہوتا جا رہا ہے صلوات معلوم ہوا اگر معراج نہ ہوتی تو اتنا بڑا معاہدہ معطل ہو جاتا۔ پیغمبروں کی نبوتیں بیکار ہو جاتیں۔ خدا کی خدائی پہ دھبہ آتا۔ مگر میرے مسلمان بھائی سمجھنے کا موقع اب آیا۔ معراج کی رات دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہوئی تھی۔ ایک شرط نہیں پوری ہوئی۔ عہد تھا دو باتوں کا۔ مدد بھی کروگے، ایمان بھی لاؤگے۔ نبی جب معراج کی رات آسمانوں میں گئے۔ انبیاء نے سلام کیا۔ ایمان لائے۔ مگر وہاں نبی کا کوئی دشمن تھا ہی نہیں۔ جس کے مقابلہ کے لئے مدد کی ضرورت ہوتی۔ غرض کہ آدھا معاہدہ پورا ہوا اور آدھا نہیں پورا ہوا۔ اب تو رسول جس کے لئے معاہدہ تھا وہ دنیا سے بھی چلا گیا۔ اب معاہدہ کیسے ہو۔ سنئے ایک بات کہتا ہوں۔ آج ہندوستان اور اس کے پڑوسی ملک میں معاہدہ ہو جائے۔ ہم میں سے کسی پہ کوئی دشمن حملہ کرے گا تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ پڑوسی ملک پر حملہ ہو تو جو میرا وزیر اعظم ہے وہ اگر مدد کرنے کے لئے جائے تو معاہدہ پورا ہوا یا نہیں۔ میرے ملک پہ حملہ ہو تو پڑوسی ملک کا جو وزیر اعظم ہے وہ مدد کرنے آئے تو معاہدہ پورا ہوا یا نہیں۔ مگر مشکل اور بھی ہے۔ میرے پڑوسی ملک پہ دشمن نے حملہ کیا، پورے ملک پہ حملہ نہیں کیا۔ بلکہ ایک صوبے پہ حملہ کیا۔ اس صوبہ کا گورنر دشمن سے لڑنے نکلا۔ اس صوبہ سے ملا ہوا میرے ملک کا ایک صوبہ ہے میرے

صوبہ کے گورنر نے پڑوسی صوبہ کے گورنر کی مدد کر دی۔ دنیا میں کیا کوئی سمجھنے والا ہے۔ جو کہے کہ معاہدہ پورا نہیں ہوا۔ معلوم ہوا جن میں معاہدہ ہو۔ اگر وہ ایک دوسرے کی مدد کریں جب بھی معاہدہ پورا ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کے نائب کی مدد دوسرے کا نائب کر دے تب بھی معاہدہ پورا ہو جاتا ہے۔ میں مسلمانوں سے پوچھوں گا۔ اگر آپ کی بات مان لوں کہ دنیا میں اب کوئی محمدؐ باقی نہیں ہے۔ اگر میں مان لوں کہ میرا بارھواں امام زندہ اور موجود نہیں جو آخری تصویر محمدؐ ہے۔ وہ دنیا میں نہیں۔ تو یہ معاہدہ کیسے پورا ہوگا بجائے میرے مذہب کے مسلمانوں کا کوئی مذہب نہیں ہے جو اس اہم معاہدہ کو پورا کرنے والا عقیدہ رکھتا ہو۔ صلوات۔ جناب آدمؑ نے انتظار کیا کہ پیغمبر آئیں تو ایمان لاؤں اور مدد کروں۔ جب دنیا سے جانے لگے تو اپنے نائب شیثؑ سے کہتے گئے۔ میں نے وعدہ کیا تھا مگر میرے سامنے محمدؐ نہیں آئے۔ تمہارے سامنے آئیں تو ایمان بھی لانا اور مدد بھی کرنا۔ اپنی طرف سے بھی اور میری طرف سے بھی۔ دنیا میں ہر نبیؑ انتظار کرتا رہا۔ نبیؐ آئیں تو ہم مدد کریں۔ جب نبیؐ نہیں آئے تو مرجاتے ہوئے نبیؑ نے اپنے وصی سے کہا۔ تم بھی مدد کرنا اور میری طرف سے بھی مدد کرنا۔ یہاں تک کہ جب جناب عیسیٰؑ ابن مریم آئے۔ اگر جناب عیسیٰؑ ابن مریم کا بھی انتقال ہو جاتا تو پھر انبیاء کا کوئی نائب نہ رہ جاتا۔ لہٰذا خدا نے جناب عیسیٰؑ کی زندگی بچا لی، ان کو آسمان پہ بلا لیا۔ اور اپنی حفاظت میں رکھا ہے یہ حضرت عیسیٰؑ نہیں رہے بلکہ یہ سارے انبیاء کے نائب ہیں۔ یہ بھی زندہ رہتے تو شہید کر دئے جاتے

نائب بند رہ جاتا۔ میں نے سوچا جب حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰؐ دنیا
میں آئیں گے۔ تو جناب عیسیٰؑ بھی دنیا میں آئیں گے ایمان بھی لائیں گے اور مدد بھی
کریں گے۔ مگر میں تاریخ پڑھ کر حیران رہ گیا میرا پیغمبرؐ آیا اور دنیا سے چلا
گیا مگر عیسیٰؑ نہیں آئے۔ اب اگر عیسیٰؑ زمین پر آئیں بھی تو بے کار اس لئے
کہ جس کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔ وہ پیغمبرؐ تو جا چکا۔ لہٰذا اب اگر کوئی نائب
محمدؐ نہیں ہے تو نائب انبیاء کس کی مدد کریں گے۔ معاہدہ تب ہی پورا ہو سکتا
ہے جب یہ تسلیم کیا جائے۔ عیسیٰؑ زندہ ہیں یعنی انبیاء کے نائب زندہ ہیں۔
تو گویا امام زندہ ہیں۔ یعنی نائب محمدؐ زندہ ہیں۔ جب ظہور کریں گے جناب عیسیٰؑ
اور ایمان بھی لائیں گے مدد بھی کریں گے۔ اور خدا سے کیا ہوا انبیاء کا معاہدہ بھی پورا ہو جائے گا۔
ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں قرآن قصے کہانی کی کتاب نہیں ہے قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔
مگر اس میں قصے بیان ہوئے ہیں تو ان کا مقصد بھی ہدایت ہے۔ اب ایک
قصے کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اصحاب کہف جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ اور
جو نہیں جانتے انہیں مختصر طور پر سناتا ہوں۔ ایک جابر بادشاہ تھا۔ جو اپنے سجدے
کرواتا تھا۔ کچھ اللہ کے ماننے والے تھے۔ انھوں نے دین بچانے کے لئے۔
ملک چھوڑ کر غار میں پناہ لی۔ خدا نے ان پر نیند طاری کر دی۔ دشمن پیچھے
پیچھے آیا۔ ان کو مردہ سمجھ کر چلا گیا۔ کئی سو سال تک سو کے رہ گئے۔
ایک مرتبہ اٹھے۔ باہر گئے۔ اور پھر آکر سو گئے۔ قرآن کہتا ہے یہ اصحاب
کہف اللہ کی نشانی ہیں۔ واقعہ آپ کو معلوم ہے۔ اور اتنا اہم واقعہ ہے
کہ اس کے نام کا سورہ کہف ہے۔ جو آپ کو سورہ کہف میں ملے گا۔ پا سکے

والے تو نے ان کو موت کیوں نہ دے دی۔ یہ کیا راز ہے کہ زندہ بھی ہیں اور
صدیوں سے غار میں سو بھی رہے ہیں۔ خدا نے کہا یہ میری نشانی ہیں۔ انھیں
میں غار سے نکالوں گا دنیا کو دکھاؤں گا۔ میں سمجھا کہ جب جناب عیسیٰؑ
آ جائیں گے تب یہ اصحاب کہف نکلیں گے۔ کیونکہ جب بڑا سا نبیؑ آئے گا۔
تب یہ غار سے نکالے جائیں گے۔ جناب عیسیٰؑ آ گئے اور اصحاب کہف تو
غار سے نہیں نکلے۔ پھر مجھے خیال آیا۔ ابھی نہیں نکلیں گے۔ اس لئے کہ
حضرت عیسیٰؑ سے بڑے آخری نبیؐ آنے والے ہیں لہٰذا جب پیغمبرؐ آئیں
گے تب اصحاب کہف غار سے نکلیں گے۔ کہ جو سب سے بڑے نبیؐ
ہیں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ مگر میرے مسلمانو! مجھے بتاؤ۔ میرے
نبیؐ دنیا سے آ کے چلے گئے۔ یہ غار میں سونے والے اصحاب کہف ابھی
تک سو رہے ہیں۔ اب کوئی نبیؐ نہیں آنے والا ہے تو اگر نبیؐ کا کوئی کام
بھی کرنے کو باقی نہیں تو یہ اصحاب کہف کس کے انتظار میں سو رہے ہیں۔
ان کا سونا دلیل ہے کہ آخری محمدؐ کے انتظار میں ہیں۔ کہ جب آخری محمدؐ نکلیں
تو وہ غار سے نکل کے آئیں مدد کرنے کے لئے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔
اصحاب کہف کے واقعے پر ایمان رکھنے والا مسلمان اب مجھ سے نہیں
پوچھے گا کہ تمھارے امام کتنے دن تک زندہ کیسے ہیں۔ جب سوتے ہوئے
اصحاب کہف ہزاروں سال زندہ رہ سکتے ہیں تو جاگتا ہوا امام کیوں
زندہ نہیں رہ سکتا۔ امام کی عمر پہ حیرت نہیں ہے۔ خدا کی قدرت پہ حیرت
ہے۔ میں کب کہتا ہوں میرا امام زندہ ہے میں تو کہتا ہوں کہ میرے

خدا نے میرے امام کو زندہ رکھا ہے۔ اب جو انکار کرے وہ یہ نہ کہے کہ امام زندہ
نہیں رہ سکتا بلکہ یہ کہے کہ خدا زندہ نہیں رکھ سکتا۔ جو خدا کی قدرت کا انکار کرے گا
وہ امام کی عمر کا انکار کرے گا۔ جو خدا کی قدرت پر ایمان لائے گا وہ امام کی عمر
پر ایمان لائے گا۔ صلوات۔ یہ صحیح مذہب دین ہے جسے حضور سرور کائنات نے
پیش کیا اور جس کے مستقبل کو محفوظ رکھنے کے لیے انھوں نے صرف علیؑ
انتظام نہیں کیا بلکہ ان بارہ اماموں کا انتظام کیا تھا جو قیامت تک قائم
اور باقی رہیں گے۔ معلوم ہوا ان کی قیادت پر اسلام کا مستقبل محفوظ ہے۔ تو
جن کی قیادت پر اسلام کا مستقبل محفوظ ہے۔ ان کو بھی قیامت تک باقی رہنا ہوگا
سب ہی مذہب باقی رہے گا۔ اور بیان کو کل کے لئے ملتوی کرتے ہوئے اتنا
کہنا چاہتا ہوں کہ پیغمبرؐ جب دنیا سے سفر آخرت اختیار کر رہے تھے ان
کے پیش نظر تھا کہ امت نے جناب ابراہیمؑ، جناب موسیٰؑ، جناب عیسیٰؑ کا
دین بدلا۔ مگر پیغمبرؐ سکون سے سفر آخرت اختیار کر رہے تھے۔ آپ کو
یقین تھا کہ مسلمان دین بدلیں گے۔ لیکن جب تک میرے اہلبیتؑ دنیا میں
باقی ہیں۔ میرا دین باقی رہے گا۔ تو نبیؐ اہلبیتؑ کے سہارے دنیا سے پرسکون
رہے تھے۔ میں تاریخ کے آئینے آپ کے سامنے رکھوں کہ نبیؐ کی توقع
پوری ہوئی یا نہیں۔ نبیؐ کے ٹھیک پچاس سال کے بعد یزید پیدا ہوا۔ جس نے
دین محمدؐ بدل ڈالا۔ وہ دین جس میں نماز کا حکم تھا اب اس کا خلیفہ وہ امیرالمومنین
نمازیں قضا کر رہا تھا۔ جس دین میں جوا حرام تھا۔ اب اس دین کا خلیفہ جوا کھیل
رہا تھا۔ جس دین میں محرم عورتوں سے شادی حرام تھی۔ اس دین کا جو امیرالمومنین

بن بیٹھا تھا۔ وہ بیٹی اور بیوی کو برابر کر رہا تھا۔ سوچیے دینِ محمدؐ دینِ یزید بن کر بگڑ رہا تھا کہ نہیں۔ قرآن موجود تھا مگر یزید کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ اگر حسینؑ زندہ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ حسینؑ نے قربانیاں دے کر دین کو زندہ کیا۔ دین کو صرف زندہ نہیں کیا۔ بلکہ پیغمبرؐ نے جو دین کے مستقبل کو محفوظ رکھنے کے لیے آلِ محمدؐ پر اعتماد کیا تھا۔ واقعہ کربلا نے بتایا کہ نبیؐ نے جو سوچا تھا۔ جب وقت آیا تو آلِ محمدؐ نے وہی کر دکھایا۔ یزید کے مقابلے میں حسینؑ کی قربانیاں اور چھینے جانے والے دین کا قربانی دے کے بچا لینا ثابت کرتا ہے کہ نبیؐ نے اگر اپنے اہلبیتؑ پر اعتماد کیا تھا کہ جب تک یہ رہیں گے۔ تب تک دین نہیں بگڑنے پائے گا۔ نبیؐ کا اعتماد صحیح تھا۔ اور اگر اعتماد کے بعد نبیؐ یہ کہہ دیتے ہیں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ تو نبیؐ کچھ زیادہ نہیں کہہ رہے تھے بلکہ ایک سچی بات کہہ رہے تھے کہ اگر میں نہ ہوتا تو اسلام نہ آتا۔ اور اگر حسینؑ نہ ہوتا تو دنیا میں اسلام کا نام نہ رہ جاتا۔ حسینؑ نے بڑی محنت سے اسلام کو بچایا۔ میں سب سے کہنے کا حق تو نہیں رکھتا۔ لیکن جن دلوں کو محبت ہے حسینؑ سے اور ایسی محبت ہے کہ نام حسینؑ سنتے ہی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں۔ ان سے مجھے کہنا ہے۔ میرے پیارے بھائیو! یہ دین بڑا قیمتی ہے۔ اسے حسینؑ نے بڑی محنت سے بچایا ہے۔ اس کے لیے اصغرؑ کا خون دیا ہے۔ اس کے لیے اکبرؑ کا خون دیا ہے۔ اس کے لیے عباسؑ کا لہو دیا ہے۔ اس کے لیے زینبؑ کے آنسو دیے ہیں۔ اس کے لیے سید سجادؑ کی بے کسی دی ہے

حسینؑ کے پاس جو کچھ تھا سب کچھ دے کر اسلام بچایا ہے۔ اور بچا کر ہم تک بھیجا ہے۔ اے حسینیو! اسلام نہیں ہے یہ امانت ہے، امانت۔ کس کی کس کی امانت۔ زینبؑ کی امانت، معصوم اصغرؑ کی امانت، جری عباسؑ کی امانت، ہم شکل پیغمبرؐ کی امانت۔ اور اگر ہم نے اپنے زمانے میں دینِ حسینؑ کو مضمحل ہونے دیا۔ تو کل قیامت میں ہم سے فاطمہؑ پوچھیں گی۔ میرے نام لینے والو! اے میرے بچوں کا ماتم کرنے والو! تمہارے سامنے دین مختار ہے جسے حسینؑ نے اپنے بچوں کو لٹا کے بچایا تھا اور تم دیکھتے رہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے۔ اور دینِ حسینؑ کو باقی رکھیں۔ امام پردۂ غیب میں ہے۔ یعنی آفتاب ہدایت پردۂ مغرب میں ہے۔ جیسے سورج ڈوبتا ہے۔ ویسے ہی ہر روشنی کا بندہ اپنی اپنی طاقت بھر ہر جگہ اپنے ماحول میں روشنی کرتا ہے۔ جو غریب ہے وہ چراغ جلاتا ہے۔ جو امیر ہے وہ بلب جلاتا ہے۔ مگر کچھ وہ ہوتے ہیں جو سڑک پر چراغ جلا کے روشنی کرتے ہیں۔ کیونکہ جو نور کا مرکز تھا وہ رات بھر کے لئے چھپا ہے۔ تو جب تک وہ آتا نہیں، تب تک روشنی کے پجاری کا فرض ہے کہ جہاں تک اسکی طاقت ہے وہاں تک روشنی کو باقی رکھے۔ اب ہم سے نہ پوچھو کہ تم ہر جگہ مجلس کیوں کرتے ہو۔ پہلے اپنے سے پوچھو کہ رات جب آتی ہے، سورج جب غروب ہوتا ہے۔ یہ گھر گھر چراغ کیوں جلاتے ہو۔ چوراہے چوراہے روشنی کیوں ہوتی ہے جواب ملے گا۔ سورج کے نکلنے تک ہمیں نور کو قائم رکھنا ہے۔ تو ہم سے بھی جواب سنئے۔ جب تک امامؑ کا ظہور نہیں ہوتا

ہم جگہ جگہ مجلسیں کر رہے ہیں یعنی آلِ محمدؐ کی روشنی کو باقی رکھ رہے ہیں۔ یہ وقت
مجھ سے کہتا ہے کہ چند فقرے مصائب کے پڑھ دوں۔ اس لئے میرے
دوستو! اب ربط کا مطالبہ بھی مجھ سے نہ کرو۔ آج صرف اتنا سن لو کہ نو
محرم کی رات ہے۔ یہ رات وہ رات ہے۔ جب آپ خاص طور سے
ایک جوان کا ماتم کرتے ہیں۔ وہ جوان جو صورت میں سیرت میں رفتار
میں گفتار میں پیغمبرؐ سے مشابہ تھا۔ نام تھا علیؑ۔ اور یہ حسینؑ کی محبت تھی
لئے باپ سے اپنی ماں سے۔ دونوں بیٹیوں کا نام فاطمہؑ رکھا۔ تین بیٹے
تھے تینوں کا نام علی رکھا۔ تینوں کا نام علیؑ ہے تو پہچانے کیسے جائیں
جو کربلا میں بچے وہ علیؑ ابن الحسین زین العابدینؑ کے نام سے مشہور ہو گئے۔
کربلا میں دو علی شہید ہو گئے۔ ایک چھوٹے علیؑ جو گود میں تھے۔ ایک
اٹھارہ سال کے علیؑ۔ لہٰذا دونوں کے نام سمجھنے کے لئے چھوٹے کو علی اصغرؑ
کہا جاتا ہے۔ اور بڑے کو علیؑ اکبر کہا جاتا ہے۔ پانچ منٹ مصائب
پڑھوں گا۔ مگر میرے دوست۔ میرے دوست نہیں حسینؑ کے دوست
توجہ سے سن رہے ہیں تو اس پانچ منٹ میں حسینؑ کے کڑیل جوان
یوں انشاء اللہ ماتم ہو جائے گا کہ حسینؑ بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے
لگے۔ جب جناب عباسؑ بھی نہ رہے۔ جب کوئی نہ رہا۔ اور خیمہ کی طرف رخ
کر کے کہا حسینؑ نے کہ کسی کو بھیجو۔ تو اکبرؑ چلے۔ اکبرؑ چلے تو بیبیوں نے روکا۔
بہنوں نے روکا۔ ماں نے روکا۔ پھوپھیوں نے روکا۔ سب سے رخصت ہو
کے چلے۔ آئے باپ سے رخصت ہونے۔ باپ سے جب رخصت ہونے

چلے۔ تھوڑی دور اکبرؑ چلے تھے کہ ایک مرتبہ اکبرؑ کے کان میں آواز آئی جیسے کوئی پیچھے پیچھے دوڑتا آرہا تھا اور گر پڑا۔ اکبرؑ نے نوجوان اکبرؑ نے مڑ کے دیکھا تو گرنے والا کوئی اور نہیں تھا اکبرؑ کا بوڑھا باپ حسینؑ تھا۔ جس کی کمر عباسؑ کا غم توڑ چکا تھا۔ باپ کو ٹھوکر کھا کر گرتے دیکھا۔ گھوڑا موڑے رکے اور ہاتھ جوڑے۔ میرے بابا آپ کو دادی کی قسم پلٹ جائیے۔ کہا اچھا بیٹا میں پلٹ جاتا ہوں۔ مگر اے اکبرؑ تجھے کیسے بتاؤں۔ تجھے ابھی اللہ نے اولاد نہیں دی۔ کہ باپ کا دل اولاد کے لئے کتنا بے چین ہوتا ہے! اے لال اکبرؑ اتنا کرنا جب تک میرا سامنا رہے۔ تب تک مڑ مڑ کے پیچھے دیکھتے رہنا۔ اکبرؑ گئے اور لڑے۔ زخمی ہوئے۔ کیسے زخمی ہوئے۔ میرے دوستو! سُن لو۔ پھر دیکھوں وہ کون انسان ہے جو سینے میں انسان کا دل رکھتے ہوئے نہیں روتا ہے۔ اکبرؑ کربلا کے میدان میں آگئے۔ یعنی نبیؐ کی صورت کربلا میں آئی۔ علیؑ کی ہیبت کربلا میں آئی، حسنؑ کا جگر کربلا میں آیا۔ حسینؑ کا دل کربلا میں آیا۔ عباسؑ کی شجاعت کربلا میں آئی۔ ایک مرتبہ تلوار اور نیزہ سنبھال کے اکبرؑ نے آواز دی میں ہوں فرزند حسینؑ۔ کون ہے پسر سعد کی فوجوں میں جو یہ سمجھتا ہے کہ حسینؑ کا سر کاٹ لے گا۔ پہلے فرزند حسینؑ کا سر کاٹ لے۔ تب میرے باپ کے سر کی تمنا کرنا۔ آستین سمیٹ کے علیؑ اکبرؑ نے، پیاسے علیؑ اکبرؑ نے جو تلوار سنبھالی تو لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ سر اتنے کٹے تھے کہ راستہ نہ ملتا تھا، خون اتنا بہہ رہا تھا کہ گھوڑے کے قدم اس میں آلودہ ہورہے تھے۔ جدھر

میرا نوجوان رُخ کرتا تھا۔ اُدھر سے الاماں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ پسر سعد گھبرا گیا، شمر کو بلایا۔ مشیروں کو بلایا۔ اکبرؑ سے کیسے جنگ کی جائے۔ کہا تو بھول گیا یہ اکبرؑ اکبرؑ نہیں ہیں۔ یہ عباسؑ کے بھتیجے ہیں۔ بشیر کا بھتیجا شیر ہوتا ہے۔ کہا پھر۔ کہا عباسؑ کے جب تک ہم نے شانے نہیں کاٹ لیے تب تک عباسؑ ہمارے قابو میں نہیں آئے۔ اکبرؑ بھی قابو میں نہیں آئیں گے۔ کہا پھر کیا کیا جائے۔ کہا جیسے دھوکے سے عباسؑ کے شانے کاٹے ہیں۔ ویسے ہی دھوکے سے اکبرؑ پر بھی حملہ کرو تب ہی کامیابی ممکن ہے۔ منصوبہ بنا کہ فوج کا ایک دستہ للکار کے اکبرؑ کی طرف بڑھے۔ اور جب اکبرؑ شجاعت کے جوش میں اُدھر حملے کے لیے بڑھیں۔ تو وہیں قریب میں کوئی آڑ میں نیزہ تانے کھڑا رہے۔ منصوبہ بن گیا۔ فوجی دستے نے بڑھ کر للکارا۔ ادھر سے پوری طاقت سے اکبرؑ بڑھے حملہ کرنے کے لیے۔ ادھر سے ظالم نے پوری طاقت سے اکبرؑ کے سینے پر نیزہ مارا۔ اب جو نیزہ پڑا تو زخم پیدا ہوا، مگر کیسا زخم، ایسا گہرا زخم کہ سینے کی ہڈیوں نے جگہ دے دی۔ نیزہ کا پھل آگے بڑھا جسے کلیجے نے بڑھ کر چوم لیا۔ اسے میں کہاں سے الفاظ لاؤں۔ جو بتاؤں زخم کیسا گہرا تھا۔ قاتل نے جب نیزہ نکالنا چاہا تو نیزہ ٹوٹ گیا۔ پھل نہیں نکل سکا۔ جب کلیجے میں نیزہ کا پھل رہ گیا۔ اور سینے سے خون کا فوارہ ابلا گھوڑے سے گرتے ہوئے اکبرؑ نے آواز دی بابا آخری سلام۔ حسینؑ کے کان میں اکبرؑ کی آواز پہنچی۔ ہاں میری بہنو! اور بھائیو! سُنو اور حق تھام

ادا کرو۔ اکبرؑ کی آواز سن کر حسینؑ چلے۔ کیسے چلے۔ راستے نظر نہیں آتا تھا
جب گرتے تھے پکارتے تھے یا علیؑ یا علیؑ۔ اور بچپنے کے علیؑ کو پکارتے
تھے، اٹھانے کے لئے اور کربلا کے علیؑ اکبرؑ کو پکارتے تھے کہ بیٹا کدھر ہو۔
اکبرؑ آواز دیتے تھے بابا ادھر ہوں بابا ادھر ہوں۔ حسینؑ اکبرؑ کی آواز سنتے سنتے
اکبرؑ کے پاس پہنچے۔ اور بوڑھے باپ نے کیا کیا منظر دیکھے۔ پہلے زمین دیکھی
جہاں نوجوان نے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ باپ کی نظر آگے بڑھی تو اکبرؑ کے
کرتے کا وہ دامن دیکھا جو سینے کے خون سے لال تھا۔ نظر آگے بڑھی سینہ
دیکھا۔ سینے میں زخم دیکھا۔ زخمی کلیجہ دیکھا۔ نیزہ کا پھل دیکھا تو بوڑھا باپ
زمین کربلا پر بیٹھ گیا۔ کہا بیٹا کیا حال ہے کہا بابا کلیجے میں نیزہ بڑی تکلیف
دے رہا ہے۔ دنیا کا عظیم ترین انسان کربلا کے میدان میں سب سے
بڑا امتحان دینے کے لئے بیٹھا۔ کیسا امتحان؟ کہ ابراہیمؑ نے دیکھا تو جنت
چھوڑ کر آئے۔ حسینؑ جب اکبرؑ کے سینے کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھے تو
جنت خالی ہو گئی۔ سارے انبیاء کا مجمع کربلا کے میدان میں سمٹ آیا۔
روضہ چھوڑ کے رسولؐ آئے۔ مدینہ سے شکل کے ماں آئیں۔ نجف سے علیؑ
آئے، بقیع سے حسنؑ آئے، ملائکہ کا مجمع، عالم میں سناٹا تھا۔ زمین کربلا
کانپ رہی ہے اللہ اللہ کا بندہ حسینؑ ایک بڑا امتحان دینے کے لئے
بیٹھا ہے۔ آگے کیسے بتاؤں۔ میرا تصور کہتا ہے چاروں طرف ملائکہ،
ان کے بیچ میں انبیاء حسینؑ کے پاس رسولؐ و علیؑ، فاطمہؑ و حسنؑ، اکبرؑ کے
زخمی سینے کے پاس حسینؑ۔ ماں نے کہا بیٹا دل سنبھال لے، میرے

دشمنوں کو نانا کا اثر دکھا دے۔ حسنؑ نے آواز دی۔ بھائی گھبرانا نہیں۔ نانا نے کہا میری زبان کا اثر دکھا دینا۔ باپ نے کہا حسینؑ، ارے میرا جگر دکھا دے۔ بس ایک مرتبہ حسینؑ نے آستین اُلٹی اکبرؑ کے زخم میں ہاتھ ڈالا۔ نیزے کا پھل پکڑا۔ اور کہا یا علیؑ۔ اب جو نیزہ کا پھل نکالا تو کلیجہ نکل آیا۔ خون ابلنے لگا۔ اکبرؑ سے حسینؑ لپٹ گئے۔ ارے بیٹا۔ ارے بیٹا۔ اکبرؑ کہہ رہے تھے بابا خدا حافظ۔ دادا جام کوثر لے کر آ رہے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہٗ

مجلس ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم الخ

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں جو سلسلۂ کلام شروع کیا تھا آج وہ اپنی آخری منزل پر ہے۔ میں نے آپ کے سامنے پچھلی تقریروں میں بڑی تفصیل کے ساتھ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفٰے کی داستانِ رسالت بیان کی۔ وہ جس مذہب کو لے کر آئے اس کا فلسفہ پیش کیا۔ کیونکہ اسلام لینے کے جذبے کو سمجھنے کے بعد یہ پتہ چل کر انسان سے برائی چھڑا کر بھلائی کی طرف بڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کو بھی بیان کیا۔ میں نے آپ کے سامنے نقشہ بھی رکھا کہ پیغمبر کتنے تاریک میں تبلیغ کرنے آئے تھے۔ اور اس کے بعد یہ تصویر بھی آپ کے سامنے رکھی کہ پیغمبر کی محنتوں سے اسلام اس حد تک بڑھا اور پروان چڑھا۔ اس کے بعد میں نے مسلسل آپ کے سامنے پچھلے کئی دن سے جس مسئلے کو چھیڑ رکھا تھا وہ یہ تھا کہ پیغمبر کو اسلام پھیلانے کے ساتھ اسلام کی تشریح کرنے کے ساتھ، اسلام مستقبل میں محفوظ رہے اس کی بھی فکر تھی اور پیغمبر نے اس فکر کے ساتھ ایک منصوبہ تحفظ مرتب کیا تھا۔

میں اس کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے خیبر میں، مباہلے میں اس کا تجربہ کرایا۔ اور کل میں نے یہاں پر اپنا بیان روکا تھا۔ کہ پیغمبرؐ اسلام کو اپنے اہلبیت پر اعتماد اور اعتبار تھا کہ جب تک میرے اہلبیت باقی ہیں۔ تب تک اسلام نہیں مٹنے پائے گا۔ چنانچہ واقعہ کربلا میں حسینؑ نے پیغمبرؐ کے اعتماد کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ آج مجھے یہ کہنا ہے کہ واقعہ کربلا ان باتوں کا ثبوت ہے پیغمبرؐ کو جو یقین تھا کہ میرے بعد اسلام بدلا جائیگا جس طرح جناب عیسیٰؑ و جناب موسیٰؑ و جناب ابراہیمؑ کے بعد ان کے مذہب کے ماننے والوں نے بدل ڈالا تھا۔ پیغمبرؐ کو یقین تھا کہ یہ مذہب بھی بدلا جائے گا۔ واقعہ کربلا میں یزید کے کردار نے ثابت کر دیا کہ پیغمبرؐ جو سوچ رہے تھے وہ صرف وہم اور بدگمانی نہیں تھی بلکہ ایک ہونے والا واقعہ تھا اور مجھے یہ کہتے ہوئے تکلیف بھی ہے کہ جناب ابراہیمؑ کا مذہب بدلا گیا، جناب موسیٰؑ کا مذہب بدلا گیا۔ لیکن جس طرح حضورؐ کے بعد مذہب بدلا گیا، اس طرح کوئی مذہب نہیں بدلا گیا۔ یعنی یہ ہو رہا تھا کہ عیسائیوں نے خدا کے ٹکڑے کر دیئے۔ روح القدس جناب عیسیٰؑ اور خدا کو ملا کر خدا کا تصور قائم کیا۔ لیکن اس کے باوجود بہت سی ان میں بھی باتیں باقی رہ گئیں۔ جو جناب عیسیٰؑ نے انھیں بتائی تھیں مگر یزید کے زمانے میں جو اسلام بدلا اس کا اندازہ یوں لگایئے کہ دنیا کے کسی بدتر سے بدتر خاندان میں، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے گھرانے میں، زمانے کے کسی تاریک ترین دور میں۔ یزید نہیں پیدا ہوا، نہ بت پرستوں میں نہیں پیدا ہوا۔ نہ یہ عیسائیوں میں نہیں پیدا ہوا، یزید

یہودیوں میں، مجوسیوں میں نہیں پیدا ہوا۔ یہ اسلام کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھا کہ یزید مسلمانوں میں پیدا ہوا۔ اور اس کو دنیا نے امیرالمومنین تسلیم کر لیا۔ اس کو جانشین پیغمبر تسلیم کر لیا۔ یعنی وہ یزید جو محل میں جا کے بیٹی اور بہو کو برابر کر دیتا تھا جب تخت پر آ کر بیٹھتا ہے تو حافظ قرآن، مسلمان ری کا قرآن مسلمان، اللہ و رسول کا کلمہ پڑھنے والا مسلمان، یزید کے گرد اد دیکھ کے کہتا ہے۔ تم مومنوں کے امیر ہو، تم مسلمانوں کے خلیفہ ہو، تم نشین محمد مصطفےٰ ہو، میں آپ کے سامنے وفاداری کے لئے اقرار کروں کہ یہ واقعہ ہے کہ شیطان جناب آدمؑ سے ٹکرایا۔ یہ صحیح ہے کہ فرعون جناب موسیٰؑ سے ٹکرایا، نمرود نے جناب ابراہیمؑ پر ظلم کیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی شیطان شیطان تھا، آدمؑ آدمؑ تھے۔ نمرود نمرود تھا، ابراہیمؑ ابراہیمؑ تھے، فرعون فرعون تھا۔ موسیٰؑ موسیٰؑ تھے۔ لیکن آج صورت حال یہ تھی کہ جیسے یہ جانشین پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ تو یہ نہیں تھا کہ ابلیس آدم کو ستا رہا تھا۔ بلکہ ابلیس یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں آدمؑ ہوں۔ یزید جب اپنے کو جانشین پیغمبر کہہ رہا تھا۔ صورت حال یہ نہیں تھی کہ فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل ستائے جا رہے تھے بلکہ صورت حال یہ تھی کہ فرعون یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ موسیٰؑ میں ہوں۔ یہ نہیں ہے کہ یزید کے دور میں جو اسلام بدلا گیا تھا اس کا حاصل یہ نہ تھا کہ نمرود کے عہد میں جناب ابراہیمؑ ستائے جا رہے تھے بلکہ صورت حال یہ تھی کہ نمرود دعویٰ کر رہا تھا میں ابراہیمؑ ہوں اور قیامت اس بات کی تھی کہ جو ماننے والے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ ہاں یقیناً تو

ابراہیمؑ ہے، یقیناً تو موسیٰ ہے۔ یقیناً تو محمد مصطفےٰ ہے۔ ذرا سوچیے کتنا اندھیر تھا! یوں سمجھئے۔ میں جھوٹ بولوں یہ میری برائی ہے۔ جھوٹ بولنے کے بعد مسجد میں آ کے نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوں یہ بڑائی پر جرأت ہے۔ اگر آپ مجھے محراب سے پکڑ کر ہٹا دیں کہ تم جھوٹ بولے ہو۔ اس قابل نہیں ہو کہ نماز پڑھاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی آپ کے ضمیروں میں یہ احساس باقی ہے کہ جھوٹ اور سچ دو الگ چیزیں ہیں اور جھوٹے کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ محراب میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔ مگر جب میں جھوٹ بولوں آپ کے سامنے کھل کر بولوں، اعلانیہ کہہ کے بولوں۔ اور نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہوں۔ اور میرے پیچھے نماز پڑھنے پر کوئی تیار ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جو پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں ان کے ذہن میں جھوٹ کی کوئی برائی باقی نہیں رہ گئی۔ اس چھوٹی سی مثال سے سمجھئے۔ وہ مسلمان کتنا بدل گیا تھا جو یزید کو یہ دیکھ کر کہہ رہا ہے تو امیر المومنین ہے۔ معلوم ہوا دنیا میں اسلام جس طرح بدلا گیا اس سے پہلے کوئی مذہب اتنا نہیں بدلا گیا تھا۔ معلوم ہوا پیغمبرؐ کو صرف خطرہ نہیں تھا بلکہ خطرہ سامنے آ گیا۔ واقعہ کربلا کو جس دوسرے مسئلے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ حسینؑ سے پہلے دین کو زمانے میں اتنا بڑا خطرہ کبھی نہیں پیدا ہوا۔ جتنا حسینؑ کے زمانے میں تھا۔ اس لیے کہ پہلے انبیاء قتل کیے گئے تھے۔ اس سے پہلے بھی اللہ کے نیک بندے قید خانے میں ڈالے گئے لیکن آج تک کبھی یہ نہیں ہوا تھا کہ جو حق کا نمائندہ ہو، اس سے باطل کا نمائندہ بیعت کا مطالبہ

کر رہا ہوں۔ میں اپنے پچھلے جملے پھر سے دہراؤں آپ کے سامنے۔ یعنی جناب آدمؑ کو ابلیس جنت سے نکالنے کی فکر کر رہا تھا۔ مگر ابلیس نے آدمؑ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم مجھے خلیفہ مانو۔ میرے ہاتھ پہ بیعت کر لو۔ نمرود نے جناب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا کہ اگر میرے مذہب کو نہیں مانو گے تو میں تمھیں جلا دوں گا۔ مگر نمرود یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ ابراہیمؑ تم میرے ہاتھ پہ بیعت کر لو کہ میں خدا ہوں۔ انبیاء ستائے جاتے تھے اس لئے کہ ان کا مذہب دنیا نہیں تسلیم کر رہی تھی۔ لیکن باطل نے کبھی حق سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ یہ تاریخ میں پہلا اور آخری موقع تھا۔ جب حسینؑ سے باطل کا نمائندہ بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ حسینؑ کے زمانے میں دین کو جتنا بڑا خطرہ لاحق ہوا تھا نہ اس کے پہلے کبھی اس کے بعد کبھی ایسا خطرہ لاحق ہوا۔ اور حسینؑ نے جس طرح قربانیاں دے کر اسلام کو بچایا ہے یہ اس بات کا اعلان ہے کہ پیغمبرؐ کو آل محمدؐ پہ جو بھروسہ تھا انھوں نے عملاً ثابت کر کے دکھایا کہ جب تک ہمارے بچے بچے کی رگوں میں خون کا ایک قطرہ باقی رہے گا تب تک دین محمد مصطفےٰؐ تباہ و برباد نہیں ہوگا۔ یہاں تک کی باتیں آپ کے سامنے تھیں۔ اب جو تیسری بات کہنا چاہتا ہوں اس کے لئے تو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ نے جب اسلام بدلا گیا اور جب اسلام یزیدی بنایا گیا قربانیاں دے کر اس طرح اسلام کو سچا ثابت کیا جس طرح آل محمدؐ نے مباہلے کے میدان میں نصاریٰ نجران کے سامنے ثابت کیا تھا۔ جب پیغمبرؐ موجود تھے آج بھی واقعہ کربلا اسلام کو مدد کر رہا ہے اگر آپ بھولے نہ ہوں تو میں نے

کل دن پہلے آپ کے سامنے مباہلے کی تفصیل رکھتے ہوئے یہ کہا تھا کہ چہروں کو دیکھ کے عیسائیوں نے کہا تھا کہ وہ چہرے دیکھ رہے ہیں کہ اگر کہہ دیں تو پہاڑ چلتے نظر آئیں۔ یعنی عیسائی اسلام کا کلمہ پڑھنے پہ تیار نہ تھا مگر یہ ماننے پہ تیار تھا کہ جو مباہلے کے میدان میں آئے، ہیں وہ سچے ہیں۔ لوگ یہ نہ سوچیں کہ صرف مباہلے کے میدان سے سچا وہ سچے ہیں لوگ۔ یہ نہ سوچیں کہ صرف مباہلے کے میدان میں سچائی ختم ہوگئی نہیں آج بھی باقی ہے۔ آپ جب چاہیں جس مسلمان کا جی چاہے وہ تجربہ کرے ایک دن آپ یوم حسینؑ مقرر کریں اور حسینؑ کے واسطے میں تقریر کی دعوت دینے عیسائی کے پاس جائیں وہ تقریر کرنے پر تیار رہے۔ ہندو کے پاس جائیں وہ آپ کے ساتھ کھڑے ہو کر حسینؑ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے پر تیار ہے۔ کیونکہ اسے کہئے حسینؑ کے لئے کچھ کہہ سکتے ہو۔ وہ کہے گا بڑی خوشی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں یعنی وہ حسینؑ جو کل مباہلے میں سب سے آگے آگے گئے تھے اور جن کو دیکھ کر عیسائی پکارا تھا کہ سچے ان کا مذہب ہم نہ مانیں مگر یہ سچے ہیں۔ آج اگر اسی حسینؑ کا دن منائے گئے۔ تو دنیا کا ہر انسان چاہے اس کا مذہب و عقیدہ کچھ ہو مگر وہ حسینؑ کی تعریف کر کے بتاتا ہے کہ ہم حسینؑ کا مذہب مانیں یا نہ مانیں مگر مباہلے میں جو حسینؑ سچے نظر آرہے تھے آج بھی ان کا کردار اسی طرح سچا ہے۔ یہاں تک بات آسان تھی۔ اب ذرا مجھے گہرائی میں اترنا ہے کہ عیسائی جب حسینؑ کی تعریف کرتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ محمد عربی نے جو مذہب پیش کیا تھا وہ مذہب برحق تھا اس پر حسینؑ نے جان دی۔

یعنی غیر مسلم جب حسینؑ کی تعریف کرتے ہیں تو حسینؑ کی تعریف بحیثیت مسلمان کے نہیں کرتے کہ حسینؑ اسلام کے ماننے والے تھے لہٰذا قابل تعریف ہیں بلکہ وہ کہتا ہے حسینؑ نے انسانیت کی مدد کی، حسینؑ نے انسانیت کو بچایا۔۔۔ حسینؑ نے قربانیاں دے کر آدمیت باقی رکھی۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ دنیا کہتی ہے، حسینؑ سچے ہیں حالانکہ حسینؑ تب ہی سچے ہوں گے جب وہ اسلام سچا ہوگا جس کی سچائی پر حسینؑ نے جان دی۔ جو حسینؑ کو سچا کہتا ہے وہ دراصل اسلام کو سچا کہتا ہے۔ مگر غیر مسلم جب حسینؑ کو سچا کہتا ہے تو اسلام کا نام نکال دیتا ہے اور کہتا ہے حسینؑ نے انسانیت کی خدمت کی۔ آخر غیر مسلم یہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ اسلام ہی انسانیت ہے لیکن اُس کے سامنے جب اور بگڑے ہوئے اسلام پیش ہوئے تو اس نے کہا۔ اسلام ان جھگڑے فرقوں کا نام ہے۔ اور جہاں حسینؑ نے قربانیاں دی ہیں انسانیت اس کا نام ہے۔ لہٰذا اگر غلط اسلام نہ پیش کیا گیا ہوتا تو آج حسینؑ کا نام سارے مذاہب سے اسلام کی سچائی کی گواہی لے لیتا صلوات۔ لیکن افسوس کی بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ دنیا میں کوئی نہیں ملتا جو حسینؑ کی مخالفت کرے۔ دہریہ حسینؑ کا مخالف نہیں، کیمونسٹ حسینؑ کا مخالف نہیں، لامذہب حسینؑ کا مخالف نہیں۔ کسی مذہب کا ماننے والا ہے حسینؑ کا مخالف؟ حسینؑ کے مخالف غیر مسلموں میں نہیں ہیں، بت پرستوں میں نہیں، عیسائیوں میں نہیں مگر "لا الٰہ الا اللہ" کہنے والوں میں ہیں۔ "محمد رسول اللہ" کہنے والوں میں ہیں۔ قرآن کو سینے سے

لگے۔ حسینؑ کی مخالفت کرنے والے ملیں گے۔ سوچنے کی بات ہے۔ دنیا کے ہر مذہب کا انسان تو حسینؑ کی حمایت کرے اور مسلمان حسینؑ کی مخالفت کرے۔ تو مجھے کہنا پڑتا ہے حسین کربلا کے میدان میں بھی کسی بت پرست سے نہیں لڑتے تھے، کسی مجوسی سے نہیں لڑتے تھے۔ کسی یہودی سے نہیں لڑتے تھے۔ ایک بگڑے ہوئے مسلمان سے لڑتے تھے ـــــ بس، جیسا مسلمان کل کربلا میں حسینؑ سے لڑا تھا ویسا ہی مسلمان آج حسینؑ کی مخالفت کرتا ہے۔ اور مخالفت اس شدت کے ساتھ کی جاتی ہے کہ کوئی سال نہیں گزرتا کہ حسینؑ پر اعتراضات نہ کئے جاتے ہوں۔ حسینؑ کی عزاداری پر مسلسل بوچھار رہتی ہے۔ میں ایک سامنے کی بات رکھوں۔ بمبئی اتنا بڑا شہر ہے۔ سڑکوں پر ہزاروں آدمی ہر وقت چلا کرتے ہیں۔ آپ جب گذریں گے۔ کبھی بچوں کا کوئی جلوس نظر آئے گا۔ کبھی شادی کا جلوس نظر آئے گا۔ دنیا میں اس ہنگامی شہر میں کوئی کسی جلوس پر انگلی نہیں اٹھاتا۔ ہر ایک اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور اگر دس بیس آدمی پاس سے ہو کر کچھ کرتے ہوئے جا رہے ہیں تو دنیا خیال بھی نہیں کرتی۔ لیکن عجب بات ہے کہ اگر پانچ نوجوان لڑکے سینے پر ماتم کرتے ہوئے نکلیں تو لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ میرا خطاب حکومت سے نہیں۔ حکومت کو حسینؑ کے ماتم سے کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ حکومت اس بات کی ذمہ دار ہوتی ہے کہ بدامنی نہ پیدا ہونے پائے۔ جب آپ نکلتے ہیں ماتم کرنے کے لئے تو اس سے پہلے

رک جاتے ہیں حکومت کے پاس شکایت کرنے کہ اگر یہ ماتم کرتے ہوئے
نکلیں گے تو ہم سے جھگڑا ہو جائے گا۔ اب حکومت مجبور ہوتی ہے۔
جھگڑا مٹانے کے لیے ماتم روکے۔ آج ہزاروں جلوس نکلتے ہیں جن میں
ناچ ہوتے ہیں، گانے ہوتے ہیں، ڈانس ہوتے ہیں۔ کسی مسلمان کی
غیرت اسلام نہیں بھڑکتی ہے کہ ان جلوسوں کو جا کے روکے اور یہ کیا کیچ
دل دکھتا ہے۔ مگر جب حسینؑ کا ماتم شروع ہوتا ہے تو دیکھیے کیا شور
مچاتے ہیں۔ میں اپنے نوجوانوں سے خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں تم حسینؑ کے
ماننے والے ہو۔ اور حسینؑ کا کام ہے صبر کرنا۔ کل عاشور کا دن وہ دن
ہے جس دن حسینؑ نے صبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ لہٰذا میرا کوئی بھائی،
میرا کوئی نوجوان قانون توڑ کے آگے نہ بڑھے۔ اگر تمہارے جذبات ماتم
کے پورے ہوتے تو تمہارے لیے حسینؑ کا راستہ ہے۔ جیسے
کربلا میں حسینؑ نے صبر کیا تھا قربانی دے کے۔ ویسے تم اپنے ماتم
کی قربانی دے دو۔ مگر حکومت سے ٹکرا کے قانون کو نہ توڑنا۔ تا کہ دنیا
سمجھ جائے۔ وہ اور ہوتے ہیں اسلام والے جو قانون شکن ہوتے ہیں۔ جو
حسینؑ کے ماننے والے ہوتے ہیں وہ قانون شکن نہیں ہوتے لہٰذا میرے
جوانو! قانون شکنی نہ ہونے پائے۔ اس لیے کہ حسینؑ قانون کی حفاظت
کرتے ہیں، قانون کی مخالفت نہیں کرتے۔ صلوات۔ بڑے ہنگامے
ہوں۔ ادھر مجلس شروع ہوئی ادھر آوازیں شروع ہو گئیں کب تک حسینؑ
کا ماتم ہوتا رہے گا۔ کب تک حسینؑ کی مجلسیں ہوتی رہیں گی۔ جھگڑا ہو گیا

منکر ہوسے ہے۔ صدیاں ہوگئی ہیں۔ واقعہ کربلا کو اب کوئی نئی بات کرو۔ ہمیں کہتے
ہیں سمجھانے کے لئے واقعہ بہت پرانا ہوگیا ہے۔ اب لمبے زبیان کرو
نئی بات کرو میں کہتا ہوں، جب سے واقعہ کربلا ہوا تب ہی سے آپ
روک رہے نئی کر زبیان کرو۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے جتنا پرانا واقعہ
کربلا ہے۔ اتنی ہی پرانی عادت آپ کی ہے کہ واقعہ کربلا کا تذکرہ روکو
آپ پرانی عادت پہلے چھوڑ دیجئے۔ تب ہم سے پرانی عادت چھوڑنے کے
لئے کہئے۔ ہزاروں سال ہوگئے تم منع کرتے آئے۔ نہ کرو۔ نہ روؤ۔ نہ
ماتم کرو۔ تم پرانی عادت چھوڑتے نہیں۔ ہم سے آتے ہو کہنے کے لئے
کہ پرانی بات چھوڑ دو۔ ہر پرانی بات بری نہیں ہوتی۔ اچھی بات اور
بری بات، اس میں نئے اور پرانے کا کوئی سوال نہیں۔ کتنی پرانی باتیں
بری ہوتی ہیں اور چھوڑ دینے کے قابل ہوتی ہیں۔ کتنی نئی باتیں بری ہوتی
ہیں وہ اس قابل نہیں ہوتی ہیں کہ اختیار کی جائیں۔ معیار نیا اور پرانا
ہونا نہیں ہے۔ معیار یہ ہے کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔ اور اگر یہ
مطالبہ ہے کہ ہر پرانی چیز چھوڑ دی جائے تو مجھ سے ابھی یہ کہنا کہ حسینؑ
کی مجلس بڑی پرانی چیز ہے چھوڑ دو۔ کل جب سورج نکلے تو پہلے یہ کوشش
کرو کہ سورج بدل دیا جائے۔ اس لئے کہ حسینؑ کی مجلس تو تیرہ سو سال
سے ہو رہی ہے۔ یہ سورج تو کئی ہزار سال سے نکل رہا ہے۔ مسلمان
پکارے اسے کیسے بدل دیں۔ یہ لاکھ پرانا سہی۔ مگر روشنی تو روز دیتا ہے
تو جو روشنی دے وہ پرانا ہونے کے بعد بھی بدلا نہیں جاتا۔ لہٰذا یہ مجلس

روز روحوں کو روشنی دے رہی ہو۔ وہ پرانی ہونے کے بعد بھی بدلے جانے کے قابل نہیں۔ صلوات۔ سب سے باریک بحث یہ کی جاتی ہے کہ حسینؑ سے محبت کرو۔ یہ میں مخالف وکیل کی وکالت کر رہا ہوں۔ کہا حسینؑ سے محبت کرو۔ ان کے مصائب پڑھو۔ تمہارے دل پر اثر ہوتا ہے تو رو لو۔ مگر غم کا مظاہرہ کیوں کرتے ہو۔ رونا ہے تو دل سے روؤ۔ آنکھوں سے نہ روؤ۔ یہ ایک ایسا نیا فلسفہ ایجاد ہوا۔ کہ دل روئے آنکھیں نہ روئیں۔ بڑا اندازہ ہے۔ کہا ہم منع نہیں کرتے، حسینؑ کا تذکرہ کیجئے حسینؑ سے محبت کیجئے۔ حسینؑ کا غم کیجئے۔ حسینؑ کا ماتم کیجئے۔ مگر اظہار کیوں کرتے ہو۔ سڑکوں پر ماتم کیوں کرتے ہو۔ گھروں میں بیٹھ کے ہائے ہائے کی آوازیں کیوں بلند کرتے ہو۔ سب دل میں رکھئے ظاہر نہ کیجئے کبھی ہم نے کہا جان کا خوف ہو تو مذہب دل میں رکھو ظاہر نہ کرو۔ تقیہ کر لو۔ تو آپ کہنے لگے یہ تقیہ نہیں نفاق ہے جھوٹ بولنا ہے۔ آج جب ہم حسینؑ کا ماتم کرنے لگے تو کہنے لگے۔ دل میں رکھو ظاہر نہ کرو۔ فلسفہ کیوں بدلتا رہتا ہے۔ اصول تو وہ ہے جو اپنی جگہ پہ قائم اور باقی رہے۔ اصول بدلا نہیں کرتے۔ کیسے پہلے میں مثالیں رکھوں۔ کہ اگر دل پر اثر ہوتا ہے، جذبات پر اثر ہوتا ہے کیا اس کے مظاہرہ کو روکا جا سکتا ہے۔ مذہبی بحث بعد میں ہوگی پہلے انسانی فطرت پہ نظر ڈال کر دیکھئے کہ دل و دماغ جس چیز سے متاثر ہو اس کے اظہار کو آدمی روک سکتا ہے یا نہیں۔

ایک ایسی مثال دیکھو جس کا تجربہ ہر ایک کو ہے۔ فطرت کسی چیز سے متاثر ہوتی ہے تو جب تک اثر کو ظاہر نہیں کر لیتی تب تک اس کو چین نہیں آتا۔ آپ میرے ساتھ جا رہے ہیں اور چلتے چلتے ایسے بازار سے گزرے جہاں سڑی مچھلیاں بک رہی تھیں وہاں کی فضا میں بدبو اتنی ہے کہ سانس نہیں لی جاتی۔ بدبو محسوس ہونے کے بعد طبیعت مکدر ہوتی ہے۔ جی متلاتا ہے اور جب تک ایک مرتبہ آپ تھوک نہ لیں گے تب تک آپ کی طبیعت کو چین نہیں آئے گا۔ چاہے آپ وہاں سے آگے بڑھ جائیں۔ جہاں بدبو تھی۔ مگر دماغ پر جو بدبو کا اثر ہوا ہے۔ اس کے خلاف جب تک طبیعت نفرت کا مظاہرہ نہیں کر لیتی۔ اس وقت تک فطرت کو چین نہیں۔ یہ بدبو تو ناک سے سونگھی ہے تھی منہ سے کیوں تھوک رہے ہو کیا ناک نے جو بو سونگھی تھی اس کی خبر دی۔ ناگواری پیدا ہوئی لہٰذا ناگواری کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا کوئی بری چیز سامنے آتی ہے تو ناگواری کے اظہار کے بغیر طبیعت چین نہیں لیتی۔ سو اگر رخ بدل کے خیال سے آپ کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ ایک ایسے مقام پر جہاں خوشبوئیں سلگائی گئی ہیں۔ ہوا معطر ہے۔ ناک میں خوشبو آئی۔ اچھا اب آگے بڑھ جائیے! نہیں بڑھیں گے۔ جب تک ایک گہری سانس نہ لے لیں اور یہ گہری سانس سوچ کر نہیں لی جاتی بلکہ طبیعت خود ایسا کرتی ہے۔ تاکہ خوشبو دل کی گہرائیوں تک پہنچ جائے معلوم ہوا بدبو محسوس کریں گے تو نفرت کے اظہار کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ خوشبو محسوس کریں گے تو بغیر اس کے جذب کیے آگے

نہیں بڑھیں گے۔ فطرت بتا رہی ہے جو اثر ہوگا اس کا اظہار ہو بھی ضرور
ہوگا۔ صلوات۔ دوسری مثال دوں۔ کہا جاتا ہے کہ حسینؑ کو دل سے چاہو
حسینؑ کو دل سے رو۔ ظاہر کیوں کرتے ہو۔ مثال سنیئے۔ دوست
سے ملاقات ہوئی۔ اب دل میں رکھئے دوستی۔ مسکرائیے گا کہ نہیں ہنسی
عزیز کے مرنے کی اطلاع آئی۔ چہرے کا رنگ نہ بدلنے پائے۔ دل
ہی پہ اثر رہے دنیا نے کہا نہیں اگر مسرت ہوگی تو چہرہ سرخ ہو جائے
گا۔ اگر غم ہوگا تو چہرہ بگڑ جائے گا۔ معلوم ہوا فطرت جب تک اظہار
نہیں کر لیتی تب تک راضی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ساری مثالیں ہیں۔ مریض
جب درد میں کراہتے ہیں کیا آہ کرنے سے درد چلا جاتا ہے۔ نہیں درد
تو نہیں جاتا مگر مریض جو درد میں مبتلا ہے جب تک اس درد کا مظاہرہ
آہ کر کے نہیں کر لیتا اس وقت تک درد والے کو سکون نہیں ملتا۔ اسپتال
میں جا کے تم نے نہیں کہا۔ درد ہے تو دل میں رکھو۔ کراہو نہیں۔ ہم سے
تک کہتے ہو۔ تمہارے دل پر کربلا کے بہتر شہیدوں کا غم ہے۔ مگر
کراہنا نہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے۔ جسمانی درد پر کراہنے کی اجازت
ہے اور روحانی کرب پر کراہنے کی اجازت نہیں۔ مذہبی مثالیں بہت سی
ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ کل جناب ابراہیمؑ نے جو قربانی دی تھی اس
قربانی میں جناب اسمٰعیلؑ اور جناب ہاجرہ نے بھی حصہ لیا تھا۔ آج تک
خدا نے حج کی شکل میں اس قربانی کی یادگار باقی رکھی ہے جو جناب ہاجرہ
نے کیا تھا وہ بھی حاجی کو کرنا پڑتا ہے۔ جو جناب ابراہیمؑ نے کیا تھا وہ بھی

حاجی کو کرنا پڑتا ہے۔ جو جناب اسمٰعیل نے کیا تھا وہ بھی حاجی کو کرنا پڑتا ہے
مجھ سے آپ کہتے ہیں کہ مظاہرۂ غم نہ کرو۔ کربلا کی یادگار نہ مناؤ۔ خدا سے
بھی جا کے کہو۔ پالنے والے تیرے بندے ابراہیمؑ نے قربانی دی تھی
تو نے قبول کر لی۔ تیرے بندے اسمٰعیل نے قربانی دی تھی تو نے قبول
کر لی۔ تیری کنیز ہاجرہ نے قربانی دی تھی تو نے قبول کر لی۔ بس میرے
یہ بندے جانیں اور تو جانے۔ یہ حج یادگار کیوں منوا رہا ہے۔ اور جس واقعہ
میں تین آدمیوں نے مل کر ایک قربانی دی تھی وہ واقعہ اس قابل ہے کہ ہر
سال حج کی صورت میں اس کی یادگار منائی جائے اور کربلا میں جہاں
یک دوپہر میں بہتر قربانیاں دی گئی ہیں اسکی یادگار نہ منائی جائے۔ لیکن
اصل بات یہ ہے کہ جو ظلم کرتا ہے، ظالم کا حامی ہوتا ہے۔ وہ نہیں
چاہتا کہ مظلوم کی یادگار قائم ہو لیکن جب ظالم مظلوم کی یادگار چھپانا چاہتا
ہے تو قدرت مظلوم کی یادگار رکھتی اور قائم کرتی ہے۔ ایک چھوٹا سا
قصہ یاد دلاؤں۔ ظالموں نے یحییٰ بن زکریا کو قتل کیا۔ یحییٰ مظلوم قتل
ہو گئے۔ زمین پر خون بہا۔ دنیا کہتی معمولی خون ہے۔ بہہ کر خشک ہو جائے
گا۔ مگر قدرت نے آواز دی۔ ظالمو! مظلوم کی یادگار میں مناؤں گا لہٰذا
جہاں پر خون بہا تھا وہاں پر زمین سے خون اُبلنے لگا۔ مگر ظالموں نے
دیکھا کہ خون اُبل رہا ہے مظلوم یحییٰ کی یادگار بن رہی ہے۔ تو جلدی جلدی
مٹی ڈالنے لگے۔ پتہ چلا۔ ظالم ظلم کرنے کے بعد مظلوم کی یادگار چھپانا
چاہتا ہے۔ ظالم کی یہ فطرت ہے مٹی ڈالی کہ یحییٰ کا مظلوم خون چھپ

جائے مگر قدرت نے کہا ظالم بس تیری طاقت یہ ہے کہ مٹی ڈالتا جائے
یہ میری کوشش ہے کہ تیری ہر کوشش کے باوجود مظلوم کی یادگار کو
بلند کرتا جاؤں۔ جتنی مٹی ڈالی گئی اتنا ہی خون ابھرا۔ خدا یادگار بنانے
پہ مُصر۔ قاتل یادگار مٹانے پر مُصر۔ نتیجہ ہوا، یہ مٹی ڈالتے گئے،
وہ خون ابلتا گیا اگر کہیں نشیب میں قتل ہوئے تھے۔ تو ان کی قتل گاہ
اونچی ہوتے ہوتے ایک ٹیلا بن گئی۔ اگر دشمن یادگار چھپانے کی کوشش
نہ کرتا تو کہیں کی یادگار زمین ہی پہ رہ جاتی۔ مگر جیسے جیسے ظالم مخالفت
کرتا گیا۔ ویسے ویسے یادگار بلند ہوتی گئی۔ اسی سے سمجھو حسینؑ کی عزاداری
کی جتنی مخالفت کرتے جاؤ گے، یہ یادگار اتنی ہی اونچی ہوتی جائیگی۔ اب
زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آج عاشور کی رات ہے لیکن اتنا ضرور
کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اپنا اپنا نصیب ہے۔ کوئی حسینؑ کی عزاداری کی
مخالفت کرتا ہے۔ اور کوئی حسینؑ کی عزاداری پہ جان چھڑکتا ہے
قبل اس کے کہ مصائب کی حدود تک پہنچوں، میرا جی چاہتا ہے۔ کہ
کہوں قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ۔ جنھوں نے دس دن تک اپنے راحت
و آرام کو تج دیا۔ مجلسوں میں شرکت کی، یقیناً خوش نصیب ہیں
میرے وہ نوجوان جو مجلس کا انتظام کرتے ہیں، مجلس میں آنے والوں کی
خدمت کرتے ہیں۔ اس حد تک خدمت کرتے ہیں کہ ان میں سے بہت
سے مجلس سن بھی نہیں پاتے۔ مگر وہ اس پر خوش ہیں کہ جو مجلس سننے
آرہے ہیں انکی خدمت ہو جائے۔ والنیٹروں میں نہ رضا کاروں میں پیغمبر

پیچھے چھپا چھپا کر آنے والے مجلس سنیں، ہم اجداد کے جھتے اٹھا کر رکھیں، ہم ان کے لئے راستہ بنائیں۔ یہاں تک کہ ہم مجلس نہ سن سکیں بتاؤں کہاں سے جذبہ پیدا ہوا۔ جب حسینی نوجوان نے سنا کہ حسینؑ نماز ظہر پڑھنا چاہتے تھے۔ دشمن نے حسینؑ کے سینے پر تیر اٹھانا چاہا تو حسینؑ کی جماعت میں سے دو آدمی باہر نکلے۔ زہیر قین، سعید ابن عبداللہ۔ اور دونوں نے کہا مولا آپ نماز پڑھیں۔ ہماری نماز یہ ہے کہ جب تک آپ نماز پڑھتے رہیں گے۔ ہم اپنے سینے پر تیر روکتے رہیں گے۔ سعید اور زہیر نے یہ رسم قائم کی کہ حسینؑ کے چاہنے والے وہ بھی ہوتے ہیں جو ساتھیوں کو حسینی کام میں مدد دیتے ہیں۔ اور اپنی محرومی پہ ناز کرتے ہیں۔ حسینؑ کے پیچھے لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سعید اس بات پہ خوش تھے میں نے لاتے ساتھیوں اور حسینؑ کو نماز پڑھنے کا موقع دیا۔ وہی جذبہ ہے رضا کاروں میں پایا جاتا ہے۔ کہ ہم مجلس نہیں سن سکتے مگر وہیں پہ جوش میں آنے والے مطمئن ہو کر سن رہے ہیں۔ اور یہ جذبہ بڑا قابل مبارکباد جذبہ ہے۔ لیکن یہ نیا جذبہ نہیں ہے۔ تاریخ گواہی دے رہی ہے۔

ظالموں نے اتنا ہی نہیں کیا تھا کہ حسینؑ قتل ہو جائیں اہلبیتؑ اسیر ہو جائیں۔ حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑا لے جائیں، حسینؑ کی میت دفن نہ ہونے پائے۔ بلکہ دنیا نے یہ چاہا تھا کہ حسینؑ کی قبر کا نشان مٹے قبر میں پانی بہا دیا جائے۔ بیل چلا دیئے جائیں، ہل سے برابر کر دی جائے۔ لاش حسینؑ کو پامال کرنے والی دشمن دنیا چاہتی تھی کہ

نشانِ قبر مٹا دیا جائے۔ مگر اشتر نے کہا جب تک حسینؑ کی لاش پامال ہوتی
تھی۔ تب تک اہلبیتِ حسینؑ صبر کا امتحان دے رہے تھے۔ اپنا میں نہیں
بول سکتا تھا۔ بندہ اپنی طاقتِ صبر دکھا رہا تھا۔ لیکن جب میں نے حسینؑ
کی قربانیاں قبول کر لیں۔ تو پھر حسینؑ کی یادگار میری حفاظت میں ہے
جب تک امتحان کا موقع تھا میں خاموش رہا حسینؑ کی لاش پامال ہو تو دیکھا لیکن اب حسینؑ کی قبر
کو کوئی پامال نہیں کر سکتا اسلئے کہ یہ میری حفاظت میں ہے جب بنیا نشانِ قبرِ حسینؑ نہ مٹا
سکی تو جو زیارت کرنے جاتے تھے ان کو روکا۔ رضاکاروں کے جذبے سے متاثر ہو کر
اشتر قوم کو یاد دلا رہا تھا اور میرے دل سے دعا نکلتی ہے پالنے والے ان کو سلامت رکھنا یہ
تیرے مظلوم بیٹے حسینؑ کے ماتم میں بیچارہ چاند کا ہے جس کے ماتم ان گودیوں کو آباد رکھ، جن گودیوں میں تیرے
حسینؑ کے ماتمدار پل رہے ہیں۔ مالک ان گھروں کو باقی رکھ جن گھروں سے حسینؑ پر رونے کی
آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ زائروں کو حسینؑ کی قبر پر جانے
سے روکا جا رہا تھا۔ سختیاں بڑھ رہی تھیں۔ اور سختی بڑھتے بڑھتے یہ
بھی نوبت آئی کہ جب کوئی زائر جانے کے لیے کہتا تھا تو حکومت اور
ظالم کہتے تھے دو آدمی آؤ۔ ایک قتل ہونا گوارا کرے تو دوسرا زیارت
کرنے جائے۔ "اشتر" جو زیارت کرنے کے لیے پہنچ گئے وہ تو خوش
نصیب تھے مگر سوچو۔ اس کے سینے میں کتنا بڑا دل تھا جو قتل بھی ہو رہا تھا
اور حسینؑ کے روضے تک بھی نہیں پہنچ رہا تھا مگر اس پر خوش تھا۔ میں
پہنچا ہوں نہیں مگر کم سے کم میرے قتل ہونے سے ایک زائر تو پہنچ گیا یہ
زائرینِ حسینؑ نہیں قتل ہونے والے زائر سید الشہداءؑ کے راستے پہ بچھا رہے

تھے میرے نوجوانو قانون کی پابندی کرنا۔ حکومت کو نقض امن کا الزام عائد کرنے کا موقع نہ دینا۔ تمہارے پاس امام باڑے ہیں، تمہارے پاس جگہیں ہیں۔ وہاں ماتم کرو۔ اور اتنا روؤ کہ آنسو باقی نہ رہ جائیں۔ کل عاشور کا دن ہے، جن دلوں میں محبت ہے وہ فاقہ کرتے ہیں۔ روزہ نہیں رکھتے روزہ تو رکھا تھا یزید کے ساتھیوں نے۔ جو قتل حسینؑ کو اپنی فتح مانے وہ شکرانہ کا روزہ رکھتے۔ اس لئے ہم روزہ نہیں رکھتے ہم فاقہ کرتے ہیں چاہتے ہیں اپنے کو ان تکلیفوں میں شریک کریں۔ جو تکلیفیں ہمارے آقاؤں پہ گزر گئیں۔ وہ تین دن کے بھوکے پیاسے تھے ہم سے اگر کچھ نہیں ہو سکتا تو ہم صبح سے لے کر پانچ بجے تک بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ تاکہ ہمیں بھی محسوس ہو کہ کربلا میں کیسی بھوک پیاس تھی۔ کل چلنے والے جب چلیں گے چاہے وہ ماتم نہ کرتے ہوں، مگر گھر سے امام باڑہ تک آتے ہیں تو پیدل آتے ہیں ننگے پیر آتے ہیں، جلتی ہوئی سڑک پر جب پیر پڑتا ہے تو ایک مرتبہ دل آواز دیتا ہے۔ جب یہ زمین اتنی گرم ہے تو وہ زمین کتنی گرم ہوگی جس پر حسینؑ نے اصغر کو لٹایا تھا "اجرکم علی اللہ" بس آپ کے سامنے مصائب ہی پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ جو دس دن سے مہمان تھا۔ اب اس کے جانے کا وقت قریب ہے۔ اللہ جانے ہم میں سے کون اگلے سال زندہ رہے گا۔ کون نہیں رہے گا۔ مالک تو جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے لہٰذا اے کریم تجھے حسینؑ ہی کی قربانی کا واسطہ کہ اگر معبود ہمیں زندہ رکھنا تو حسینؑ کا ماتم دار رکھنا۔ اور پالنے والے ہم میں سے کسی کو موت دینا تو اتنی اجازت

دینا کر جب اگلے سال محرم کا چاند نکلے اور مجلسیں ہوں۔ تو ہماری روحوں کو اجازت ہو کہ مجلسوں میں آ کر مظلوم کا ماتم کر سکیں۔ آج عاشور کی رات ہے وہ رات کہ ایسی ایسی رات نہ کبھی پہلے آئی نہ اس کے بعد آئی۔ راتیں ہمیشہ آتی اور آتی رہیں گی۔ مگر عاشور کی رات جس میں تین دن کے پیاسوں نے جلتی ریت پر تیمم کر کے رات بھر نمازیں پڑھیں اور استاد دل لگا کر نمازیں پڑھیں کہ چھوٹے بچوں کی آواز آتی تھی۔ العطش العطش ہائے پیاس مارے ڈالتی ہے۔ مگر باپ سجدے میں پیشانی رکھے کہہ رہا تھا۔ سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ" اور وہ خیمہ پر بچہ آواز دے رہا تھا بابا میں پیاسا ہوں۔ مگر بچے کو بھول کے سجدہ کرنے والے زندگی کے آخری سجدے کر رہے تھے یہ تھے کربلا کے نمازی۔ رات گذر گئی، صبح ہوئی وہ صبح کہ قیامت کی صبح کا ہونا آسان تھا مگر کربلا میں عاشور کی صبح کا ہونا دشوار تر تھا، آج آفتاب بھی نکل رہا تھا تو اس کا چہرہ سرخ نہیں تھا زرد تھا، اس لئے کہ اُسے احساس تھا کہ اب تک میں نے جو کچھ نہیں دیکھا ہے۔ آج وہ سب کچھ دیکھنا پڑے گا۔ اسے معلوم تھا، آج تک حسینؑ کو دیکھا ہے، آج ان کی کچلی ہوئی لاش دیکھنا ہو گی۔ آج تک اصغرؑ کو دیکھا ہے، آج چھدا ہوا گلا دیکھنا ہے۔ آج تک اکبرؑ کو دیکھا ہے اب سینے میں نیزہ کا پھل دیکھنا ہے۔ آج تک عباسؑ کو دیکھا ہے، اب ان کے کٹے ہوئے شانے دیکھنا ہیں۔ اب تک خیمے دیکھے ہیں، اب سیدانیوں کو کھلے سر دیکھنا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آفتاب صبح کو نکلا۔ حسینؑ کے گلے کے

گھٹنے تک لٹکا رہا۔ مظالم دیکھتا رہا۔ مگر جب خیمے جلنے لگے اور فاطمہؑ کی بیٹی برہنہ سر نکلنے لگی تو آفتاب کو یاد آیا۔ ارے یہ زینبؑ اس علیؑ کی بیٹی ہے جس کی نماز کے لیئے میں ڈوب کے پلٹا تھا۔ آفتاب نے آواز دی۔ اے میری شہزادی زینبؑ، میرے پاس چادر نہیں ہے جو میں تیرے سر پہ ڈال دوں۔ لیکن اے علیؑ کی بیٹی لے میں گہن کی چادر میں اپنا منہ چھپائے لیتا ہوں۔ تاکہ دنیا میں اندھیرا ہو جائے اور تیرا پردہ رہ جائے۔ دنیا میں سب سے زیادہ المناک واقعہ واقعۂ کربلا ہے اور کربلا کے دردناک دنوں میں سب سے زیادہ دردناک دن عاشور کا دن ہے۔ اور عاشور کے دن سب سے زیادہ سخت وقت عصر عاشور ہے۔ کیا کہا میں نے؟ مصیبت کا دن تو پورا دن تھا! ہائے کیسی مصیبت، کبھی حبیب کی میت آرہی ہے کبھی ابو ثمامہ کا جنازہ آرہا ہے، کبھی جون جانے کے لیئے قسمیں کھا رہے ہیں۔ کبھی غلام ترکی، سید سجاد کے پیروں پہ سر رکھ رہا ہے۔ اے مولا مجھے بھی اجازت دیدو۔ کبھی عونؑ و محمدؑ جا رہے ہیں، کبھی اکبرؑ جا رہے ہیں۔ شہادت علی اکبرؑ کل پڑھی تھی آج جی چاہتا ہے ایک دو جملے اپنے ننھے مجاہد کے لیئے بھی کہوں۔ وہ اصغرؑ کہ جب حسینؑ کل مدینے سے چلنے لگے تھے اور چھوٹی ہوئی بہن دوبارہ ملنے نہیں آئی تھی اس وقت چند دن کے تھے اصغرؑ۔ رباب کے سامنے آکر فاطمہ صغریٰ نے کہا اماں، ذرا ایک مرتبہ میرے بھیا اصغرؑ کو دے دو۔ سینے سے لگا لوں۔ ماں نے دے دیا، بہن نے بھائی کو سینے سے لگایا۔ اصغر جانے سینے کے اندر بہن کا دل کیسے دھڑک رہا تھا کہ ننھے اصغرؑ نے

وہ دھڑکن گن لی اور کہا میری بیمار بہن تم اتنی بے چین ہو تو۔ میں نہ جاؤں گا۔ قافلہ چلنے کے لئے تیار ہوا۔ ماں نے گود پھیلا دی۔ اصغرؑ آجاؤ۔ اصغرؑ نے گردن موڑ لی۔ رباب نے کہا بہن زینبؑ دیکھو اصغرؑ نہیں آتے پھوپی آئی۔ میرے لال میری گود میں آجا۔ نہیں آئے۔ ایک ایک نے بلایا اصغرؑ نہیں آئے۔ آخر میں خود حسینؑ آئے اور پتہ نہیں اصغرؑ کے کان میں کیا کہا کہ اصغرؑ نے بہن کا چہرہ دیکھا۔ اچھا بہن خدا حافظ۔ بابا مجھے آواز دے رہے ہیں۔ اے بہن جاؤ بابا کی بے کسی کے لئے میری گواہی کی ضرورت ہے۔ اصغرؑ چلے آئے۔ مگر جب علی اکبرؑ کے بعد حسینؑ نے کہا "ہل من ناصر ینصرنا" تو بیبیاں رونے لگیں۔ حسینؑ پلٹ کے گئے پوچھا کیوں روتی ہو۔ میں تو زندہ ہوں۔ جناب زینبؑ نے کہا بھیا تم نے جب کہا کوئی مددگار، تو اصغرؑ جھولے سے نکل پڑے۔ حسینؑ نے کہا لاؤ میرے بچے کو لاؤ۔ باپ کے ہاتھوں پر اصغرؑ خاموش آنکھوں سے کہہ رہے تھے بھیا اکبرؑ کے بعد بابا آپ مجھے بھول گئے اگر میری ضرورت نہ تھی تو مجھے بہن کے پاس چھوڑ دیا ہوتا۔ بابا مجھے لے چلو میدان میں۔ میں تلوار لے کر لڑ نہیں سکتا۔ لیکن بابا جب تک تیرا اصغرؑ زندہ ہے تب تک اگر حرملہ تیر پھینکے گا تو تیرے بازو پہ لگنے نہ دوں گا۔ بابا اپنے گلے پر روک لوں گا۔ اصغرؑ شہید ہو گئے، اصغرؑ دفن ہو چکے۔ سنئے وہ نازک ترین وقت آگیا، جس کے لیے میں نے کہا تھا۔ سب سے بڑی مصیبت کا واقعہ واقعہ کربلا ہے۔ دنوں میں مصیبت کا دن عاشورہ ہے۔ عاشورہ کے

وہی سب سے زیادہ نازک وقت عصر کا وقت ہے، کون عصر کا وقت؟ جب
حسینؑ چھوٹی سی قبر میں اصغرؑ کو سلا کر آئے، خیموں میں۔ اور کہا کہاں ہے
میری بہن زینبؑ یہ موقع اس لئے سنا رہا ہوں کہ محدث عباس قمی نے اپنی
کتاب منتہی الآمال میں لکھا ہے کہ ایک عالم کو کسی نے خواب میں دیکھا تھا
کہ وہ مجلس پڑھنے کے لئے بیٹھے۔ تو ایک شخص نے ان سے آ کے کہا کہ تیری
مجلس فاطمہؑ بھی سن رہی ہیں اور انھوں نے پیغام بھیجا ہے کہ اے میرے
بچے کے مصائب بیان کرنے والے سب بیان کرنا تو میرے بچے حسینؑ کی رخصت
ضرور پڑھنا۔ اس لئے میں رخصت کے ذکر پہ مجلس تمام کرنا چاہتا ہوں۔
الغرض حسینؑ خیمے میں آئے پوچھا کہاں ہیں میری بہن زینبؑ۔ زینبؑ سامنے
آ گئیں۔ بھیا کیا چاہتے ہو۔ کہا بہن میرا پرانا لباس لے آؤ۔ کہا کیوں بھیا۔
کہا اس لئے لباس کے نیچے پرانے کپڑے پہننا چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد لباس
اتارا جائے تو میت برہنہ نہ رہنے پائے۔ کیسی تھی وہ بہن جس نے لا کے وہ پرانے کپڑے
بھائی کو دے دیئے تا کہ مرنے کے بعد میت برہنہ نہ رہنے پائے۔ میرا دل کہتا ہے یہ کپڑے لا کے
زینبؑ حسینؑ کو نہیں دے رہی تھیں۔ یہ بہن تھی جو زندگی میں بھائی کو کفن پہنا رہی
تھی۔ جب میرا مولا لباس تبدیل کر چکا۔ تو کہا اے بیبیوں اور بچوں۔ تم بھی اسیر ہونے
کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اعلان اسیری کر کے حسینؑ۔ اس خیمے کی طرف چلے جس خیمے میں
بستر بیماری پر سید سجادؑ تھے۔ جب باپ بیٹے سے ملنے کے لئے جانے لگا تو بہن
کو آواز دی کہ بہن زینبؑ میں اکیلا جانا نہیں چاہتا۔ آؤ زینبؑ تم میرے ساتھ چلو! اے

مولا آپ باپ ہیں، سید سجادؑ بیٹے ہیں۔ اکیلے کیوں نہیں جاتے ہیں۔ حسینؑ کہیں
گے اکیلے اس لیے نہیں جاتا کہ جب میں رخصت ہو کر چلنے لگوں گا تو میرا ایسا بیٹا
کسی کو ہونا چاہیے جو محبت سے چھڑا لے۔ ہاں مولا سید سجادؑ تم سے لپٹیں گے
تو زینبؑ محبت سے چھڑا لیں گی لیکن جب تمہاری کٹی ہوئی لاش سے پانچ برس کی سکینہؑ
لپٹی ہوئی بین کر رہی ہو گی۔ بابا، خیمے جل گئے۔ تم نے جو بندے پہنائے تھے وہ
چھین گئے۔ تو محبت کے بہانے ظالم تازیانے، اور طمانچے مار کے باپ سے جدا
کر دیں۔ اجرکم علی اللہ۔ بس پانچ منٹ سنیے اور مجلس تمام ہو جائے گی۔ خیمے
میں آئے جس میں میرا چوتھا امام حالت غش میں ہے۔ حسینؑ کھڑے رہے۔
زینبؑ سرہانے بیٹھ گئیں اور بیمار بھتیجے کے چہرے پہ ہاتھ ملنا شروع کیا۔
سید سجادؑ نے آنکھیں کھولیں۔ کہا پھوپھی اماں، کہا ہاں بیٹا، کیسی طبیعت
ہے۔ بیمار کیا بتائے۔ جسے نہ غذا ملی ہے نہ دوا نہ پانی۔ کہا پھوپھی اماں خدا کا
شکر ہے۔ لے پھوپھی اماں آپ بتائیے۔ خیریت ہے؟ کہا بیٹا یہ تمہارے
سامنے تمہارے باپ کھڑے ہیں۔ یہ جو سنا۔ تو ایک مرتبہ بیمار نے بے چین ہو
کر کہنیوں پر سہارا دے کر اٹھنا چاہا۔ میرا بابا آیا ہے۔ ارے کدھر ہے میرا
بابا۔ جسم کی طاقت سمیٹ کر اٹھنا چاہا۔ مگر اٹھا نہ گیا۔ کہا پھوپھی اماں۔ مجھ
سے اٹھا نہیں جاتا۔ سہارا دیجئے۔ ارے ماتم کرنے والو! جو عاشور کے
دن بستر پہ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا وہ گیارہ محرم کو اسیر بنایا گیا۔ گلے میں طوق
ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں۔ مختصر یہ کہ بستر پہ سجادؑ سنبھل کر بیٹھے
کہا پھوپھی اماں، بابا کدھر ہیں۔ کہا بیٹا سامنے دیکھو۔ اب جو غور سے دیکھا

تو حسینؑ سر سے پیر تک تیروں میں چھپے ہوئے تھے دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ کہا بابا یہ کیا حال ہے۔ ارے میرا چچا کہاں ہے۔ اے پھوپھی اکبرؑ کہاں ہیں ارے میرا باپ زخمی ہو گیا۔ قاسمؑ کہاں ہیں۔ ارے بلاؤ حبیب کو۔ حسینؑ نے کہا بیٹا۔ اب کوئی زندہ نہیں۔ اے لال ہم مرنے جاتے ہیں۔ اور تمہیں اسیر ہونے کے لئے چھوڑے جاتے ہیں۔ مگر نے بیٹھے بددعا ذکر نا۔ ختم کردوں اب مجھ سے بھی پڑھا نہیں جاتا۔ میری طاقت بھی جواب دے رہی ہے مگر حسینؑ کی رخصت کا حال انشاءاللہ بیان کر ہی دوں گا۔ ہاں حسینؑ کا ماتم کرنے والو! بیٹے کو رخصت کر کے حسینؑ چلے۔ اور حسینؑ کو رخصت کرنیوالا تھا پیچھے پیچھے چلا۔ بتاؤں کون۔ کچھ یتیم اور کچھ لاوارث اور بیوہ عورتیں سارے خیموں سے گزر کر آخری خیمے کے در پر حسینؑ کے خیموں کے آگے قنات تھی۔ قنات اور خیموں کے درمیان حسینؑ کا گھوڑا کھڑا تھا اور حسینؑ نے ایک ایک خیمے میں جتنے بچے تھے، جتنی عورتیں تھیں، سب پر نظر ڈالی اور جس پر نظر پڑی حسینؑ کو خیال آیا میرے بعد اس پر کیا گذر جائیگی۔ سکینہؑ پر نظر پڑی، خیال آیا طمانچے کھائیگی۔ زینبؑ پر نظر پڑی، اس کے بازو میں رسی بندھے گی۔ رباب پر نظر پڑی، مشکیں کسی جائینگی۔ بس جس پر نظر پڑی اس کے قید ہونے کا منظر یاد آیا۔ اور جب منظر یاد آیا۔ حسینؑ کا دل بیچین ہوا۔ اپنے کو بھی تسلی دی۔ اور اسکو بھی تسلی دی۔ سکینہؑ کو دیکھا۔ کچھ بیٹی گھبرانا نہیں۔ خدا حافظ ایک ایک کو سلام کیا۔ یہاں تک کہ بچپن سے ساتھ رہنے والی سے بھی کہا خدا حافظ سلام۔ جسے تم نے جھولا جھلایا تھا آج وہ